هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران)

بیانُ القرآن

حصّہ سوم

ترجمہ ومختصر تفسیر

سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبۃ

از

ڈاکٹر اسرار احمد

مُرتّبہ

حافظ خالد محمود خضر

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

شائع کردہ

انجمن خُدّامُ القُرآن

خیبر پختونخوا' پشاور

ترتیب

عرضِ مُرتّب

یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور فضل و احسان کا مظہر ہے کہ اُس نے ہمیں ''بیان القرآن'' حصہ اول اور حصہ دوم کے بعد حصہ سوم کی ترتیب وتدوین اور اشاعت وطباعت کی توفیق مرحمت فرمائی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ!

جیسا کہ ''بیان القرآن'' کے قارئین جانتے ہیں' یہ تفسیری کاوش محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن کو ترتیب وتسوید اور تدوین کے مراحل سے گزار کر تخریج احادیث کے اضافے کے ساتھ جزءًا جزءًا کتابی صورت میں پیش کی جارہی ہے۔ دعوتِ قرآنی کی نشر واشاعت کے اس کام میں لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) نہایت دلچسپی اور سرگرمی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''بیان القرآن'' کی ترتیب وتسوید کا بالکل ابتدائی کام یعنی اسے کیسٹ سے سن کر صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا تنظیم اسلامی حلقہ خواتین نے سرانجام دیا ہے' جس پر ہماری یہ بہنیں بجا طور پر تشکّر وتحسین اور دعائے خیر کی مستحق ہیں۔

''بیان القرآن'' حصہ اوّل کی اشاعت کے بعد اسے علمی وعوامی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہورہی ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے نومبر ۲۰۰۸ء سے اب تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی حیاتِ مستعار میں ''بیان القرآن'' کا صرف حصہ اوّل ہی شائع ہوسکا تھا' جبکہ حصہ دوم پریس جانے کے لیے تیار تھا کہ آپ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب انتہائی خوش قسمت ہیں کہ اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی' حدیثِ نبویؐ میں دی گئی بشارت کے مصداق' آپ کا دفترِ عمل مکمل طور پر بند نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ)) (رواہ مسلم والترمذی) ''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اُس سے اس کے اعمال کا تعلق ختم ہوجاتا ہے (یعنی نامہ اعمال بند ہوجاتا ہے) سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ' یا ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے' یا نیک اولاد جو اس کے لیے دُعا کرتی رہے''۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ مذکورہ بالا تین چیزوں میں سے صرف ایک یا دو نہیں' پوری تین سعادتیں ان کے حصے میں آئی ہیں' جو ان کے حسنات و درجات میں روز افزوں ترقی واضافہ کا باعث ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب اپنے حصے کا کام مکمل کر گئے' لیکن ہمیں اپنے حصے کا کام کرتے رہنا ہے۔

بیان القرآن (حصہ سوم) سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف' سورۃ الانفال اور سورۃ التوبۃ کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمتِ قرآنی کو شرفِ قبول عطا فرما کر اسے محترم ڈاکٹر صاحب کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے' اس کی ترتیب وتدوین اور اشاعت وطباعت میں شریک تمام خواتین وحضرات کے لیے اسے دُنیوی واُخروی فوز وفلاح کا باعث بنائے اور ہمیں وہ ہمت واستقامت عطا فرمائے جو اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے درکار ہے۔ آمین!

جمعۃ المبارک
۲۲ جولائی ۲۰۱۱ء

حافظ خالد محمود خضر

سُورۃُ الانُعام

تمہیدی کلمات

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، حجم کے اعتبار سے قرآن مجید کا دو تہائی حصہ مکّی ہے جبکہ لگ بھگ ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ البتہ قرآن حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے جو سات گروپ ہیں ان میں سے پہلے گروپ میں مکی سورت صرف ایک ہے یعنی سورۃ الفاتحہ۔ یہ سورۃ اگرچہ حجم کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹی (کُل سات آیات پر مشتمل) ہے، مگر معنوی اعتبار سے بہت عظمت اور فضیلت کی حامل ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سورۃ مکی اور مدنی تقسیم سے بہت اعلیٰ وارفع اور بلند تر ہے۔ بہر حال مکی اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں تو مکی قرآن گویا بہت ہی تھوڑا ہے (سورۃ الفاتحہ کی صورت میں)، البتہ دوسرے گروپ میں دو بڑی مکی سورتوں یعنی سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کا جوڑا شامل ہے۔ اب ہم اس جوڑے کی پہلی سورۃ یعنی سورۃ الانعام کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق سورۃ الانعام پوری کی پوری بیک وقت، ایک ہی تنزیل میں نازل ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں اس سورۃ کو لے کر اُترے۔ اس سورت سے مکی اور مدنی سورتوں کا دوسرا گروپ شروع ہو رہا ہے جو چار سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہ گروپ اس لحاظ سے بہت متوازن ہے کہ اس میں دو مکی سورتیں (الانعام اور الاعراف) اور دو ہی مدنی سورتیں (الانفال اور التوبہ) ہیں۔ مضامین کی مناسبت سے یہ چاروں سورتیں بھی دو دو کے جوڑوں میں ہیں، یعنی ایک جوڑا مکی سورتوں کا جب کہ دوسرا جوڑا مدنی سورتوں کا۔

اس سے پہلے ہم مدنی قرآن پڑھ رہے تھے (سوائے سورۃ الفاتحہ کے)، لیکن اب مکّی قرآن کا ایک حصّہ ہمارے زیر مطالعہ آ رہا ہے۔ سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ (مدنیات) میں منافقین اور یہود و نصاریٰ سے براہِ راست خطاب تھا، لیکن اب مکی سورتوں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) میں مشرکینِ عرب سے گفتگو ہے۔ سورۃ الاعراف میں اہلِ کتاب کا ذکر تو ہے، لیکن یہاں ان سے براہ راست کوئی خطاب یا گفتگو نہیں ہے۔

مکی اور مدنی سورتیں اپنے ماحول اور پس منظر کے اعتبار سے مضامین و موضوعات کے دو الگ الگ گلدستے پیش کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے میں نے مکی اور مدنی قرآن کو دو الگ الگ جنتوں کے نام سے موسوم کر رکھا ہے ـــــ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾﴾ (الرحمٰن) ''اور جو کوئی اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو جنتیں ہوں گی'' ـــــ قرآن مجید کی ایک مکی جنت ہے اور دوسری

مدنی جنت۔ گویا قبل ازیں ہم مدنی جنت کی سیر کر رہے تھے‘ اب ہم مکی جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا سورۃ الانعام پڑھتے ہوئے آپ بالکل نیا ماحول محسوس کریں گے۔ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) چونکہ رسول اللہ ﷺ کے قیامِ مکہ کے تقریباً آخری دور میں نازل ہوئی تھیں اس لیے ان میں مشرکینِ عرب (بنی اسماعیل) پر بالکل اسی انداز سے اتمامِ حجت کیا گیا ہے جیسے مدنی سورتوں میں اہلِ کتاب پر کیا گیا تھا۔ پھر ان سورتوں کے موضوعات کے اندر بڑی پیاری تقسیم ملتی ہے۔ مکی سورتوں کا اہم ترین مضمون ’ایمان‘ ہے یعنی ایمان باللہ‘ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ‘ وغیرہ۔ ایمان کی طرف بلانے کے لیے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی اصطلاحات کے مطابق قرآن حکیم میں دو طرح سے استدلال کیا جاتا ہے: **التذکیر بآلاءِ اللّٰہ** اور **التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ**۔

التذکیر بآلاءِ اللّٰہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے احسانات‘ اس کی نعمتوں‘ اس کی عظمت و قدرت‘ اس کی آیاتِ آفاقیہ و آیاتِ انفسیہ وغیرہ کے حوالے سے یاد دہانی اور تذکیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان ہمارے اندر پہلے سے بِالقُوّۃ (potentialy) تو موجود ہے‘ مگر یہ فعال نہیں ہے‘ سویا ہوا (dormant) ہے۔ اسے فعال (active) کرنے اور جگانے کے لیے اللہ کی قدرت‘ اس کی نعمتوں اور انفس و آفاق میں اس کی نشانیوں سے استدلال کر کے یاد دہانی کرائی جاتی ہے‘ جس کو شاہ ولی اللہؒ نے **التّذکیر بِآلاءِ اللّٰہ** کا نام دیا ہے۔

دعوت اِلی الایمان کے قرآنی استدلال کا دوسرا پہلو یا طریقہ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق **التّذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ** ہے‘ یعنی اللہ کے دِنوں کے حوالے سے استدلال۔ اللہ کے دنوں کے اعتبار سے سب سے اہم اور عبرت ناک وہ دِن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی قوموں کو تہس نہس کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ کی سنّت یہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا اور اُس نے اپنی امکانی حد تک محنت و مشقّت کی‘ قوم کے افراد کو حق کی دعوت پہنچا دی‘ حق کو مبرہن کر دیا‘ ان پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو گیا اور اُس قوم کے افراد کو اللہ کا پیغام پہنچا کر ان پر اتمامِ حجت کر دیا‘ مگر وہ قوم پھر بھی کفر پر اڑی رہی اور اُس نے رسول کی دعوت کو ردّ کر دیا تو پھر اُس قوم کے ساتھ رعایت نہیں برتی گئی اور بے لاگ فیصلہ سنا دیا گیا‘ یعنی وہ قوم ختم کر دی گئی۔ جیسے قومِ نوحؑ کے ساتھ ہوا تھا‘ حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے معدودے چند اہلِ ایمان ساتھی ایک کشتی پر محفوظ رہے‘ باقی پوری نوعِ انسانی (جو اُس وقت تک اُتنی ہی تھی) نیست و نابود کر دی گئی۔ قومِ عاد پوری ختم کر کے نسیاً منسیا کر دی گئی‘ صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے چند لوگوں کو بچایا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور مٹھی بھر اہلِ ایمان کے علاوہ قومِ ثمود کو بھی برباد کر دیا گیا۔ اسی طرح قومِ شعیبؑ کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ عامورہ اور سدوم کی بستیوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا‘ صرف حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں کے ساتھ وہاں سے نکل سکے‘ باقی پوری قوم ختم ہو گئی۔ اسی طرح آلِ فرعون کو بھی غرق کر دیا گیا۔

یہاں پر رسول اور نبی کی دعوت کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ رسول کی دعوت کا انکار کرنے کی صورت میں متعلقہ قوم تباہ و برباد کر دی جاتی ہے۔ ان کے اس انکار سے گویا ثابت ہو گیا کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے‘ ان کی حیثیت محض اُس جھاڑ جھنکاڑ کی ہے جسے جمع کر کے آگ لگا دی جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے رسول کے

آجانے کے بعد بھی اگر کسی قوم کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو وہ گویا زمین کا بوجھ ہے‘ جس کا صفایا ضروری ہے۔ جب کہ نبی کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ نبی کی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے اولیاء اللہ ہیں۔ جس نے ان کی بات مان لی اس کو فائدہ ہو گیا‘ جس نے نہیں مانی اس کو ذاتی طور پر نقصان ہو جائے گا‘ لیکن نبی کے انکار سے پوری قوم کی تباہی اور ہلاکت نہیں ہوا کرتی۔ عام اولیاء اللہ اور انبیاء میں فرق یہ ہے کہ عام اولیاء اللہ پر وحی نہیں آتی‘ جبکہ انبیاء پر وحی آتی تھی۔

اس کے علاوہ ازلی وابدی حقائق بھی اَیَّامِ اللّٰہ میں شامل ہیں‘ یعنی ازل میں کیا واقعات پیش آئے‘ ابد میں کیا ہوگا‘ بعث بعد الموت کی تفصیلات‘ عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے احوال‘ اصحابِ جنت‘ اصحابِ جہنم‘ اور اصحابِ اعراف کی کیفیات وغیرہ۔ اس لحاظ سے سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں موضوعات کی جو ایک خوبصورت اور متوازن تقسیم ملتی ہے وہ اس طرح ہے کہ سورۃ الانعام میں جگہ جگہ التذکیر بِآلَاءِ اللّٰہ کی تفصیلات ہیں‘ جبکہ سورۃ الاعراف کا بڑا حصہ التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ پر مشتمل ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین میں جو بنیادی فرق ہے اسے ایک دفعہ پھر سمجھ لیجیے۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر گفتگو اور بحث ونزاع مشرکینِ عرب کے ساتھ ہے‘ لہٰذا ان سورتوں کا اصل مضمون توحید ہے‘ یعنی توحید کا اثبات‘ شرک کی نفی اور ایمانیات کا تذکرہ ہے۔ ان سورتوں میں اہلِ ایمان سے خطاب بہت کم ہے‘ اور ہے بھی تو براہِ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ سے واحد کے صیغے میں خطاب کیا جاتا ہے اور آپؐ کے ذریعے سے مسلمان مخاطب ہوتے ہیں۔ ان سورتوں میں نفاق کا ذکر شاید ہی کہیں ملے‘ کیونکہ مکی دور میں نفاق کا مرض موجود ہی نہیں تھا۔ اہلِ مکہ کے اندر کردار کی پختگی تھی‘ وہ وعدے کے پکے تھے‘ جس چیز کو مانتے تھے پورے خلوص واخلاص کے ساتھ مانتے تھے اور نہ ماننے کی صورت میں اُن کی مخالفت بھی بہت شدید ہوتی تھی۔ ان میں چال بازیاں اور ریشہ دوانیاں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ مکی سورتوں میں انسانی اخلاقیات پر بڑا زور دیا گیا ہے‘ مثلاً سچ بولنے کی تاکید‘ جھوٹ کی حوصلہ شکنی‘ بخل کی مذمت‘ سخاوت کی تعریف‘ مساکین کو کھانا کھلانے پر زور اور ان لوگوں پر تنقید جو دولت مند ہونے کے باوجود کٹھور دل ہیں۔ اِن سورتوں کا ایک خاص اور اہم مضمون سابقہ قوموں اور رسولوں کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے جو بڑی تفصیل اور تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ ان سورتوں میں اس سلسلے میں جو فلسفہ بار بار بیان ہوا ہے اس کا ذکر ’’التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ‘‘ کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کا انکار کرنے والی قوم کو عذابِ استیصال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ﴾ (الانعام: ۴۵) ’’پس جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی ظالم قوم کی۔‘‘

دوسری طرف مدنی سورتوں میں زیادہ تر خطاب یا تو مسلمانوں سے بحیثیت اُمتِ مسلمہ ہے یا پھر اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) سے بحیثیت سابقہ اُمّتِ مُسلمہ‘ دعوت کے انداز میں بھی اور ملامت کے انداز میں بھی‘ ترغیب سے بھی اور ترہیب سے بھی۔ ان سورتوں میں نفاق اور منافقین کا ذکر کثرت سے ہے۔ اوس اور خزرج کے جو لوگ مدینہ میں آباد تھے وہ اگرچہ اصل میں عرب تھے‘ لیکن یہودیوں کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے اُن کا مزاج اور کردار بدل چکا تھا۔ جو اخلاقی خرابیاں کسی بگڑی ہوئی مسلمان اُمت میں ہوتی ہیں وہ یہودِ مدینہ میں بتمام وکمال موجود تھیں اور ان کے زیر اثر اوس وخزرج کے لوگوں میں بھی اخلاق وکردار کی ویسی ہی کمزوریاں کسی نہ کسی

درجے میں پائی جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں منافقین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان سورتوں کا یہ ایک مستقل مضمون ہے۔ مدنی سورتوں کا اہم ترین مضمون احکامِ شریعت یعنی جائز و ناجائز' فرائض' واجبات' اوامر ونواہی وغیرہ کی تفاصیل ہیں۔

مکی سورتوں کے مضامین کی ایک اور تقسیم بھی سمجھ لیں۔ مکی اور مدنی سورتوں کے جن سات گروپوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے دوسرے اور تیسرے گروپ میں جو مکی سورتیں (سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف اور سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک مسلسل چودہ سورتیں) شامل ہیں ان میں ایمانیات میں سے زیادہ زور رسالت پر ہے' درمیانی دو گروپس کی سورتوں میں زیادہ زور توحید پر ہے' جبکہ آخری دو گروپوں میں شامل مکی سورتوں میں زیادہ زور آخرت (بعث بعد الموت' جزا و سزا' جنت اور جہنم) پر ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝١ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ ع قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝١١

آیت ۱ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ﴾ ’’کل تعریف اور تمام شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی اور بنایا اندھیروں اور اُجالے کو۔‘‘

یہاں ایک خاص نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مجید میں تقریباً سات سات پاروں کے وقفے سے کوئی سورۃ ’’اَلۡحَمۡدُ‘‘ کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کا آغاز ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ سے ہوا ہے‘ پھر ساتویں پارے میں سورۃ الانعام ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ﴾ سے شروع ہو رہی ہے‘ اس کے بعد پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف کا آغاز ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا﴾ سے ہو رہا ہے‘ پھر بائیسویں پارے میں اکٹھی دو سورتیں (سورۂ سبا اور سورۂ فاطر) ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ﴾ سے شروع ہوتی ہیں۔ گویا قرآن کا آخری حصہ بھی اس کے اندر شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح تقریباً ایک جیسے وقفوں سے سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف سے ہوتا ہے۔

دوسری بات یہاں نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ اس آیت میں خَلَقَ اور جَعَلَ دو ایک جیسے اَفعال مادّی اور غیر مادّی تخلیق کا فرق واضح کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ آسمان اور زمین چونکہ مادّی حقیقتیں ہیں لہٰذا ان کے لیے لفظ خَلَقَ آیا ہے‘ لیکن اندھیرا اور اُجالا اس طرح کی مادّی چیزیں نہیں ہیں (بلکہ اندھیرا تو کوئی چیز یا حقیقت ہے ہی نہیں‘ کسی جگہ یا کسی وقت میں نور کے نہ ہونے کا نام اندھیرا ہے)۔ اس لیے ان کے لیے الگ فعل جَعَلَ استعمال ہوا ہے کہ اُس نے ٹھہرا دیئے‘ بنا دیئے‘ نمایاں کر دیے اور معلوم ہو گیا کہ یہ اُجالا ہے اور یہ اندھیرا ہے۔

﴿ثُمَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ﴾ ’’پھر بھی وہ لوگ جو اپنے ربّ کا کفر کرتے ہیں اُس کے برابر کیے دیتے ہیں (جھوٹے معبودوں کو)۔‘‘

یعنی ’’یَعۡدِلُوۡنَ بِهٖ شُرَکَآءَ هُمۡ‘‘ کہ ان نام نہاد معبودوں کو اللہ کے برابر کر دیتے ہیں‘ جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات‘ صفات یا حقوق میں شریک سمجھا ہوا ہے‘ حالانکہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے‘ ظلمات اور نور کا بنانے والا بھی تنہا اللہ تعالیٰ ہی ہے‘ لیکن پھر بھی ان لوگوں کے حال پر تعجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہراتے ہیں۔

شرک کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ شرک صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی مورتی ہی سامنے رکھ کر اس کو سجدہ کیا جائے‘ بلکہ اور بہت سی باتیں اور بہت سے نظریات بھی شرک کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ہر دور میں بھیس بدل بدل کر آتی ہے‘ چنانچہ اسے پہچاننے کے لیے بہت وسعت نظری کی ضرورت ہے۔ مثلاً آج کے دور کا ایک بہت بڑا شرک نظریۂ وطنیت ہے‘ جسے علامہ اقبال نے سب سے بڑا بُت قرار دیا ہے ؏ ’’اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے!‘‘ یہ شرک کی وہ قسم ہے جس سے ہمارے پرانے دور کے علماء بھی واقف نہیں تھے۔ اس لیے کہ اس انداز میں وطنیت کا نظریہ پہلے دنیا میں تھا ہی نہیں۔

شرک کے بارے میں ایک بہت سخت آیت ہم دو دفعہ سورۃ النساء (آیت ۴۸ اور ۱۱۶) میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ﴾ ’’اللہ تعالیٰ اِسے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا

کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے‘ البتہ اس سے کمتر گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا‘‘۔ اللہ تعالیٰ شرک سے کمتر گناہوں میں سے جو چاہے گا‘ جس کے لیے چاہے گا‘ بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا‘ البتہ شرک سے بھی اگر انسان تائب ہو جائے تو یہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔ سورۃ النساء کی اس آیت کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے بات نہیں ہوئی تھی‘ اس لیے کہ شرک دراصل مدنی سورتوں کا مضمون نہیں ہے۔ شرک اور توحید کے یہ مضامین حوامیم (وہ سورتیں جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے) میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔ وہاں توحید عملی اور توحید نظری کے بارے میں بھی بات ہوگی۔ سورۃ الفرقان سے سورۃ الاحقاف تک مکی سورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے‘ جس میں سورۂ یٰسٓ‘ سورۂ فاطر‘ سورۂ سبا‘ سورۂ صٓ اور حوامیم بھی شامل ہیں۔ سورۂ یٰسٓ اس سلسلے کے اندر مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں شامل تمام سورتوں کا مرکزی مضمون ہی توحید ہے۔ بہر حال یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ جو حضرات شرک کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ’’حقیقت واقسامِ شرک‘‘ کے موضوع پر میری تقاریر سماعت فرمائیں۔ (یہ چھ گھنٹوں کی تقاریر ہیں‘ جو اسی عنوان کے تحت اب کتابی شکل میں بھی دستیاب ہیں) بڑے بڑے جید علماء نے ان تقاریر کو پسند کیا ہے۔

آیت ۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ﴾ ’’وہی ہے جس نے تمہیں بنایا ہے گارے سے‘ پھر ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔‘‘

یعنی ہر شخص جس کو اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے اُس کا اِس دنیا میں رہنے کا ایک وقت معین ہے۔ اس اجل سے مراد اس کی موت کا وقت ہے۔

﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝﴾ ’’اور ایک اور معیّن وقت اُس کے پاس موجود ہے‘ پھر بھی تم شک کرتے ہو!‘‘

یعنی ایک تو ہے انفرادی موت کا وقت‘ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ))(۱) ’’جس کو موت آ گئی اُس کی قیامت تو قائم ہو گئی‘‘۔ جبکہ ایک اس دنیا کی اجتماعی موت کا مقررہ وقت ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے پاس رکھا ہے‘ کسی اور کو نہیں دیا۔

آیت ۳ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ’’اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔‘‘

ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں کا خدا کوئی اور ہو زمین کا کوئی اور۔ ہاں فرشتوں کے مختلف طبقات ہیں۔ زمین کے فرشتے‘ فضا کے فرشتے اور آسمانوں کے فرشتے معیّن ہیں۔ پھر ہر آسمان کے الگ فرشتے ہیں۔ پھر ملائکہ مقرّبین ہیں۔ لیکن ذاتِ باری تعالیٰ تو ایک ہی ہے۔

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝﴾ ’’وہ جانتا ہے تمہارا چھپا بھی اور تمہارا ظاہر بھی‘ اور وہ جانتا ہے جو کچھ (نیکی یا بدی) تم کماتے ہو۔‘‘

---

(۱) تخریج الکشاف للزیلعی: ۴۳۶/۱۔ وتخریج الاحیاء للعراقی: ۷۹/۴۔ وسلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی: ۱۱۶۶۔ راوی: انس بن مالک ؓ۔ اسنادہٗ ضعیف۔

آیت ۴ ﴿وَمَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ﴿۴﴾﴾ ''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے' مگر یہ اس سے اعراض کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔''

ہم نئی سے نئی سورتیں بھیج رہے ہیں' نئی سے نئی آیات نازل کر رہے ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اعراض پر تُلے ہوئے ہیں۔

آیت ۵ ﴿فَقَدۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ ؕ﴾ ''تو اب انہوں نے جھٹلا دیا ہے حق کو جبکہ ان کے پاس آچکا ہے۔''

یہاں ''فَقَدۡ کَذَّبُوۡا'' کا انداز ملاحظہ کیجیے اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ مکی دور کے آخری زمانے کی سورتیں ہیں۔ گویا حضور ﷺ کو دعوت دیتے ہوئے تقریباً بارہ برس ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اب تک بھی جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر پورے طور سے جم چکے ہیں۔

﴿فَسَوۡفَ یَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ﴿۵﴾﴾ ''تو اب جلد ہی ان کے پاس آ جائیں گی اُس چیز کی خبریں جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

مشرکینِ مکہ مذاق اڑاتے تھے کہ عذاب کی دھمکیاں سنتے سنتے ہمیں بارہ سال ہو گئے ہیں' یہ سن سن کر ہمارے کان پک گئے ہیں کہ عذاب آنے والا ہے' لیکن اب تک کوئی عذاب نہیں آیا۔ لہٰذا یہ خالی دھونس ہے' صرف دھمکی ہے۔ اس طرح وہ لوگ اللہ کی آیات کا استہزا کرتے تھے۔ یہاں دوٹوک انداز میں واضح کیا جا رہا ہے کہ جن چیزوں کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے ان کی حقیقت عنقریب ان پر کھلنی شروع ہو جائے گی۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اس گروپ کی پہلی دو مکی سورتیں (الانعام اور الاعراف) مشرکینِ عرب پر اتمامِ حجت کی سورتیں ہیں اور ان کے بعد دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں مشرکینِ مکہ پر عذابِ موعود کا بیان ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں پر عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں آئی تھی۔ چنانچہ سورۃ الانفال میں غزوۂ بدر کے حالات و واقعات پر تبصرہ ہے اور اس عذاب کی آخری صورت کی تفصیل سورۃ التوبہ میں بیان ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے دو مکی اور دو مدنی سورتوں پر مشتمل یہ ایک گروپ بن گیا ہے۔

آیت ٦ ﴿اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہم نے زمین میں ایسا تمکّن عطا فرمایا تھا جیسا تمہیں عطا نہیں کیا ہے''

اے قومِ قریش! ذرا قومِ عاد کی شان و شوکت کا تصور کرو! وہ لوگ اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے۔ اُس قوم کی عظمت کے قصے ابھی تک تمہیں یاد ہیں۔ قومِ ثمود بھی بڑی طاقتور قوم تھی' اپنے علاقے میں ان کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ایسے عالی شان محل بناتے تھے کہ تم لوگ آج اس اہلیت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔ ہم نے ان قوموں کو زمین میں وہ قوت و سطوت دے رکھی تھی جو تم کو نہیں دی۔ تو جب ہم نے ایسی عظیم الشان اقوام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تو تمہاری کیا حیثیت ہے؟

﴿وَّاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ ''اور ہم نے ان پر آسمان (سے مینہ) برسایا موسلا دھار اور ہم نے نہریں بہادیں ان کے نیچے''

ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور انہیں خوشحالی عطا کی۔ بارش کا پانی برکت والا (مَآءً مُّبٰرَكًا) ہوتا ہے جس سے زمین کی روئیدگی خوب بڑھتی ہے' فصلوں اور اناج کی بہتات ہوتی ہے۔

﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝﴾ ''پھر ان کو بھی ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم کو اُٹھا کھڑا کیا۔''

مطلب یہ ہے کہ اس قانون کے مطابق تم کس کھیت کی مولی ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟

اگلی آیت میں اس سورۂ مبارکہ کا مرکزی مضمون مذکور ہے۔ جس دور میں یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں اُس دور میں حضور ﷺ پر قریش مکہ کا بے انتہا دباؤ تھا کہ اگر آپؐ رسول ہیں اور ہم سے اپنی رسالت منوانا چاہتے ہیں تو کوئی حسی معجزہ ہمیں دکھایئے' جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ مُردہ کو زندہ کیجیے' آسمان پر چڑھ کر دکھایئے' مکہ میں کوئی باغ بنا دیجیے' کوئی نیا چشمہ نکال دیجیے' سونے چاندی کا کوئی محل بنا دیجیے' آسمان سے کتاب لے کر آپؐ کو اترتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں' وغیرہ۔ ان کی طرف سے اس طرح کے تقاضے روز بروز زور پکڑتے جا رہے تھے اور عوام الناس میں یہ سوچ بڑھتی جا رہی تھی کہ ہمارے سرداروں کے یہ مطالبات ٹھیک ہی تو ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو کیسے کیسے معجزے دکھائے تھے! اگر آپؐ بھی نبوت کے دعوے دار ہیں تو ویسے معجزات کیوں نہیں دکھاتے؟ جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ اب کوئی ایسا حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ سب سے بڑا معجزہ قرآن نازل کر دیا گیا ہے۔ جو شخص حق کا طالب ہے اس کے لیے اس میں ہدایت موجود ہے۔ ان حالات میں حضور ﷺ کی جانِ مبارک کس قدر ضیق (تنگی) میں آچکی تھی۔ گویا چکی کے دو پاٹ تھے جن کے درمیان حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی آ گئی تھی۔ یہ اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہے۔ آگے چل کر جب یہ موضوع اپنے نقطۂ عروج (climax) کو پہنچتا ہے تو اسے پڑھتے ہوئے واقعتاً رونگٹے کھڑے ہو جانے والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

آیت ۷ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ ''اور اگر ہم نے اُتار (بھی) دی ان پر کوئی کتاب جو کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو' پھر وہ اسے چھو بھی لیں اپنے ہاتھوں سے''

﴿لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ ''تب بھی یہ کافر یہی کہیں گے کہ یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔''

وہ ایسے معجزات کو دیکھ کر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر جادو کا اثر ہو گیا ہے' ہماری نظر بند کر دی گئی ہے۔ جس نے نہیں ماننا اُس نے صریح معجزات دیکھ کر بھی نہیں ماننا۔ البتہ اگر ہم ایسا معجزہ دکھا دیں گے تو ان کی مہلت ختم ہو جائے گی اور پھر اس کے بعد فوراً عذاب آ جائے گا۔ ابھی ہماری رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں

مزید مہلت دی جائے۔ ابھی اس دودھ کو مزید بلویا جانا مقصود ہے کہ شاید اس میں سے کچھ مزید مکھن نکل آئے۔ اس لیے حسّی معجزہ نہیں دکھایا جا رہا۔

آیت ٨ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُترا ان پر (علانیہ) کوئی فرشتہ؟ اور اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو پھر فیصلہ ہی چکا دیا جاتا‘ پھر انہیں کوئی مہلت نہ ملتی۔“

یعنی اس دنیا کی زندگی میں یہ جو ساری آزمائش ہے وہ تو غیب کے پردے ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر غیب کا پردہ اٹھ جائے تو پھر امتحان ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تو پھر نتیجے کا اعلان کرنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔

آیت ٩ ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩﴾ ”اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تب بھی آدمی ہی کی شکل میں بناتے اور انہیں ہم اُسی شبہ میں ڈال دیتے جس شبہ میں یہ اب مبتلا ہیں۔“

اگر بجائے محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو اسے بھی ہم نے انسانی شکل میں ہی بھیجنا تھا‘ کیونکہ بھیجنا جو انسانوں کے لیے تھا۔ اس طرح جو التباس انہیں اس وقت ہو رہا ہے وہ التباس اُس وقت بھی ہو جاتا۔ ہاں اگر فرشتوں میں بھیجنا ہوتا تو ضرور کوئی فرشتہ ہی بھیجتے۔ حدیثِ جبرائیلؑ کے حوالے سے ہمیں معلوم ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نبی اکرم ﷺ کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے‘ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی پتا نہ چلا کہ یہ جبرائیلؑ ہیں‘ وہ انہیں انسان ہی سمجھے۔

آیت ١٠ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا (اسی طریقے سے) مذاق اڑایا گیا“

نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ دل گرفتہ نہ ہوں‘ یہ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا۔ آپؐ سے پہلے بھی انبیاء ﷩ کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا رہا ہے۔ جیسے سورۃ الاحقاف (آیت ٩) میں آپ ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ یعنی آپؐ انہیں کہہ دیجیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں‘ مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں۔ آیت زیر نظر میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ اس سے پہلے بھی انبیاء و رُسل ﷩ کے ساتھ ان کی قومیں اسی طرح غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔ حضرت نوح ؑ ساڑھے نو سو برس تک ایسا سب کچھ جھیلتے رہے۔

﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠﴾ ”پھر گھیر لیا ان لوگوں میں سے ان کو جو مذاق اڑاتے تھے اُسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔“

اگرچہ آپ ﷺ کی خواہش ہے کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تاکہ ان کی زبانیں تو بند ہو جائیں‘ لیکن ابھی ایسا کرنا ہماری حکمت کا تقاضا نہیں ہے‘ ابھی ان کی مہلت کا وقت ختم نہیں ہوا۔ یعنی یہ سارا معاملہ وقت کے تعین کا ہے‘ یہاں time factor ہی اہم ہے‘ جس کا فیصلہ مشیتِ الٰہی کے مطابق ہونا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ گھومو پھرو زمین میں پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

تمہارے اس جزیرہ نمائے عرب میں ہی قومِ عاد اور قومِ ثمود آباد تھیں۔ اور جب تم شام کی طرف سفر کرتے ہو تو وہاں راستے میں قومِ مدین کے مسکن بھی ہیں اور قومِ لوط کے شہروں کے آثار بھی۔ یہ سب تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، پھر تم ان کے انجام سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟

آیات ۱۲ تا ۲۰

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۸

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ﴾ ''ان سے پوچھیے کس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں؟ کہہ دیجیے اللہ ہی کا ہے!''

دراصل یہ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ مشرکینِ مکہ بھی یہ مانتے تھے کہ اس کائنات کا مالک اور خالق اللہ ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ لات، منات، عُزّیٰ اور ہُبل نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ وہ ایسے احمق نہیں تھے۔ اپنے ان معبودوں کے بارے میں اُن کا ایمان تھا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ (یونس: ۱۸) کہ یہ اللہ کی جناب میں ہماری شفاعت کریں گے۔ سورۃ العنکبوت (آیت ۶۱) میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں

گے کہ آسمان اور زمین کس نے بنائے ہیں اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو یہ لازماً کہیں گے کہ اللہ نے!" چنانچہ وہ لوگ کائنات کی تخلیق کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس کا مالک بھی اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ البتہ ان کا شرکیہ عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بڑے چہیتے اور لاڈلے ہیں' اللہ کے ہاں ان کے بڑے اونچے مراتب ہیں' یہ ہمیں اللہ کی پکڑ سے چھڑوا لیں گے۔

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ "اُس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔"

یہ لزوم اُس نے خود اپنے اوپر کیا ہے' ہم اُس پر کوئی شے لازم قرار نہیں دے سکتے۔

﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ "وہ تمہیں لازماً جمع کر کے لے جائے گا قیامت کے دن کی طرف جس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

﴿اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫﴾ "جو لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں وہی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔"

یہاں ایک غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قیامت کا دن تو بڑا سخت ہوگا' جس میں احتساب ہوگا' سزا ملے گی۔ پھر یہاں پر رحمت کے لزوم کا ذکر کس حوالے سے آیا ہے؟ اس کا مفہوم یہ ہے کہ رحمت کا ظہور قیامت کے دن خاص اہل ایمان کے لیے ہوگا۔ اس لحاظ سے یہاں خوشخبری ہے انبیاء و رُسل کے لیے' صدّیقین' شہداء اور صالحین کے لیے' اور اہلِ ایمان کے لیے' کہ جو سختیاں تم جھیل رہے ہو' جو مصیبتیں تم لوگ برداشت کر رہے ہو' اس وقت دنیا میں جو تنگی تمہیں ہو رہی ہے' اس کے بدلے میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وہ وقت آ کر رہے گا جب تمہاری ان خدمات کا بھرپور صلہ ملے گا' تمہاری ان ساری سرفروشیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرِ محشر قدر افزائی کا اعلان ہوگا۔ کبھی تمہیں یہ خیال نہ آنے پائے کہ ہم تو اپنا سب کچھ یہاں اللہ کے لیے لٹا بیٹھے ہیں' پتا نہیں وہ دن آئے گا بھی یا نہیں' پتا نہیں کوئی ملاقات ہوگی بھی یا نہیں' پتا نہیں یہ سب کچھ واقعی حق ہے بھی یا نہیں! ان وسوسوں کو اپنے دل و دماغ سے دور رکھو' اور خوشخبری سنو: ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾

آیت ۱۳ ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬﴾ "اور اُسی کا ہے جو کچھ ساکن ہو جاتا ہے رات میں اور (متحرک ہو جاتا ہے) دن کے وقت۔ اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔"

یہاں سَكَنَ کے مقابل لفظ تَحَرَّكَ محذوف ہے۔ ایسے مقابل کے الفاظ کو عام طور پر قرآن مجید میں حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ آدمی خود سمجھے۔ جیسے یہاں رات کے ساتھ سکون کا لفظ آیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دن کا ذکر کر دیا گیا ہے' جبکہ دن کا وقت سکون کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے: وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَمَا تَحَرَّكَ فِي النَّهَارِ "اور اُسی کا ہے جو کچھ رات کے وقت سکون پکڑتا ہے اور دن کے وقت متحرک ہو جاتا ہے۔"

آیت ۱۴ ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ "ان سے کہیے کیا میں اللہ کے سوا

کسی اور کو اپنا ولی بنالوں‘ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟‘‘

تم بھی مانتے ہو کہ زمین و آسمان اور پوری کائنات کا پیدا کرنے والا وہی اللہ ہے‘ تو ایسے خالق‘ مالک‘ مولا اور کارساز کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا ولی اور حمایتی بنالوں؟ یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے‘ بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

﴿وَھُوَ یُطۡعِمُ وَلَا یُطۡعَمُ ؕ﴾ ’’اور وہ کھانا کھلاتا ہے‘ اُسے کھلایا نہیں جاتا۔‘‘

تم بتوں کے سامنے نذریں اور حلوے مانڈے پیش کرتے ہو۔ اللہ کو تو ایسی چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو پوری مخلوق کا ربّ ہے‘ سب کو کھلاتا ہے‘ سب کا رازق ہے۔

﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ﴾ ’’(اے نبی ﷺ! ڈنکے کی چوٹ) کہہ دیجیے مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار میں خود بنوں‘‘

﴿وَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور تم ہرگز نہ ہونا مشرکین میں سے۔‘‘

آیت ۱۵ ﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾﴾ ’’کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے خوف ہے ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب کا۔‘‘

میں بھی اللہ کی عبادت سے مستثنیٰ نہیں ہوں‘ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ جیسے میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو‘ ویسے ہی مجھے بھی حکم ہے‘ مجھے بھی اللہ کی بندگی کرنی ہے۔ جیسے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو‘ ویسے ہی مجھے بھی اُس کی فرمانبرداری کرنی ہے۔ اور جیسے میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرو گے تو پکڑے جاؤ گے‘ ایسے ہی میں بھی اگر بالفرض نافرمانی کروں گا تو مجھے بھی اللہ کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ یہ بہت اہم آیات ہیں‘ ان پر بہت غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت ۱۶ ﴿مَنۡ یُّصۡرَفۡ عَنۡہُ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَہٗ ؕ وَذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾﴾ ’’جو شخص اُس دن اس (عذاب) سے دور رکھا گیا تو اُس پر اللہ کی بڑی رحمت ہوگئی‘ اور یہی ہوگی واضح کامیابی۔‘‘

دُنیا کی بڑی سے بڑی کامیابیاں اُس دن کی کامیابی کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس کامیابی کے سامنے دُنیوی دولت‘ وجاہت‘ عزّت‘ شہرت‘ اقتدار وغیرہ ساری چیزیں عارضی اور فانی ہیں۔ اصل الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ تو آخرت کی کامیابی ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ھُوَ ؕ﴾ ’’اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے پہنچادی جائے کوئی تکلیف تو کوئی نہیں ہے اس کا دور کرنے والا سوائے اُس کے۔‘‘

اب یہ توحید کا بیان ہے۔ تکلیف میں پکارو تو اُسی کو پکارو‘ کسی اور کو نہ پکارو۔ ﴿وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ﴾ (القصص: ۸۸)۔ وہی مشکل کشا ہے‘ وہی حاجت روا ہے اور وہی تمہاری تکلیفوں کو رفع کرنے والا ہے۔

﴿وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ بِخَیۡرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور اگر اُس کی طرف سے کوئی خیر تمہیں پہنچادی جائے تو یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

کوئی اُس کا ہاتھ روکنے والا نہیں ہے۔ اسے اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے کسی اور سے منظوری لینے کی حاجت نہیں ہوتی۔ وہ توعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔

آیت ۱۸ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح سے غالب ہے' اور وہ ہے کمالِ حکمت والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا۔''

وہ زور آور ہے' اس کا اقتدار پوری کائنات پر محیط ہے' اس کی مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کے قابو سے باہر نہیں ہے۔

آیت ۱۹ ﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کونسی چیز ہے جو گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ (پھر خود ہی) کہیے کہ اللہ (کی گواہی سب سے بڑی ہے)! وہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے۔''

﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ ''اور میری جانب یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں بھی خبردار کر دوں اس کے ذریعے سے اور اُس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے۔''

یہ گویا اس سورۃ کے عمود کا عکس ہے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس سورۃ کا عمود یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے مطالبے پر ہم کسی قسم کا حسّی معجزہ نہیں دکھائیں گے' کیونکہ اصل معجزہ یہ قرآن ہے۔ اے نبی ﷺ ہم نے آپ پر یہ قرآن اُتار دیا' آپ تبشیر' انذار اور تذکیر کے فرائض اسی قرآن کے ذریعے سے سرانجام دیں۔ جس کے اندر صلاحیت ہے' جو طالبِ حق ہے' جو ہدایت چاہتا ہے' وہ ہدایت پالے گا۔ باقی جس کے دل میں کجی ہے' ٹیڑھ ہے' تعصب' ضد اور ہٹ دھرمی ہے' حسد اور تکبر ہے' آپؐ اس کو دس لاکھ معجزے دکھا دیجیے وہ نہیں مانے گا۔ کیا علماءِ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر آپؑ پر ایمان لے آئے تھے؟ کیسے کیسے معجزے تھے جو انہیں دکھائے گئے! آپؑ گارے سے پرندے کی شکل بنا کر پھونک مارتے اور وہ اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا۔ یہ احیائے موتی اور خلقِ حیات تو وہ چیزیں ہیں جو بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اپنے (exclusive) افعال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر یہ نشانیاں بھی ظاہر کر دیں' لیکن انہیں دیکھ کر کتنے لوگوں نے مانا؟ لہٰذا ہم ایسا کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے۔ البتہ آپ ﷺ محنت اور کوشش کرتے جایئے' دعوت و تبلیغ کرتے جایئے۔

یہاں پر لفظ بِہٖ خاص پر نوٹ کیجیے۔ فرمایا کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کر دوں تمہیں اس کے ذریعے سے (بِہٖ) یعنی میرا انذار قرآن کے ذریعے سے ہے۔ مزید فرمایا: ﴿وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ ''اور جس تک یہ پہنچ جائے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو تمہیں پہنچا رہا ہوں' اب جو اُمت بنے گی وہ آگے پہنچائے گی۔ جس تک یہ قرآن پہنچ گیا اُس تک رسول اللہ ﷺ کا انذار پہنچ گیا' اور یہ سلسلہ تا قیامت چلے گا' کیونکہ حضور ﷺ اپنے ہی زمانے کے لیے رسول بن کر نہیں آئے تھے' آپ ﷺ تو تا قیامت رسول ہیں۔ یہ آپ ﷺ ہی کی رسالت کا دور چل رہا ہے۔ جو انسان بھی قیامت تک دنیا میں آئے گا وہ آپ ﷺ کی اُمتِ دعوت میں شامل ہے' اُس تک قرآن کا پیغام پہنچانا اب اُمتِ محمد ﷺ کے ذمہ ہے۔

اب آ رہا ہے ایک متجسّسانہ سوال (searching question) ۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا' جب آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا مخالف جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اپنے دل کے یقین سے نہیں کہہ رہا ہے' بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر کہہ رہا ہے' تو پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر متجسسانہ (searching) انداز میں اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ یہی انداز یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ اَئِنَّكُمۡ لَتَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخۡرٰى ؕ﴾ ''کیا واقعی تم لوگ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور بھی الٰہ ہیں؟''

﴿قُلۡ لَّاۤ اَشۡهَدُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے (اگر تم یہ گواہی دیتے بھی ہو تو) میں اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔''

تم ایسا کہو تو کہو' لیکن میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایسی خلافِ عقل اور خلافِ فطرت بات کہہ سکوں۔

﴿قُلۡ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''کہہ دیجیے وہ تو بس ایک ہی الٰہ ہے اور میں بَری ہوں ان تمام چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔''

واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول مکی دور کا آخری زمانہ ہے۔ اس وقت تک مدینہ میں بھی خبریں پہنچ چکی تھیں کہ مکہ کے اندر ایک نئی دعوت بڑے زور وشور اور شدّ و مدّ کے ساتھ اُٹھ رہی ہے ۔ چنانچہ مدینہ کے یہودیوں کی طرف سے سکھائے ہوئے سوالات بھی مکہ کے لوگ حضور ﷺ سے امتحاناً کرتے تھے۔ مثلاً آپ ذرا بتائیے کہ ذوالقرنین کون تھا؟ اگر آپ نبی ہیں تو بتائیے کہ اصحابِ کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور یہ بھی بتائیے کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سب سوالات اور ان کے جوابات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں آئیں گے۔ مدینہ کے یہودیوں تک اُن کے سوالات کے جوابات سے متعلق تمام خبریں بھی پہنچ چکی تھیں اور ان کے سمجھ دار اور اہلِ علم لوگ سمجھ چکے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ مگر یہ لوگ یہ سب کچھ سمجھنے اور جان لینے کے باوجود محروم رہ گئے۔

آیت ۲۰ ﴿اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ ''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی تھی پہچانتے ہیں اس کو جیسا کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔''

يَعۡرِفُوۡنَهٗ کی ضمیر مفعولی دونوں طرف جا سکتی ہے' قرآن کی طرف بھی اور حضور ﷺ کی طرف بھی۔ البتہ اس سے قبل یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ قرآن اور رسول ﷺ مل کر ہی ''بیّنہ'' بنتے ہیں' یہ دونوں ایک وحدت اور ایک ہی حقیقت ہیں۔ حضور ﷺ خود قرآنِ مجسّم ہیں۔ قرآن ایک انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کا جامہ پہن لے تو وہ محمد ﷺ ہیں۔ جیسا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: ''كَانَ خُلُقُهُ الۡقُرۡآنَ''[1] یعنی حضور ﷺ کی سیرت قرآن ہی تو ہے۔

﴿اَلَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''(البتہ) جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تُل گئے ہیں تو وہی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔''

---

(۱) مسند احمد' ح ۲۳۴۶۰' ۲۴۱۳۹۔ ۲۴۶۲۹۔

آیات ۲۱ تا ۳۰

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

آیت ۲۱ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾
''اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر کوئی جھوٹی تہمت لگائی یا اُس کی آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً ایسے ظالم (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے۔''

یعنی یہ دو عظیم ترین جرائم ہیں جو شناعت میں برابر کے ہیں' اللہ کی آیات کو جھٹلانا یا کوئی شے خود گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دینا۔

آیت ۲۲ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان سے جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں تمہارے وہ شرکاء جن کا تمہیں گھمنڈ ہو گیا تھا؟''

تمہارا گمان تھا کہ وہ تمہیں ہماری پکڑ سے بچا لیں گے۔

آیت ۲۳ ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''پھر نہیں ہو گی ان کی کوئی اور چال سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ اللہ کی قسم جو ہمارا ربّ ہے ہم مشرک نہیں تھے۔''

آیت ۲۴ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ”دیکھو کیسے وہ جھوٹ بولیں گے اپنے اوپر اور جو افترا انہوں نے کیا ہوا تھا وہ سب ان سے گم ہو جائے گا۔“

ان کے یہ دعوے کہ فلاں دیوی بچائے گی اور فلاں دیوتا سفارش کرے گا‘ سب نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔ عذاب کو دیکھ کر اس وقت ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کی بات کو بڑی توجّہ سے سنتے ہیں۔“

مکہ میں قریش کے سرداروں کے لیے جب عوام کو ایمان لانے سے روکنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے بھی علماءِ یہود کی طرح ایک ترکیب نکالی۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ آ کر حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے اور بڑے انہماک سے کان لگا کر آپؐ کی باتیں سنتے۔ وہ یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم سب کچھ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں‘ تاکہ عام لوگ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ واقعی ہمارے ذی فہم سردار یہ باتیں سننے‘ سمجھنے اور ماننے میں سنجیدہ ہیں‘ مگر پھر بعد میں عوام میں آ کر ان باتوں کو ردّ کر دیتے۔ عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ ان کی ایک چال تھی‘ تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ ہمارے یہ سردار سمجھدار اور ذہین ہیں‘ یہ لوگ شوق سے محمد (ﷺ) کی محفل میں جاتے ہیں اور پورے انہماک سے ان کی باتیں سنتے ہیں‘ پھر اگر یہ لوگ اس دعوت کو سننے اور سمجھنے کے بعد ردّ کر رہے ہیں تو آخر اس کی کوئی علمی اور عقلی وجوہات تو ہوں گی۔ لہٰذا آیت زیر نظر میں ان کی اس سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) ان میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ کی باتیں بظاہر بڑی توجہ سے کان لگا کر سنتے ہیں۔

﴿وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ﴾ ”حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ ان کو سمجھ نہیں سکتے اور ان کے کانوں کے اندر ہم نے ثقل پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر یہ ساری نشانیاں (جو یہ مانگ رہے ہیں) بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔“

اللہ نے ان کے دلوں اور دماغوں پر یہ پردے کیوں ڈال دیے؟ یہ سب کچھ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہے کہ جب نبی کے مخاطبین اس کی دعوت کے مقابلے میں حسد‘ تکبّر اور تعصب دکھاتے ہوئے اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں تو ان کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ﴾۔ لہٰذا ان کا بظاہر توجہ سے نبی ﷺ کی باتوں کو سننا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ”یہاں تک کہ (اے نبی ﷺ) جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا (اور مناظرہ) کرتے ہیں (اور) کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن جو آپ سنا رہے ہیں) کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی

کہانیاں ہیں۔''

یہ جو کچھ آپ (ﷺ) ہمیں سنا رہے ہیں یہ پرانی باتیں اور پرانے قصے ہیں' جو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہودیوں اور نصرانیوں سے سن رکھے ہیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ﴾ ''اور وہ اس سے روکتے بھی ہیں اور خود بھی رُک جاتے ہیں۔''

یہاں آپس میں ملتے جلتے دو افعال استعمال ہوئے ہیں' ایک کا مادہ 'ن ھ ی' ہے اور دوسرے کا 'ن ء ی' ہے۔ نَهٰی يَنْهٰی (روکنا) تو معروف فعل ہے اور ''نہی'' کا لفظ اردو میں بھی عام استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ﴿يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ کے معنی ہیں ''وہ روکتے ہیں اس سے''۔ کس کو روکتے ہیں؟ اپنے عوام کو۔ ان کی لیڈری اور سرداری عوام کے بل پر ہی تو ہے۔ عوام برگشتہ ہو جائیں گے تو اُن کی لیڈری کہاں رہے گی۔ عوام کو اپنے قابو میں کرنا اور ان کی عقل اور سمجھ پر اپنا تسلّط قائم رکھنا ایسے نام نہاد لیڈروں کے لیے انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو وہ اپنے عوام کو راہِ ہدایت اختیار کرنے سے روکتے ہیں اور دوسری طرف وہ خود اس سے گریز اور پہلو تہی کرتے ہیں۔ نَاٰی یَنْاٰی نَاْیًا کا مفہوم ہے دور ہونا' کنی کترانا جیسے سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۸۳) میں فرمایا: ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ ۚ﴾ ''اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور پہلو تہی کرتا ہے''۔ چنانچہ ﴿يَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ﴾ کے معنی ہیں ''وہ اس سے گریز کرتے ہیں' کنی کتراتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ نہیں ہلاک کر رہے کسی کو سوائے اپنے آپ کے لیکن انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ ''اور کاش تم دیکھ پاتے جب یہ کھڑے کیے جائیں گے آگ کے کنارے پر تو یہ کہیں گے ہائے کاش! کسی طرح ہمیں لوٹا دیا جائے (تو ہم تصدیق کریں گے) اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے''

یہاں پر نُرَدُّ کے بعد فَنُصَدِّقُ محذوف مانا جائے گا' کہ اگر ہمیں لوٹا دیا جائے تو ہم تصدیق کریں گے اور اپنے ربّ کی آیات کو جھٹلائیں گے نہیں۔ کاش کسی نہ کسی طرح ایک دفعہ پھر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔

﴿وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''اور ہم (پکّے اور سچّے) مؤمن بن جائیں گے۔''

آیت ۲۸ ﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''بلکہ یہ تو ان پر وہی حقیقت ظاہر ہوئی ہے جو اس سے پہلے (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے تھے۔''

ایسا نہیں تھا کہ انہیں حقیقت کا علم نہیں تھا۔ حق پہلے ہی ان پر واضح تھا' بات ان پر پوری طرح کھل چکی تھی' لیکن اس وقت ان پر حسد' بغض اور تکبر کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ ''اور اگر (بالفرض) انہیں لوٹا بھی دیا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا جا رہا تھا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔''

دنیا میں جا کر پھر وہاں کے تقاضے سامنے آ جائیں گے‘ دنیا کے مال و دولت اور اولاد کی محبت اور دوسری نفسیاتی خواہشات پھر انہیں اسی راستے پر ڈال دیں گی۔

آیت ۲۹ ﴿وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۝۲۹﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے مگر بس ہماری دنیا ہی کی زندگی اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کیے جائیں گے۔‘‘

جیسے آج کل کفر والحاد کے مختلف shades ہیں‘ اُس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ آج ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں جو اللہ کو تو مانتے ہیں‘ آخرت کو نہیں مانتے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت کو مانتے ہیں‘ لیکن رسالت کو نہیں مانتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل ملحد اور مادہ پرست ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ہم خود ہی پیدا ہوتے ہیں اور خود ہی اپنی طبعی موت مر جاتے ہیں‘ اور ہماری زندگی صرف یہی ہے‘ مرنے کے بعد اٹھنے والا کوئی معاملہ نہیں۔ اسی طرح اُس دور میں بھی کفر و شرک کے مختلف shades موجود تھے۔ قریش کے اکثر لوگ اور عرب کے بیشتر مشرکین اللہ کو مانتے تھے‘ آخرت کو مانتے تھے‘ بعث بعد الموت کو بھی مانتے تھے‘ لیکن اس کے ساتھ وہ دیوی دیوتاؤں کی سفارش اور شفاعت کے قائل تھے کہ ہمیں فلاں چھڑا لے گا‘ فلاں بچا لے گا‘ فلاں ہمارا حمایتی اور مددگار ہوگا۔ لیکن ایک طبقہ ان میں بھی ایسا تھا جو کہتا تھا کہ زندگی بس یہی دنیا کی ہے‘ اس کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ یہاں اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے۔

آیت ۳۰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ’’اور کاش کہ تم دیکھ سکتے جبکہ یہ کھڑے کیے جائیں گے اپنے ربّ کے سامنے۔ (اُس وقت) وہ پوچھے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟‘‘

﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۝۳۰﴾ ’’وہ کہیں گے کیوں نہیں‘ ہمارے ربّ کی قسم (کہ یہ حق ہے)! تو وہ کہے گا کہ اب مزا چکھو عذاب کا اپنے کفر کی پاداش میں۔‘‘

آیات ۳۱ تا ۴۱

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ۝۳۱ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ۝۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ ع

آیت ۳۱ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ﴾ ”بڑے گھاٹے میں پڑ گئے وہ لوگ جو اللہ سے ملاقات کے انکاری ہیں۔“

وہ اس بات کو جھٹلا رہے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی پیشی‘ حاضری یا اللہ سے ملاقات وغیرہ ہوگی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ”یہاں تک کہ جب آ جائے گا ان پر وہ وقت اچانک“

ایک شخص کے لیے انفرادی طور پر تو السَّاعَة (گھڑی) سے مراد اُس کی موت کا وقت ہے‘ لیکن عام طور پر اس سے قیامت ہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب ہے کہ جب قیامت اچانک آ جائے گی۔

﴿قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾﴾ ”تو وہ کہیں گے ہائے افسوس ہماری اس کوتاہی پر جو اس (قیامت) کے بارے میں ہم سے ہوئی‘ اور وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔ آگاہ ہو جاؤ‘ بہت بُرا بوجھ ہوگا جو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔“

جب قیامت حق بن کر سامنے آ جائے گی تو ان کی حسرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ وہ اپنی پیٹھوں پر کفر‘ شرک اور گناہوں کے بوجھ اٹھائے ہوئے میدانِ حشر میں پیش ہوں گے۔

آیت ۳۲ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ﴾ ”اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور کچھ جی بہلا لینا۔“

اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ دنیا کی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے‘ بلکہ تقابل میں ایسا کہا جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں اس کی یہی حقیقت ہے۔ ایک شے ابدی ہے‘ ہمیشہ ہمیش کی ہے اور ایک شے عارضی اور فانی ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کیا مقابلہ؟ جیسے دعائے استخارہ میں الفاظ آئے ہیں: فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ

(اے اللہ! تو ہی سب کچھ جانتا ہے‘ میں کچھ نہیں جانتا)۔اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ انسان کے پاس کوئی بھی علم نہیں ہے‘ لیکن اللہ کے علم کے مقابلے میں کسی دوسرے کا علم کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔اسی طرح یہاں آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو لعب اور لہو قرار دیا گیا ہے۔ورنہ دنیا تو ایک اعتبار سے آخرت کی کھیتی ہے۔ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ ((اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْآخِرَۃِ))[1] ’’دنیا آخرت کی کھیتی ہے‘‘۔یہاں بوؤ گے تو وہاں کاٹو گے۔اگر یہاں بوؤ گے نہیں تو وہاں کاٹو گے کیا؟ یہ تعلق ہے آپس میں دنیا اور آخرت کا۔اس اعتبار سے دنیا ایک حقیقت ہے اور ایک امتحانی وقفہ ہے۔لیکن جب آپ تقابل کریں گے دنیا اور آخرت کا تو دنیا اور اس کا مال و متاع آخرت کی ابدیت اور اس کی شان و شوکت کے مقابلے میں گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔دنیا تو محض تین گھنٹے کے ایک ڈرامہ کی مانند ہے جس میں کسی کو بادشاہ بنا دیا جاتا ہے اور کسی کو فقیر۔جب ڈرامہ ختم ہوتا ہے تو نہ بادشاہ سلامت بادشاہ ہیں اور نہ فقیر فقیر ہے۔ڈرامہ ہال سے باہر جا کر کپڑے تبدیل کیے اور سب ایک جیسے بن گئے۔یہ ہے دنیا کی اصل حقیقت۔چنانچہ اس آیت میں دنیا کو کھیل تماشا قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ’’اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں‘ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘

اب وہ مقام آ گیا ہے جسے میں نے اس سورۃ کے عمود کا ذروۂ سنام (climax) قرار دیا تھا۔یہاں ترجمہ کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے‘ لیکن ہمیں ترجمانی کی کوشش تو بہرحال کرنی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّہٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ﴾ ’’(اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس سے آپ غمگین ہوتے ہیں‘‘

ہم جانتے ہیں کہ جو مطالبات یہ لوگ کر رہے ہیں‘ آپ سے جو معجزات کا تقاضا کر رہے ہیں اس سے آپ رنجیدہ ہوتے ہیں۔آپ کی ذات گویا چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئی ہے۔ایک طرف اللہ کی مشیت ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کے تقاضے۔اب اس کا پہلا جواب تو یہ ہے:

﴿فَاِنَّہُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ! آپ صبر کیجیے) یقیناً وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے‘ بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی نشانیوں کا انکار کر رہے ہیں۔‘‘

یہ لوگ قرآن کا انکار کر رہے ہیں‘ ہمارا انکار کر رہے ہیں‘ آپؐ کا انکار انہوں نے کب کیا ہے؟ یہاں سمجھانے کے اس انداز پر غور کیجیے! کیا انہوں نے آپؐ کو جھوٹا کہا؟ نہیں کہا! آپؐ پر کوئی تہمت انہوں نے لگائی؟ نہیں لگائی! لہٰذا یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں‘ یہ آپؐ کی تکذیب تو نہیں ہو رہی‘ تکذیب تو ہماری ہو رہی ہے‘

---

(۱) اسے حافظ زین الدین العراقی نے ’’تخریج الاحیاء‘‘ (۲۴/۴) میں‘ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی نے ’’المقاصد الحسنۃ‘‘ (ح ۲۶۰) میں‘ ملا علی قاری نے ’’الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ‘‘ (ح ۲۰۶) میں اور علامہ زرقانی نے ’’مختصر المقاصد‘‘ (ح ۴۶۷) میں نقل کیا ہے۔اس حدیث کے بارے میں محدّثین کی آراء کا خلاصہ یہ ہے: قیل لا اصل لہ او باصلہ موضوع۔ (مرتب)

غصہ تو ہمیں آنا چاہیے' ناراض تو ہمیں ہونا چاہیے۔ یہ ہمارا کلام ہے اور یہ لوگ ہمارے کلام کو جھٹلا رہے ہیں۔ آپؐ کا کام تو ہمارے کلام کو ان تک پہنچا دینا ہے۔ یہ سمجھانے کا ایک بڑا پیارا انداز ہے' جیسے کوئی شفیق استاد اپنے شاگرد کو سمجھا رہا ہو۔ لیکن اب یہ بات درجہ بدرجہ آگے بڑھے گی۔ لہٰذا ان آیات کو پڑھتے ہوئے یہ اصول ذہن میں ضرور رکھئے کہ اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی۔ اب اس ضمن میں دوسرا جواب ملاحظہ ہو:

آیت ۳۴ ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے صبر کیا اس پر جو انہیں جھٹلایا گیا اور جو انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں' یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور (اے نبی ﷺ) اللہ کے ان کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔''

ہمارا ایک قانون' ایک طریقہ اور ایک ضابطہ ہے' اس لیے آپ (ﷺ) کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ آپ کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کے بارے میں ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ بہت بھاری بوجھ ہے: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵﴾ (المزمل) ''بے شک ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری بوجھ ڈالنے والے ہیں۔''

﴿وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴﴾ ''اور آپؐ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔''

آپ (ﷺ) کے علم میں ہے کہ ہمارے بندے نوح (علیہ السلام) نے ساڑھے نو سو برس تک صبر کیا۔ اب اس کے بعد تلخ ترین بات آ رہی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ﴾ ''اور اگر ان کا اعراض آپؐ پر بہت شاق گزر رہا ہے تو اگر آپ میں طاقت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ لگا لیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا لیں تو لے آئیں کوئی نشانی۔''

ہمارا تو فیصلہ اٹل ہے کہ ہم کوئی ایسا معجزہ نہیں دکھائیں گے' آپ لے آئیں جہاں سے لا سکتے ہیں۔ غور کریں کس انداز میں حضور ﷺ سے گفتگو ہو رہی ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا''

اگر اللہ چاہتا تو آن واحد میں سب کو صاحبِ ایمان بنا دیتا' نیک بنا دیتا۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵﴾ ''تو آپؐ جذبات سے مغلوب ہونے والوں میں سے نہ بنیں!''

اس معاملے میں آپ جذباتی نہ ہوں۔ یہی لفظ سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب میں آیا ہے۔ جب حضرت نوحؑ نے عرض کی کہ اے اللہ میرا بیٹا میری نگاہوں کے سامنے غرق ہو گیا جب کہ تیرا وعدہ تھا کہ میرے اہل کو تو بچا لے گا: ﴿اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (ھود: ۴۵) ''میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے''۔ تو اس کا جواب بھی بہت سخت تھا: ﴿اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶﴾ ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ''۔ ذرا غور کریں' یہ اللہ کا وہ بندہ ہے

جس نے ساڑھے نو سو برس تک اللہ کی چاکری کی‘ اللہ کے دین کی دعوت پھیلائی‘ اس میں محنت کی‘ مشقت کی اور ہر طرح کی مشکلات اٹھائیں۔ لیکن اللہ کی شان بہت بلند ہے‘ بہت بلند ہے‘ بہت بلند ہے! اسی لیے فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) اگر سب کو ہدایت پر لانا مقصود ہوتو ہمارے لیے کیا مشکل ہے کہ ہم آنِ واحد میں سب کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مانند بنا دیں‘ اور اگر ہم سب کو بگاڑنا چاہیں تو آنِ واحد میں سب کے سب ابلیس بن جائیں۔ مگر اصل مقصود تو امتحان ہے‘ آزمائش ہے۔ جو حق پر چلنا چاہتا ہے‘ حق کا طالب ہے اس کو حق مل جائے گا۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّمَا يَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ يَسۡمَعُوۡنَ ؕ وَالۡمَوۡتٰى يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ﴿۳۶﴾﴾ ”بات تو وہی قبول کریں گے جو (حقیقتاً) سنتے ہیں۔ رہے یہ مُردے تو اللہ ان کو اٹھائے گا‘ پھر وہ اُسی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔“

آیت ۳۷ ﴿وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُتار دی گئی ان پر کوئی نشانی اُن کے ربّ کی طرف سے؟“

ان کے پاس دلیل بس یہی ایک رہ گئی تھی کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہیں تو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتار دی جاتی؟ اسی ایک حجت پر انہوں نے ڈیرہ لگا لیا تھا۔ باقی ساری دلیلوں میں وہ مات کھا رہے تھے۔ دراصل انہیں بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ ان حالات میں کوئی حسی معجزہ دکھانا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں ہے۔ اس صورت حال میں حضور ﷺ کی طبیعت کی تنگی (ضیق) کا اندازہ اس سے لگائیں کہ قرآن میں بار بار اس کا ذکر آتا ہے۔ سورۃ الحجر میں اسی کیفیت کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: ﴿وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ﴿۹۷﴾﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ بھنچتا ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں......“

﴿قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنۡ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴿۳۷﴾﴾ ”کہہ دو اللہ قادر ہے کہ وہ کوئی (بڑی سے بڑی) نشانی اُتار دے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح کا معجزہ دکھانے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اس طرح ان کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ یہ ہماری رحمت ہے کہ ابھی ہم یہ معجزہ نہیں دکھا رہے۔ یہ بدبخت لوگ جس موقف پر مورچہ لگا کر بیٹھ گئے ہیں اس کی حساسیت کا انہیں علم ہی نہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ معجزہ نہ دکھانا ان کے لیے ہماری رحمت کا ظہور ہے اور ہم ابھی انہیں مزید مہلت دینا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ دودھ ابھی اور بلویا جائے‘ شاید اس میں سے کچھ اور مکھن نکل آئے۔

آیت ۳۸ ﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا طٰۤـئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ ؕ﴾ ”اور نہیں ہے زمین پر چلنے والا کوئی بھی جانور اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہے‘ مگر وہ بھی تمہاری ہی طرح کی اُمتیں ہیں۔“

ان تمام جانوروں‘ پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں کے رہنے سہنے کے بھی اپنے اپنے طور طریقے اور نظام ہیں‘

ان کے اپنے leaders ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں آج کی سائنسی تحقیق سے ثابت شدہ ہیں۔ چیونٹیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے‘ جس کے ماتحت وہ رہتی اور کام وغیرہ کرتی ہیں۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بھی ملکہ ہوتی ہے۔

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴾ ''ہم نے تو اپنی کتاب میں کسی شے کی کوئی کمی نہیں رکھی ہے‘ پھر یہ اپنے ربّ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

قرآن میں ہم نے ہر طرح کے دلائل دے دیے ہیں‘ ہر طرح کے شواہد پیش کر دیے ہیں‘ ہر طرح سے استشہاد کر دیا ہے۔ ان سب کو آخر کار اپنے ربّ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں پر ہر ایک کو اپنے کیے کا پورا بدلہ مل جائے گا۔

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں (اور) اندھیروں میں (بھٹک رہے) ہیں۔''

﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''جس کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر لے آتا ہے۔''

''اللہ گمراہ کر دیتا ہے'' کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی گمراہی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دیتا ہے‘ اس کی گمراہی کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''ان سے کہیے‘ ذرا غور کرو‘ اگر تم پر (کسی وقت) اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو (اُس وقت) کیا تم سوائے اللہ کے کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو (تو ذرا جواب دو)!''

یہ بھی متجسسانہ (searching) انداز میں ان سے سوال کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کا معمول بھی تھا اور مشاہدہ بھی‘ کہ جب بھی کبھی کوئی مصیبت آتی‘ سمندر میں سفر کے دوران کبھی طوفان آ جاتا‘ موت سامنے نظر آنے لگتی تو پھر لات‘ منات‘ عزّیٰ‘ ہُبل وغیرہ میں سے کوئی بھی دوسرا خدا انہیں یاد نہ رہتا۔ ایسے مشکل وقت میں وہ صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ چنانچہ خود ان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ ہر شخص ذرا اپنے دل سے پوچھے‘ کہ آخر مصیبت کے وقت ہمیں ایک اللہ ہی کیوں یاد آتا ہے؟ گویا ایک اللہ کو ماننا اور اس پر ایمان رکھنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ کسی شخص میں شرافت کی کچھ بھی رمق موجود ہو تو اس طرح کے سوالات کے جواب میں اس کا دل ضرور گواہی دیتا ہے کہ ہاں بات تو ٹھیک ہے‘ ایسے مواقع پر ہماری اندرونی کیفیت بالکل ایسی ہی ہوتی ہے اور بے اختیار ''اللہ'' ہی کا نام زبان پر آتا ہے۔

آیت ۴۱ ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴾

''بلکہ (مصیبت کی گھڑی میں) تم اسی کو پکارتے ہو‘ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو جس تکلیف کے لیے تم اسے پکارتے ہو وہ دُور کر دیتا ہے اور (ایسے مواقع پر) تم بھول جاتے ہو اُن کو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔''

آیات ۴۲ تا ۵۰

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

آیت ۴۲ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾
''اور ہم نے بھیجا ہے بہت سی اُمتوں کی طرف آپؐ سے قبل (رسولوں کو)' پھر ہم نے پکڑا انہیں سختیوں اور تکلیفوں سے' شاید کہ وہ عاجزی کریں۔''

یہاں رسولوں کے بارے میں ایک اہم قانون بیان ہو رہا ہے (واضح رہے کہ یہاں انبیاء نہیں بلکہ رسول مراد ہیں۔) جب بھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جاتا تھا تو اس قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے عذاب آتے تھے' لیکن اگر وہ قوم اس کے باوجود بھی نہ سنبھلتی اور اپنے رسول پر ایمان نہ لاتی' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رسّی ڈھیلی کر دی جاتی تھی' تاکہ جو چند دن کی مہلت ہے اس میں وہ خوب دل کھول کر من مانیاں کر لیں۔ پھر اچانک اللہ کا بڑا عذاب ان کو آ پکڑتا تھا جس سے وہ قوم نیست و نابود کر دی جاتی تھی۔ یہ مضمون اصل میں سورۃ الاعراف کا عمود ہے اور وہاں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

آیت ۴۳ ﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب ہماری طرف سے کوئی سختی ان پر آئی تو وہ گڑگڑاتے' لیکن ان کے دل تو سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے مزین کیے رکھا ان کے لیے ان اعمال کو جو وہ کر رہے تھے۔''

یعنی اللہ کی طرف سے بار بار کی تنبیہات کے باوجود سوچنے‘ سمجھنے اور اپنے رویّے پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔

آیت ۴۴ ﴿فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ﴾ ’’پھر جب انہوں نے بھلا دیا اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر دروازے کھول دیے ہر چیز کے۔‘‘

کہ اب کھاؤ پیو‘ عیش کرو‘ اب دنیا میں ہر قسم کی نعمتیں تمہیں ملیں گی‘ تا کہ اس دنیا میں جو تمہارا نصیب ہے اس سے خوب فائدہ اٹھالو۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ۝۴۴﴾ ’’یہاں تک کہ جب وہ اِترانے لگے ان چیزوں پر جو انہیں مل گئی تھیں تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا‘ پھر وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔‘‘

آیت ۴۵ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۴۵﴾ ’’پھر جڑ کاٹ دی گئی اُس قوم کی جس نے ظلم (اور کفر و شرک) کی روش اختیار کی تھی‘ اور کُل شکر اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَاَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰـهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ ان سے) پوچھیے! کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو دوبارہ تمہیں یہ (ساری صلاحیتیں) دلائے گا؟‘‘

﴿اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ هُمۡ يَصۡدِفُوۡنَ ۝۴۶﴾ ’’دیکھئے ہم کس طرح ان کے لیے اپنی آیات مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں‘ پھر بھی وہ کنارہ کشی کرتے ہیں۔‘‘

ع ’’اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں‘‘ کے مصداق ہم یہ سارے مضامین پھرا پھرا کر‘ مختلف انداز سے مختلف اسالیب سے ان کے سامنے لا رہے ہیں‘ مگر اس کے باوجود یہ لوگ اعراض کر رہے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے۔

آیت ۴۷ ﴿قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً هَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۴۷﴾ ’’(ان سے) کہیے دیکھو تو اگر تم پر عذاب آ جائے اچانک یا علی الاعلان‘ تو کون ہلاک ہوگا سوائے ظالموں کے؟‘‘

یہ عذاب اچانک آئے یا بتدریج‘ پیشگی اطلاع کے بغیر وارد ہو جائے یا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر کے آئے‘ ہلاک تو ہر صورت میں وہی لوگ ہوں گے جو رسولؑ کی دعوت کو ٹھکرا کر‘ اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اب انبیاء و رُسل علیہم السلام کی بعثت کا وہی بنیادی مقصد بیان ہو رہا ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ النساء (آیت ۱۶۵) میں پڑھ چکے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ ......﴾

آیت ۴۸ ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ﴾ ''ہم نہیں بھیجتے رہے ہیں اپنے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر۔''

﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ ''تو جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنی اصلاح کر لی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یعنی تمام انبیاء و رُسل اہلِ حق کے لیے بشارت دینے والے اور اہلِ باطل کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔

آیت ۴۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان پر عذاب مسلّط ہو کر رہے گا ان کی نافرمانی کے باعث۔''

آیت ۵۰ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ ان سے) کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے اختیار میں ہیں اللہ کے خزانے اور نہ (میں نے دعویٰ کیا ہے کہ) مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ میں نے (کبھی) یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔''

تم لوگ مجھ سے معجزات کے مطالبات کرتے ہو اور غیب کے احوال پوچھتے ہو' لیکن کسی شخص سے مطالبہ تو کیا جانا چاہیے اُس کے دعوے کے مطابق۔ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں اور الوہیت میں میرا حصہ ہے۔ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں' بشر ہوں' مجھ پر وحی آتی ہے' مجھے مامور کیا گیا ہے کہ تمہیں خبردار کر دوں اور وہ کام میں کر رہا ہوں۔

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ﴾ ''میں تو بس اتباع کر رہا ہوں اُس شے کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ ''کہیے تو کیا اب برابر ہو جائیں گے اندھے اور دیکھنے والے؟ تو کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟''

آیات ۵۱ تا ۵۵

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًا

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

ابھی پچھلے رکوع میں ہم نے پڑھا: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ (آیت ۴۸) کہ تمام رسول تبشیر اور انذار کے لیے آتے رہے اور اسی سورت میں ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ حضورﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا گیا: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (آیت ۱۹) ''یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے میں خبردار کروں تم لوگوں کو اور اُن تمام لوگوں کو بھی جن تک یہ پہنچے''۔ یہاں اب پھر قرآن کے ذریعے سے (بِهٖ) انذار کا حکم آ رہا ہے کہ (اے نبیﷺ) آپ کا کام انذار اور تبشیر ہے جسے آپ اس قرآن کے ذریعے سے سرانجام دیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ ''اور خبردار کر دیجیے اِس (قرآن) کے ذریعے سے اُن لوگوں کو جنہیں واقعتاً کچھ خوف ہے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے''

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' مشرکینِ مکہ میں بہت کم لوگ تھے جو بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ ان میں زیادہ تر لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد ہم اٹھائے جائیں گے' قیامت آئے گی اور اللہ کے حضور پیشی ہو گی' لیکن اپنے باطل معبودوں کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ وہاں ہمارے چھڑانے کے لیے موجود ہوں گے اور ہمیں بچا لیں گے۔

﴿لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''اس حال میں کہ ان کے لیے نہیں ہو گا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا' شاید کہ (اس طرح سمجھانے سے) ان میں کچھ تقویٰ پیدا ہو جائے۔''

ان کو خبردار کر دیں کہ اپنے باطل معبودوں اور ان کی شفاعت کے سہارے کے بارے میں اپنی غلط فہمیوں کو دور کر لیں۔ شاید کہ حقیقتِ حال کا ادراک ہونے کے بعد ان کے دلوں میں کچھ خوفِ خدا پیدا ہو جائے۔

آیت ۵۲ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ ''اور مت دھتکاریے آپ ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح شام (اور) اس کی رضا کے طالب ہیں۔''

دراصل یہ اشارہ ہے اس معاملے کی طرف جو تقریباً تمام رسولوں کے ساتھ پیش آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر رسولوں کی دعوت پر سب سے پہلے مفلس اور نادار لوگ ہی لبیک کہتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نبی کی محفل میں دیکھ کر صاحبِ ثروت وحیثیت لوگ اس دعوت سے اس لیے بھی بدکتے تھے کہ اگر ہم ایمان لائیں گے تو ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا قرآن میں خصوصی طور پر ذکر ہوا ہے کہ آپؑ کی قوم کے سردار کہتے تھے کہ اے نوح ہم تو آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں' آپ کے پیغام کو سمجھنا چاہتے ہیں' لیکن ہم جب آپ کے ارد گرد ان گھٹیا قسم کے لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہماری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ہم ان کے ساتھ بیٹھیں۔ یہی بات قریش کے سرداران رسول اللہﷺ سے کہتے تھے کہ آپؐ کے پاس ہر وقت

جن لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے وہ لوگ ہمارے معاشرے کے پست طبقات سے تعلق رکھتے ہیں‘ ان میں سے اکثر ہمارے غلام ہیں۔ ایسے لوگوں کی موجودگی میں آپ کی محفل میں بیٹھنا ہمارے شایانِ شان نہیں۔ ان کی ایسی باتوں کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ) آپ ان کی باتوں سے کوئی اثر نہ لیں‘ آپؐ خواہ مخواہ اپنے ان ساتھیوں کو خود سے دور نہ کریں۔ اگر وہ غریب ہیں یا ان کا تعلق پست طبقات سے ہے تو کیا ہوا‘ ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ صبح شام اللہ کو پکارتے ہیں‘ اللہ سے مناجات کرتے ہیں‘ اُس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں‘ اُس کے روئے انور کے طالب ہیں اور اُس کی رضا چاہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ایسے لوگوں کے بارے میں ہی فرمایا گیا ہے: ﴿مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۲۰۷) کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنی زندگیاں اللہ کی رضا جوئی کے لیے وقف کر دی ہیں۔

﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ”آپ کے ذمے ان کے حساب میں سے کچھ نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب میں سے ان کے ذمے کچھ ہے“

یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے لیے خود جواب دہ ہے اور ہر شخص کو اپنی کمائی خود کرنی ہے۔ ان کی ذمہ داری کا کوئی حصہ آپ پر نہیں ہے۔ آپؐ کے ذمے آپ کا فرض ہے‘ وہ آپ ادا کرتے رہیں۔ جو لوگ آپ ﷺ کی دعوت پر ایمان لا رہے ہیں وہ بھی اللہ کی نظر میں ہیں اور جو اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں ان کا حساب بھی وہ لے لے گا۔ ہر ایک کو اُس کے طرزِ عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ نہ آپؐ ان کی طرف سے جواب دہ ہیں اور نہ وہ آپؐ کی طرف سے۔

﴿فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲﴾ ”تو اگر (بالفرض) آپ انہیں اپنے سے دُور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔“

آیت ۵۳ ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمایا ہے“

یہ اللہ کی آزمائش کا ایک طریقہ ہے۔ مثلاً ایک شخص مفلس اور نادار ہے‘ اگر وہ کسی دولت منداور صاحبِ منصب وحیثیت شخص کو حق کی دعوت دیتا ہے تو وہ اس پر حقارت بھری نظر ڈال کر مسکرائے گا کہ اس کو دیکھو اور اس کی اوقات کو دیکھو‘ یہ سمجھانے چلا ہے مجھ کو! حالانکہ اصولی طور پر اس صاحبِ حیثیت شخص کو غور کرنا چاہیے کہ جو بات اس سے کہی جا رہی ہے وہ صحیح ہے یا غلط‘ نہ کہ بات کہنے والے کے مرتبہ ومنصب کو دیکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم لوگوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

﴿لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۳﴾ ”تا کہ وہ کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے خاص انعام کیا ہے ہم میں سے؟ تو کیا اللہ زیادہ واقف نہیں ہے ان سے جو واقعتاً اس کا شکر کرنے والے ہیں؟“

صاحبِ حیثیت لوگ تو دعویٰ رکھتے ہیں کہ اللہ کا انعام اور احسان تو ہم پر ہوا ہے‘ دولت مند تو ہم ہیں‘

چودھراہٹیں تو ہماری ہیں۔ یہ جو گرے پڑے طبقات کے لوگ ہیں ان کو ہم پر فضیلت کیسے مل سکتی ہے؟ مکہ کے لوگ بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ نے اپنی کتاب نازل کرنی تھی' کسی کو نبوت دینی ہی تھی تو اس کے لیے کوئی ''رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ'' منتخب کیا جاتا۔ یعنی یہ مکہ اور طائف جو دو بڑے شہر ہیں ان میں بڑے بڑے سردار ہیں' سرمایہ دار ہیں' بڑی بڑی شخصیات ہیں' ان میں سے کسی کو نبوت ملتی تو کوئی بات بھی تھی۔ یہ کیا ہوا کہ مکہ کا ایک یتیم جس کا بچپن مفلسی میں گزرا ہے' جوانی مشقت میں کٹی ہے' جس کے پاس کوئی دولت ہے نہ کوئی منصب' وہ نبوت کا دعویدار بن گیا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات کا ایک اور مُسکِت جواب اسی سورۃ کی آیت ۱۲۴ میں ان الفاظ میں آئے گا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا منصب کس کو دینا چاہیے''۔ اور کس میں اس منصب کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے۔ جیسے طالوت کے بارے میں لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ کیسے بادشاہ بن سکتا ہے جبکہ اسے تو مال و دولت کی وسعت بھی نہیں دی گئی: ﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ (البقرۃ: ۲۴۷) ہم دولت مند ہیں' ہمارے مقابلے میں اس کی کوئی مالی حیثیت نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ طالوت کو جسم اور علم کے اندر کشادگی ﴿بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ عطا فرمائی گئی ہے۔ لہٰذا اس میں بادشاہ بننے کی اہلیت تم لوگوں سے زیادہ ہے۔

یہاں رسول اللہ ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ ان غریب و نادار مؤمنین کے ساتھ آپ کا معاملہ کیسا ہونا چاہیے۔

آیت ۵۴ ﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾ ''جب آپؐ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلامتی ہو' تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے''

﴿اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٤﴾﴾ ''(اور تمہارے لیے اللہ کی خاص رحمت کا مظہر یہ ہے) کہ تم میں سے جو کوئی کسی برے کام کا ارتکاب کر بیٹھے گا جہالت کی بنا پر' پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

آیت ۵۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾﴾ ''اور اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ (لوگ ان پر غور و فکر کریں) اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔''

یہاں پر ''نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ'' کے بعد ''لِيَتَفَكَّرُوْا بِهَا'' محذوف مانا جائے گا۔ یعنی ہم آیات کی تفصیل اس لیے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان پر غور و فکر کریں۔ اگر وہ ان پر غور کریں گے' تفکّر کریں گے تو مجرموں کا راستہ ان کے سامنے کھل کر واضح ہو جائے گا۔

آیت ۵۶ تا ۶۰

قُلۡ اِنِّیۡ نُہِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَہۡوَآءَکُمۡ ۙ قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۵۶﴾ قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَکَذَّبۡتُمۡ بِہٖ ؕ مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَہُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُہَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَہُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٪۶۰﴾ ع ۵ ۱۴

آیت ۵۶ ﴿قُلۡ اِنِّیۡ نُہِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے ان کو پوجنے سے جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔''

یہ لات‘ منات‘ عُزّیٰ وغیرہ جن کو تم لوگ اللہ کے علاوہ معبود مانتے ہو‘ ان کو میں نہیں پکار سکتا۔ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے: ﴿لَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾﴾ (الجن) کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

﴿قُلۡ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَہۡوَآءَکُمۡ ۙ قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا‘ اگر ایسا کروں گا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور پھر نہ رہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں۔''

آیت ۵۷ ﴿قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے ایک بڑی بَیِّنَہ پر ہوں''

یہ بیّنہ ہے کیا؟ اس کی وضاحت سورۂ ھود میں آئے گی۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ایک عام انسان کے لیے بَیِّنَہ دو چیزوں سے مل کر بنتی ہے‘ انسان کی فطرتِ سلیمہ اور وحی الٰہی۔ فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم انسان کے اندر اللہ کی طرف سے ودیعت کر دی گئی ہے جس کی بنا پر اس کو نیکی بدی اور اچھے برے کی تمیز فطری طور پر مل گئی ہے۔ اس کے بعد اگر کسی انسان تک نبی یا رسول کے ذریعے سے اللہ کی وحی بھی پہنچ گئی اور اس وحی نے بھی اُن حقائق کی تصدیق کر دی جن تک وہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی راہنمائی میں پہنچ چکا تھا‘ تو اس پر حجت تمام ہو گئی۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں یعنی فطرتِ سلیمہ اور وحی الٰہی مل کر اس شخص کے لیے بیّنہ بن گئیں۔ پھر اللہ کا رسول اور وحی الٰہی دونوں مل کر بھی لوگوں کے حق میں بَیِّنَہ بن جاتے ہیں۔ خود رسولؐ کے حق میں بَیِّنَہ یہ ہے کہ

آپؐ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی راہنمائی میں جن حقائق تک پہنچ چکے تھے وحی الٰہی نے آ کر ان حقائق کو اجاگر کر دیا۔ چنانچہ حضورﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ آپ ان کو بتائیں کہ میں کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا' میں تو اپنے ربّ کی طرف سے بیّنہ پر ہوں۔ میں جس راستے پر چل رہا ہوں وہ بہت واضح اور روشن راستہ ہے' اور مجھ پر اس کی باطنی حقیقت بھی منکشف ہے۔

﴿وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ ''اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ شے موجود نہیں ہے جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔''

وہ لوگ جلدی مچا رہے تھے کہ لے آیئے ہمارے اوپر عذاب۔ دس برس سے آپؐ ہمیں عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہیں' اب جب کہ ہم نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے تو وہ عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا؟ جواب میں حضورﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ انہیں صاف الفاظ میں بتا دیں کہ عذاب کا فیصلہ میرے اختیار میں نہیں ہے' وہ عذاب جب آئے گا' جیسا آئے گا' اللہ کے فیصلے سے آئے گا اور جب وہ چاہے گا ضرور آئے گا۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ ۝٥٧﴾ ''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے۔ وہ حق کو کھول کر بیان کر دیتا ہے اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٥٨﴾ ''کہہ دیجیے اگر میرے پاس وہ ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ طے ہو چکا ہوتا' اور اللہ خوب واقف ہے ظالموں سے۔''

ان الفاظ سے ایک حد تک تلخی اور بیزاری ظاہر ہو رہی ہے کہ اگر یہ فیصلہ کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں مزید مہلت نہ دیتا۔ اب میں بھی تمہارے رویے سے تنگ آ چکا ہوں' میرے بھی صبر کا پیمانہ آخری حد تک پہنچ چکا ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾ ''اور اُسی کے پاس غیب کے سارے خزانے ہیں' کوئی نہیں جانتا اُن (خزانوں) کو سوائے اُس کے' اور وہ جانتا ہے جو کچھ ہے خشکی میں اور سمندر میں۔''

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ ''اور نہیں گرتا کوئی ایک پتّا بھی (کسی درخت سے) مگر وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔''

﴿وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٥٩﴾ ''اور نہیں (گرتا) کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں' اور نہ کوئی تر و تازہ اور نہ کوئی سوکھی چیز' مگر ایک کتابِ مبین میں (سب کی سب) موجود ہیں۔''

یہ کتاب مبین اللہ کا علمِ قدیم ہے' جس میں ہر شے (مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن) آنِ واحد کی طرح موجود ہے۔

آیت ٦٠ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ﴾ ''اور وہی ہے جو تمہیں وفات دیتا ہے رات کے وقت''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۵۵ کی تشریح کے سلسلے میں یُوَفِّیْ' یَتَوَفّٰی اور مُتَوَفِّی وغیرہ الفاظ کی وضاحت ہو چکی ہے' جس سے قادیانیوں کی ساری خباثت کا توڑ ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے! یہاں وفات دینے کے کیا معنی ہیں؟ کیا نیند کے دوران انسان مر جاتا ہے؟ نہیں' جان تو بدن میں رہتی ہے' البتہ شعور نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں تین چیزیں الگ الگ ہیں' جسم' جان اور شعور۔ فارسی کا ایک بڑا خوبصورت شعر ہے ؎

جاں نہاں در جسم' اُو در جاں نہاں اے نہاں' اندر نہاں' اے جانِ جاں!

''جان جسم کے اندر پنہاں ہے اور جان میں وہ پنہاں ہے۔ اے کہ جو پنہاں شے کے اندر پنہاں ہے' تو ہی تو جانِ جاں ہے!''

اس شعر میں ''اُو'' (وہ) سے مراد کچھ اور ہے' جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس وقت صرف یہ سمجھ لیجیے کہ ان تین چیزوں (یعنی جسم' جان اور شعور) میں سے نیند میں صرف شعور جاتا ہے جبکہ موت میں شعور بھی جاتا ہے اور جان بھی چلی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''تَوَفِّی'' مکمل صورت میں وقوع پذیر ہوا تھا' یعنی جسم' جان اور شعور تینوں چیزوں کے ساتھ۔ عام آدمی کی موت کی صورت میں یہ ''تَوَفِّی'' ادھورا ہوتا ہے' یعنی جسم یہیں رہ جاتا ہے' جان اور شعور چلے جاتے ہیں' جب کہ نیند کی حالت میں صرف شعور جاتا ہے۔

﴿وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو دن کے وقت' پھر وہ اس میں (اگلی صبح کو) تمہیں اُٹھاتا ہے' تاکہ (تمہاری) مدتِ معیّن پوری ہو جائے۔''

یعنی روزانہ ہم ایک طرح سے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں' کیونکہ نیند آدھی موت ہوتی ہے۔ جیسے صبح کے وقت اٹھنے کی مسنون دعا میں مذکور ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ (کل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے دوبارہ زندہ کیا' اس کے بعد کہ مجھ پر موت وارد کر دی تھی اور اُسی کی طرف جی اُٹھنا ہے)۔ اس دعا سے ایک بڑا عجیب نکتہ ذہن میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر روز صبح اٹھتے ہی جس شخص کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہوں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ'' قیامت کے دن جب وہ قبر سے اٹھے گا تو دنیا میں اپنی عادت کے سبب اُس کی زبان پر خود بخود یہی ترانہ جاری ہو جائے گا' جو اُس وقت لفظی اعتبار سے صد فی صد درست ہوگا' کیونکہ وہ اٹھنا حقیقی موت کے بعد کا اٹھنا ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ زندگی میں روزانہ اس کی ریہرسل کی جائے تاکہ یہ عادت پختہ ہو جائے۔

﴿ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾﴾ ''پھر اُسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔''

آیت ٦١ تا ٧٠

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۟ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

آیت ٦١ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان بھیجتا رہتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انسان کو اپنی اجلِ مُعیّن تک بہر صورت زندہ رہنا ہے' اس لیے ہر انسان کے ساتھ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے اس کے باڈی گارڈز کی حیثیت سے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ چنانچہ کبھی انسان کو ایسا حادثہ بھی پیش آتا ہے جب زندہ بچ جانے کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہوتا' لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے ہاتھ دے کر اسے بچا لیا ہو۔ بہر حال جب تک انسان کی موت کا وقت نہیں آتا' یہ محافظ اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾﴾ ''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو قبضے میں لے لیتے ہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔''

اب یہاں پھر لفظ تَوَفّی شعور اور جان دونوں کے جانے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے جان نکالنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے' جب دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

آیت ۶۲ ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ﴾ ''پھر وہ لوٹا دیے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا مولیٰ ہے برحق۔''

﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝﴾ ''آگاہ ہو جاؤ فیصلے کا اختیار اُسی کے ہاتھ میں ہے' اور وہ حساب کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تیز ہے۔''

حقیقی حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے۔ یہ بات یہاں دوسری دفعہ آئی ہے۔ اس سے پہلے آیت ۵۷ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کہ فیصلے کا اختیار کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مزید فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ تیز حساب چکانے والا ہے۔ اُسے حساب چکانے میں کچھ دیر نہیں لگے گی' صرف حرفِ کُن کہنے سے آنِ واحد میں وہ سب کچھ ہو جائے گا جو وہ چاہے گا۔

آیت ۶۳ ﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ﴾ ''ان سے پوچھئے کون تمہیں نجات دیتا ہے خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے جبکہ تم اُسی کو پکارتے ہو بہت ہی گڑگڑاتے ہوئے اور (دل ہی دل میں) چپکے چپکے۔''

کبھی تم نے غور کیا جب تم سمندر میں سفر کرتے ہو' وہاں گھپ اندھیرے میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور سمندر کی خوفناک طوفانی لہریں ہر لحہ موت کا پیغام دے رہی ہوتی ہیں تو ایسے میں اللہ کے سوا تمہیں کون بچاتا ہے؟ کون ہے جو تمہاری دستگیری کرتا ہے اور تمہارے لیے عافیت کا راستہ نکالتا ہے۔ اسی طرح ع ''اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو!'' کے مصداق جب کوئی قافلہ صحرا میں بھٹک جاتا ہے' اندھیری رات میں نہ دائیں کا پتا ہوتا ہے نہ بائیں کی خبر' ہر درخت اندھیرے میں ایک آسیب معلوم ہوتا ہے' ایسے خوفناک ماحول اور انتہائی مایوسی کے عالم میں سب خداؤں کو بھلا کر تم لوگ ایک اللہ ہی کو پکارتے ہو۔

﴿لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ ''(اور کہتے ہو) اگر اللہ نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بن کر رہیں گے۔''

آیت ۶۴ ﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''کہیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے' پھر تم شرک کرنے لگتے ہو!''

مصیبت سے نجات کے بعد پھر سے تمہیں دیویاں' دیوتا' جھوٹے معبود اور اپنے سردار یاد آ جاتے ہیں۔ اب اگلی آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں عذابِ الٰہی کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ قادر ہے

اس پر کہ تم پر بھیج دے کوئی عذاب تمہارے اوپر سے''

مثلاً آسمان کا کوئی ٹکڑا یا کوئی شہابِ ثاقب (meteorite) گر جائے۔ آج کل ایسی خبریں اکثر سننے کو ملتی ہیں کہ اس طرح کی کوئی چیز زمین پر گرنے والی ہے، لیکن پھر اللہ کے حکم سے وہ خلا میں ہی تحلیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ozone کی تہہ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین والوں کے بچاؤ کے لیے پیدا کی ہے، وہ چاہے تو اس حفاظتی چھتری کو ہٹا دے۔ بہرحال آسمانوں سے عذاب نازل ہونے کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے اور اللہ جب چاہے یہ عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

﴿اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ﴾ ''یا تمہارے قدموں کے نیچے سے''

یہ عذاب تمہارے قدموں کے نیچے سے بھی آ سکتا ہے، زمین پھٹ سکتی ہے، زلزلے کے باعث شہروں کے شہر زمین میں دھنس سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے تین بڑے بڑے ''خسف'' ہوں گے، یعنی زمین وسیع پیمانے پر تین مختلف جگہوں سے دھنس جائے گی۔ عذاب کی دو شکلیں تو یہ ہیں، اُوپر سے یا قدموں کے نیچے سے۔

﴿اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ﴾ ''یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک کی طاقت کا مزا دوسرے کو چکھائے۔''

یہ خانہ جنگی کی صورت میں عذاب کا ذکر ہے کہ کسی ملک کے عوام یا قوم کے مختلف گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ جیسے پنجابی اور اردو بولنے والے آپس میں الجھ جائیں، بلوچ اور پختون ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں، شیعہ سُنّی کو مارے اور سُنّی شیعہ کو۔ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے کچھ گرانے کی ضرورت ہے نہ زمین کو دھنسانے کی۔ یہ گروہ بندی اور اس کی بنیاد پر باہمی خون ریزی عذابِ الٰہی کی بدترین شکل ہے، جو آج مسلمانانِ پاکستان پر مسلّط ہے۔ تقسیمِ ہند سے قبل جب ہندو سے مقابلہ تھا تو مسلمان ایک قوم تھے۔ پاکستان بنا تو اُس کے تمام باسی پاکستانی تھے۔ اب یہی پاکستانی قوم چھوٹی چھوٹی قومیتوں اور عصبیتوں میں تحلیل ہو چکی ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہے۔

﴿اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ۝۶۵﴾ ''دیکھو کس طرح ہم اپنی آیات کی تصریف کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔''

تصریف کے معنی ہیں گھمانا۔ ؏ ''اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں'' کے مصداق ایک ہی بات کو اسلوب بدل بدل کر، مختلف انداز میں، نئی نئی ترتیب کے ساتھ بیان کرنا۔

آیت ٦٦ ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَهُوَ الۡحَقُّ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) آپ کی قوم نے اسے جھٹلا دیا حالانکہ وہ حق ہے۔''

یہاں بِهٖ سے مراد قرآن ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اس سورۃ کا عمود یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے مطالبے پر کوئی حسّی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا، محمد رسول اللہ ﷺ کا اصل معجزہ یہ قرآن ہے۔ اسی لیے اس مضمون

کی تفصیل میں ''بِہٖ'' کی تکرار کثرت سے ملے گی۔

﴿قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦٦﴾ ''(ان سے) کہہ دیجیے کہ (اب) میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

اب میں نہیں کہہ سکتا کہ کب اللہ کے عذاب کا دروازہ کھل جائے اور عذابِ ہلاکت تم پر ٹوٹ پڑے۔

آیت ٦٧ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٦٧﴾ ''ہر بڑی بات کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝١٠٩﴾ ''میں یہ تو نہیں جانتا کہ جس عذاب کی تمہیں دھمکی دی جا رہی ہے وہ قریب آ چکا ہے یا دُور ہے''۔ البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر تمہاری روش یہی رہی تو یہ عذاب تم پر ضرور آ کر رہے گا۔

اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا حوالہ سورۃ النساء کی آیت ١٤٠ میں آیا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ تم پر کتاب میں یہ بات نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے پاس مت بیٹھو......'' ایمان کا کم از کم تقاضا ہے کہ ایسی محفل سے احتجاج کے طور پر واک آؤٹ تو ضرور کیا جائے۔

آیت ٦٨ ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''اور جب تم دیکھو لوگوں کو کہ وہ ہماری آیات میں مین میخ نکال رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ''

اردو میں ''غور و خوض'' کی ترکیب کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ ''غور'' اور ''خوض'' دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں اور معانی کے اعتبار سے دونوں کی آپس میں مشابہت ہے۔ 'غور' مثبت انداز میں کسی چیز کی تحقیق کرنے کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ 'خوض' منفی طور پر کسی معاملے کی چھان بین کرنے اور خواہ مخواہ میں بال کی کھال اُتارنے کے معنی دیتا ہے۔

﴿حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

جب کسی محفل میں لوگ اللہ اور اس کی آیات کا تمسخر اڑا رہے ہوں تو ان سے کنارہ کشی کر لو اور جب وہ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے لگیں تو پھر تم ان کے پاس جا سکتے ہو۔

﴿وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦٨﴾ ''اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔''

یعنی کسی محفل میں گفتگو شروع ہوئی اور کچھ دیر تک تمہیں احساس نہیں ہوا کہ یہ لوگ کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں، لیکن جونہی احساس ہو جائے کہ ان کی گفتگو اور اندازِ گفتگو قابلِ اعتراض ہے تو احتجاج کرتے ہوئے فوراً وہاں سے واک آؤٹ کر جاؤ۔ اب چونکہ دعوت و تبلیغ کے لیے تمہارا ان کے پاس جانا ایک ضرورت ہے لہٰذا ایسی محفلوں کے بارے میں کسی بہتر صورتِ حال کے منتظر رہو اور جب ان لوگوں کا رویہ مثبت ہو تو ان کے پاس دوبارہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی وہی ''قَالُوْا سَلٰمًا'' والا انداز ہونا چاہیے کہ علیحدہ بھی ہوں تو لٹھ مار کر نہ ہو جائے بلکہ چپکے سے' متانت کے ساتھ کنارہ کر لیا جائے۔

آیت ٦٩ ﴿وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ ''اور یقیناً جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں ان پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن یہ یاددہانی ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔''

آیت ٧٠ ﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ ''اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے''

آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دین کے معاملے میں کبھی سنجیدہ ہوتے ہی نہیں۔ وہ دین کی ہر بات کو استہزا اور تمسخر میں اڑانے کے عادی ہوتے ہیں۔

﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ''اور ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے دنیا کی زندگی نے''

ان کی ساری توجہ تمام بھاگ دوڑ دنیا کے لیے ہے۔ زیادہ سے زیادہ کمانا' مال جمع کرنا اور جائیدادیں بنانا ہی ان کا مقصدِ حیات ہے' خواہ حلال سے ہو یا حرام سے' اس کی کوئی پروا ان کو نہیں ہوتی۔

﴿وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ﴾ ''اور آپ تذکیر کیجیے اسی (قرآن) کے ذریعے سے مبادا کوئی جان اپنے کرتوتوں کے سبب گرفتار ہو جائے۔''

سورۂ قٓ کی آخری آیت میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ کہ آپ قرآن کے ذریعے سے تذکیر کیجیے اُس شخص کو جس کے اندر اللہ کی وعید کا کچھ خوف ہے۔ اسی طرح یہاں بھی حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان دنیا کے پرستاروں کو چھوڑیے' البتہ اس قرآن کے ذریعے سے انہیں تذکیر کرتے رہیے' انہیں یاددہانی کراتے رہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کے وبال میں گرفتار ہو جائے۔

﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ ''پھر اُس کے لیے نہیں ہوگا اللہ کے مقابلے میں کوئی کارساز اور نہ کوئی سفارشی۔''

شفاعت کے بارے میں دوٹوک انکار (categorical denial) یہاں دوسری دفعہ آیا ہے۔ اس سے پہلے آیت ۵۱ میں بھی یہ مضمون آ چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۴) میں ﴿يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ کے دوٹوک الفاظ کے بعد اگلی آیت (آیت الکرسی) میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ چنانچہ شفاعتِ حقّہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شفاعت کی کچھ شرائط اور کچھ حدود (limits) ہیں۔ ان شرائط اور حدود و قیود کے بغیر مطلق شفاعت کا تصور گویا ایمان بالآخرت کی نفی کے مترادف ہے۔ یعنی جب آپ کو چھڑانے والے موجود ہیں تو پھر ڈر کاہے کا؟ جو چاہو کرو! شرابی ہیں' زانی ہیں' چور ہیں' ڈاکو ہیں' حرام خور ہیں' غبن کرتے ہیں' جو بھی کچھ ہیں' لیکن اے اللہ تیرے محبوب ﷺ کی اُمت میں ہیں! تو اگر اسی طرح سے کوئی معاملہ طے ہونا ہے تو خواہ مخواہ کاہے کو کوئی اپنا ہاتھ روکے' جی بھر کر عیش کیوں نہ کرے؟ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!

﴿وَاِنۡ تَعۡدِلۡ كُلَّ عَدۡلٍ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا﴾ ’’اور اگر وہ فدیہ دینا چاہے کُل کا کُل فدیہ تو بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘

یہ مضمون بھی سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ (آیت ۴۸ و ۱۲۳) آچکا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا كَسَبُوۡا ۚ لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ۝۷۰﴾ ’’یہی لوگ ہیں جو گرفتار ہو چکے ہیں اپنے کرتوتوں کی پاداش میں۔ ان کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی پاداش میں۔‘‘

آیت ۷۱ تا ۸۲

قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ائۡتِنَا ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۷۱ وَاَنۡ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۛؕ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ؕ وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ ؕ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ۝۷۳ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكَ وَقَوۡمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۷۴ وَكَذٰلِكَ نُرِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلِيَكُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِيۡنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ ۝۷۶ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ ۝۷۷ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝۷۸ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۷۹ وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡئًا ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۸۰ وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۱ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝۸۲ ع ۱۵

آیت ۷۱ ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا﴾ ''(اے نبیﷺ! ان سے) کہیے کیا ہم پکاریں اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان''

یہ بُت کسی کو کچھ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ خود پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اڑا سکتے۔ ان کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ ان کے سامنے سجدہ کرنے سے کیا حاصل؟ بتوں کے بارے میں تو یہ بات خیر بہت ہی واضح ہے، لیکن ان کے علاوہ بھی پوری کائنات میں کوئی کسی کے لیے خیر کی کچھ قدرت رکھتا ہے نہ شر کی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا مفہوم یہی ہے۔ یہ یقین جب انسان کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح جاگزیں ہو جائے تب ہی توحید مکمل ہوتی ہے، جس کے بعد انسان کسی کے آگے سر جھکا کر خواہ مخواہ اپنی عزتِ نفس کا سودا نہیں کرتا۔ اسی نکتے کی وضاحت رسول اللہﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے اس طرح فرمائی تھی: ''اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اگر دنیا کے تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، اور اگر تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے''[۱]۔ لہٰذا ''یک در گیر و محکم بگیر'' کے مصداق مدد کے لیے پکارو تو اُسی ایک اللہ کو پکارو۔ کسی غیر اللہ کو پکارنے، کسی دوسرے سے سوال کرنے، کسی اور سے ڈرنے، التجائیں کرنے، استغاثہ کرنے کا کیا فائدہ؟

﴿وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ﴾ ''اور ہم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹا دیے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی ہے، اُس شخص کی مانند جسے شیاطین نے بیابان میں بھٹکا کر حیران و سرگرداں چھوڑ دیا ہو؟''

﴿لَهٗٓ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا﴾ ''اُس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ آؤ ہماری طرف!''

یہاں جماعتی زندگی کی برکت اور انفرادی زندگی کی قباحت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اگر آپ اکیلے ہوں، کہیں بھٹک گئے ہوں، تو آپ کے لیے دوبارہ سیدھے راستے پر آنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی میں دوسرے ساتھیوں کے مشورے اور ان کی راہنمائی سے ہر فرد کو اپنی سمت کے سیدھا رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جیسے کہ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ساتھ رہو صادقین (سچوں) کے''۔ بعض اوقات انسان بڑی آزمائش میں پھنس جاتا ہے۔ وہ حرام کو حرام سمجھتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کو اختیار کرنا انتہائی تباہ کن ہے۔ دوسری طرف اس کی مجبوریاں ہیں، بچوں کی محرومیاں ہیں، اہلِ خانہ کا دباؤ ہے۔ ایسی حالت میں اس کے لیے درست فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اس کے حرام میں پڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اگر ایسے وقت میں اُس کو

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع (قال الترمذی هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ)۔ الاربعین للنووی، ح ۱۹۔

نیک دوست احباب کی معیت حاصل ہو تو وہ نہ صرف اس کو صحیح مشورہ دیتے ہیں بلکہ اُس کا ہاتھ تھام کر سہارا بھی دیتے ہیں۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''کہہ دیجیے یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے' اور ہمیں تو حکم ہوا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری اختیار کریں۔''

آیت ۷۲ ﴿وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔''

آیت ۷۳ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں حق کے ساتھ۔''

یعنی یہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے تحت پیدا کیے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اے رب ہمارے' تو نے یہ سب باطل (بے مقصد) پیدا نہیں کیا''۔ گویا ''حق'' کا لفظ یہاں ''باطل'' کے مقابلے میں آیا ہے۔

﴿وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ﴾ ''اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔''

جب وہ چاہے گا اس کائنات کی بساط کو لپیٹ دے گا۔ اُسی نے اسے حق کے ساتھ بنایا ہے اور اُسی کے حکم کے ساتھ یہ لپیٹ دی جائے گی۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) ''جس دن ہم (ان تمام خلاؤں' فضاؤں اور) آسمانوں کو ایسے لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے''۔ اسی طرح سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ﴾ (آیت ۶۷) ''اور (اُس روز) آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''

﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ﴾ ''اُس کا فرمان ہی حق ہے۔''

اُس کا فرمان شدنی ہے۔ اس کا کُنْ کہہ دینا برحق ہے۔ اسے تخلیق کے لیے کسی اور شے کی ضرورت نہیں' مادہ (material) یا توانائی (energy) کچھ بھی اسے درکار نہیں۔

﴿وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ﴾ ''اور اُسی کے لیے ہوگی بادشاہی جس دن صور پھونکا جائے گا۔''

اگرچہ حقیقت میں تو اب بھی بادشاہی اُسی کی ہے لیکن ابھی جھوٹے سچے کئی بادشاہ ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے ہیں' جو مختلف ڈراموں کے مختلف کردار ہیں۔ مگر یہ سب کے سب اُس دن نسیاً منسیا ہو جائیں گے اور پوچھا جائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ﴾ اور پھر جواب میں خود ہی فرمایا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ (المؤمن)

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾﴾ ''وہ تمام غیب اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے' اور وہ کمالِ حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ میں اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر ان کی نسل کے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ انبیاء کے ناموں پر مشتمل ایک خوبصورت گلدستہ تو سورۃ النساء کے آخر میں ہم دیکھ آئے ہیں' وہاں ہم نے ۱۳ انبیاء ورُسل کے نام پڑھے تھے۔ اب یہاں اس سے ذرا بڑا گلدستہ سجایا گیا ہے' جس میں ۱۷ انبیاء ورسل کے نام شامل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ آپؑ کی قوم کا کیا انجام ہوا' اس کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ اسی لیے آپؑ کے معاملے کو یہاں اس سورۃ میں الگ کر لیا گیا ہے' کیونکہ اس سورۃ میں صرف التذکیر بِآلَاءِ اللّٰہ کی مثالیں ہیں' جبکہ سورۃ الاعراف میں ''ذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ'' کے تحت التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کا ظہور نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہے۔ یہی وہ چھ رسول ہیں جن کی قوموں پر عذاب آیا اور اُن کو عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ ''اور یاد کرو جب کہا تھا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کیا تم نے ان بُتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟''

یہاں پر خصوصی طور پر لفظ ''آزر'' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام کے طور پر آیا ہے' یہ میرے نزدیک تورات میں مندرج نام کی نفی کرنے کے لیے آیا ہے۔ تورات میں آپؑ کے والد کا نام ''تارخ'' لکھا گیا ہے اور اس کی یہاں تصحیح کی گئی ہے' ورنہ یہاں یہ فقرہ لفظ ''آزر'' کے بغیر بھی کافی تھا۔ اس واضح نشاندہی کے باوجود بھی بعض لوگ مغالطے میں پڑ گئے ہیں اور انہوں نے تورات میں مذکور نام ہی اختیار کیا ہے۔ جیسے اہلِ تشیع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ''تارخ'' ہی کہتے ہیں اور آزر جس کا ذکر یہاں آیا ہے اس کو آپؑ کا چچا کہتے ہیں۔ انہوں نے یہ موقف کیوں اختیار کیا ہے' اس کی ایک خاص وجہ ہے' جو پھر کسی موقع پر بیان ہو گی۔

﴿اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ ''میری رائے میں تو آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔''

آیت ۷۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اسی طرح ہم دکھاتے رہے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت''

یہاں ملکوت سے مراد یہ پورا نظام ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ یہ نظام گویا ایک Universal Government ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کارندے اسے چلا رہے ہیں۔ اس نظام کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو کراتا ہے تاکہ ان کا یقین اس درجے کا ہو جائے جیسا کہ آنکھوں دیکھی چیز کے بارے میں ہوتا ہے۔

﴿وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾ ''تاکہ وہ پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔''

اس فقرے میں ''وَ'' کی وجہ سے ہم اس سے پہلے یہ فقرہ محذوف مانیں گے: ''تاکہ وہ اپنی قوم پر حجت قائم کر سکے' وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ''اور ہو جائے پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے۔''

اب آگے جو تفصیل آ رہی ہے یہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم پر حجت پیش کرنے کا ایک انداز ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے ذہنی ارتقاء کے کچھ مراحل ہیں‘ کہ واقعتاً انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ستارہ میرا خدا ہے۔ پھر جب وہ چھپ گیا تو انہوں نے سمجھا کہ نہیں نہیں یہ تو ڈوب گیا ہے‘ یہ خدا نہیں ہوسکتا۔ پھر چاند کو دیکھ کر ایسا ہی سمجھا۔ پھر سورج کو دیکھا تو ایسا ہی خیال ان کے دل میں آیا۔ یہ بعض حضرات کی رائے ہے اور ان الفاظ سے ایسا کچھ متبادر بھی ہوتا ہے‘ لیکن اس سلسلے میں زیادہ صحیح رائے یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی طریقہ اختیار کیا۔ آگے آیت ۸۳ کے ان الفاظ سے اس موقف کی تائید بھی ہوتی ہے: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے اور کوئی بھی نبی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اس کی فطرت اور سرشت اتنی خالص ہوتی ہے کہ وہ کبھی شرک میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتا۔ انبیاء کا مرتبہ تو بہت ہی بلند ہے‘ اللہ تعالیٰ نے تو صدیقین کو یہ شان عطا کی ہے کہ وہ بھی شرک میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جو صحابہ کرامؓ میں سے صدیقین ہیں‘ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا تھا۔

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ﴾ ”پس جب رات نے انؑ کو (اپنی تاریکی میں) ڈھانپ لیا تو انہوں نے دیکھا ایک (چمکدار) ستارے کو‘ تو کہا یہ میرا رب ہے!“

یہ سوالیہ انداز بھی ہوسکتا ہے‘ گویا کہہ رہے ہو کیا یہ میرا رب ہے؟ اور استعجابیہ انداز بھی ہوسکتا ہے۔ گویا لوگوں کو چونکانے کے لیے ایسے کہا ہو۔

﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶﴾ ”پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

میں اس کو اپنا خدا کیسے مان لوں؟ یہ قوم جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے ستارہ پرست بھی تھی‘ بُت پرست بھی تھی اور شاہ پرست بھی تھی۔ تینوں قسم کے شرک اس قوم میں موجود تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام Babilonia (آج کا عراق) کے شہر ”اُر“ میں پیدا ہوئے۔ اس شہر کے کھنڈرات بھی اب دریافت ہو چکے ہیں۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے فلسطین گئے‘ وہاں سے حجاز گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کیا۔ جب کہ اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو فلسطین میں آباد کیا۔ اُس وقت عراق میں شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے تھے۔ وہ لوگ بُت پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ساتھ نمرود کی پرستش بھی کرتے تھے‘ جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں خدا ہوں۔ نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ محاجہ (مکالمہ) ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں‘ اس میں اس نے کہا تھا: اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ کہ میں بھی یہ اختیار رکھتا ہوں کہ جس کو چاہوں زندہ رکھوں‘ جس کو چاہوں مار دوں۔

آیت ۷۷ ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝۷۷﴾ ”پھر جب انہوں نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہ ہے میرا ربّ! پھر جب وہ بھی

غائب ہوگیا تو انہوں نے کہا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔"

گویا یہ وہ الفاظ ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ شاید ابھی آپؑ کا اپنا ذہنی اور فکری ارتقاء ہو رہا ہے۔ لیکن ان دونوں پہلوؤں پر غور وفکر کے بعد جو رائے بنتی ہے وہ یہی ہے کہ آپؑ نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی انداز اختیار کیا تھا۔

آیت ۷۸ ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝﴾ "پھر جب دیکھا سورج کو بہت چمکدار تو کہنے لگے ہاں یہ ہے میرا ربّ' یہ سب سے بڑا ہے! پھر جب وہ بھی غائب ہوگیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں اعلانِ براءت کرتا ہوں ان سب سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔"

آیت ۷۹ ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝﴾ "میں نے تو اپنا رُخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس نے آسمان وزمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

آیت ۸۰ ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ﴾ "اب (اس پر) آپؑ کی قوم آپؑ سے بحث کرنے لگی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپؑ سے حجت بازی شروع کر دی کہ یہ تم نے کیا کہہ دیا ہے' تمام دیوی دیوتاؤں کی نفی کر دی' سارے ستاروں اور چاند سورج کی ربوبیت سے انکار کر دیا! اب ان دیوی دیوتاؤں اور ستاروں کی نحوست تم پر پڑے گی۔ اب تم انجام کے لیے تیار ہو جاؤ' تمہاری شامت آنے ہی والی ہے۔

﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ۭ﴾ "(ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھ سے حُجت بازی کر رہے ہو اللہ کے بارے میں' جب کہ مجھے تو اُس نے ہدایت دی ہے۔ اور مجھے کوئی خوف نہیں ہے اُن (ہستیوں) کا جنہیں تم اُس کا شریک ٹھہراتے رہے ہو' سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے۔"

ہاں اگر اللہ چاہے کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچے' کوئی آزمائش آ جائے تو ٹھیک ہے' کیونکہ وہ میرا خالق اور میرا رب ہے' لیکن اس کے علاوہ مجھے کسی کا کوئی خوف نہیں' نہ تمہاری کسی دیوی کا' نہ کسی دیوتا کا' نہ کسی ستارے کی نحوست کا اور نہ کسی اور کا۔

﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ "میرا رب ہر شے کا علم کے اعتبار سے احاطہ کیے ہوئے ہے' تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟"

میرے رب کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ تو کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو' عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟

آیت ۸۱ ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ﴾ "اور میں کیسے ڈروں اُن سے جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے جب کہ تم اس بات

سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیے ہیں جن کے لیے اللہ نے تم پر کوئی سند نہیں اُتاری۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شراکت کی کوئی سند موجود ہی نہیں۔ نہ عقل اور فطرت میں اس کی کوئی بنیاد ہے' نہ کسی آسمانی کتاب میں کسی دوسرے معبود کے لیے کوئی گنجائش ہے۔

﴿فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾﴾ ''تو (ہم دونوں) فریقین میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو تو (بتاؤ!)''

یعنی ایک شخص موحّد ہے' ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ وہ ساری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے مالک ہے' ہر شے اُس کے قبضہ قدرت میں ہے' جبکہ دوسرا وہ ہے جو اللہ کو ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے اقتدار و اختیار میں بعض دوسری ہستیوں کو بھی شریک سمجھتا ہے' کچھ چھوٹے معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھی مانتا ہے۔ تو اب ذرا بتاؤ کہ امن' چین' روحانی اطمینان اور حقیقی سکونِ قلب کا زیادہ حق دار ان دونوں میں سے کون ہوگا؟ سوال کرنے کے بعد اس کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا:

آیت ۸۲ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہیں کیا''

یہاں لفظ ''ظلم'' قابلِ توجہ ہے۔ ظلم کسی چھوٹے گناہ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی لیے اس لفظ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے کہ حضور کون شخص ہوگا جس نے کبھی کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ اور نہیں تو انسان اپنے اوپر تو کسی نہ کسی حد تک ظلم کرتا ہی ہے۔ گویا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شخص بھی اس شرط پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' یہاں ظلم سے مراد شرک ہے' اور پھر آپ ﷺ نے سورۂ لقمان کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾﴾۔ چنانچہ یہاں پر ﴿لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان ایسا ہو جو شرک کی ہر آلودگی سے پاک ہو۔ لیکن شرک کا پہچاننا آسان نہیں' یہ طرح طرح کے بھیس بدلتا رہتا ہے۔ شرک کیا ہے اور شرک کی قسمیں کون کون سی ہیں اور یہ زمانے اور حالات کے مطابق کیسے کیسے بھیس بدلتا رہتا ہے' یہ سب کچھ جاننا ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے' تاکہ جس بھیس اور شکل میں بھی یہ نمودار ہو اسے پہچانا جا سکے۔ بقول شاعر: ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم!

(تم چاہے کسی بھی رنگ کا لباس پہن کر آ جاؤ' میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لیتا ہوں۔)

''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری چھ گھنٹوں پر مشتمل طویل تقاریر آڈیو ویڈیو کے علاوہ کتابی شکل میں بھی موجود ہیں' اُن سے استفادہ کرنا' ان شاء اللہ' بہت مفید ہوگا۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾﴾ ''وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی راہ یاب ہوں گے۔''

امن اور ایمان اسلام اور سلامتی کا لفظی اعتبار سے آپس میں بڑا گہرا ربط ہے۔ یہ ربط اس دعا میں بہت

نمایاں ہو جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ ہر نیا چاند دیکھنے پر مانگا کرتے تھے: ((اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ)) ”اے اللہ (یہ مہینہ جو شروع ہو رہا ہے اس نئے چاند کے ساتھ) اسے ہم پر طلوع فرما امن اور ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ“ —— ”قرآن اور امنِ عالم“ کے نام سے میرا ایک چھوٹا سا کتابچہ اس موضوع پر بڑی مفید معلومات کا حامل ہے۔

آیت ۸۳ تا ۹۰

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰي وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع ۸ / ۱۶

آیت ۸۳ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ﴾ ”یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی تھی اُس کی قوم کے خلاف۔“

اسی آیت کا حوالہ موضوع کے آغاز میں آیا تھا۔ پوری سرگزشت بیان کرنے کے بعد اب فرمایا کہ یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف عطا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے جس انداز سے محاجّہ کر رہے تھے اس کو ”توریہ“ کہتے ہیں۔ توریہ سے مراد ایسا اندازِ گفتگو ہے جس میں جھوٹ بولے بغیر مخاطب کو مغالطے میں مبتلا کر دیا جائے۔ مثلاً حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک زمانے میں انگریز حکومت کی طرف سے ان کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کیے گئے۔ اس زمانے میں وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ شریف حسین والیٔ مکّہ کے سپاہی انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے انہیں کہیں کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اُس نے قریب آ کر آپؒ سے پوچھا کہ تم محمود الحسن کو جانتے ہو؟ آپؒ نے کہا جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ اس نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ آپؒ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی یہیں تھے۔ اس سے اس سپاہی کو مغالطہ ہوا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے وہاں سے دوڑ پڑا کہ ابھی ادھر تھے تو میں جلدی سے یہیں کہیں سے

انہیں ڈھونڈ لوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام میں توریہ کا یہ انداز پایا جاتا ہے۔ جیسے آپؑ نے بُت خانے کے بُتوں کو توڑا' اور جس تیشے سے اُن کو توڑا تھا وہ اس بڑے بُت کی گردن میں لٹکا دیا۔ پوچھنے پر آپؑ نے جواب دیا کہ اس بڑے بُت نے ہی یہ کام دکھایا ہوگا جو صحیح سالم کھڑا ہے اور آلۂ واردات بھی اس کے پاس ہے۔ وہاں بھی یہ انداز اختیار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ سوچنے پر مجبور اور دروں بینی پر آمادہ ہوں۔

﴿نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ﴿۸۳﴾﴾ ''ہم بلند کرتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب حکیم اور علیم ہے۔''

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے درجے بہت بلند کیے ہیں۔ اب انبیاء و رسل کے ناموں کا وہ گلدستہ آ رہا ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا تھا۔

آیت ۸۴ ﴿وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴿۸۴﴾﴾ ''اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) عطا فرمایا اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا)' ان سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور نوحؑ کو بھی ہم نے ہدایت دی تھی ان سے پہلے' اور اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤدؑ' سلیمانؑ' ایوبؑ' یوسفؑ' موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی (ہدایت بخشی)۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔''

یعنی یہ لوگ ایمان کی اس بلند ترین منزل پر فائز تھے جس کے بارے میں ہم سورۃ المائدۃ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴿۹۳﴾﴾

آیت ۸۵ ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''اور (اُسی کی اولاد میں سے) زکریاؑ' یحییٰؑ' عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی۔ یہ سب کے سب نیکوکاروں میں سے تھے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۶﴾﴾ ''اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی (راہ یاب کیا)' اور ان سب کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔''

آیت ۸۷ ﴿وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ ۚ وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴿۸۷﴾﴾ ''اور ان کے آباء و اجداد میں سے بھی' ان کی نسلوں میں سے بھی اور ان کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے ہدایت یافتہ بنائے)' اور ان کو ہم نے چُن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۸۸ ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۸۸﴾﴾ ''یہ اللہ کی وہ ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ راہنمائی فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ اور اگر (بالفرض) وہ بھی شرک کرتے تو ان کے بھی سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

یہ انداز ہمیں سمجھانے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ شرک کتنی بُری شے ہے۔ ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز اللہ کے عظیم الشان انبیاء و رُسل شرک میں مبتلا ہوتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے

نزدیک شرک ناقابل معافی جرم ہے‘ جس کے بارے میں سورۃ النساء میں دو مرتبہ یہ الفاظ آچکے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶)

آیت ۸۹ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب‘ حکمت‘ اور نبوت عطا فرمائی۔‘‘

﴿فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ’’پھر اگر یہ لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں تو (کچھ پروا نہیں) ہم نے کچھ اور لوگ اس کام کے لیے مقرر کر دیے ہیں جو اس کی ناقدری نہیں کریں گے۔‘‘

مقامِ عبرت ہے! محمد رسول اللہ ﷺ جیسا رسول‘ مبلّغ‘ داعی‘ مربیّ‘ مزکّی اور معلّم پچھلے بارہ سال سے دن رات محنت کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں اب تک صرف ڈیڑھ‘ پونے دو سو افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پس منظر میں آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ مکہ کے یہ لوگ اگر اس دعوت کی ناقدری کر رہے ہیں‘ اس قرآن کی ناشکری کر رہے ہیں‘ اس کا انکار کر رہے ہیں اور آپؐ کی دس بارہ سال کی محنت کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آئے ہیں تو آپؐ دل شکستہ نہ ہوں‘ عنقریب ایک دوسری قوم بڑے ذوق و شوق سے اس دعوت پر لبیک کہنے جا رہی ہے۔ اس خوش قسمت قوم سے مراد انصارِ مدینہ ہیں۔ اور واقعی اس سلسلے میں اہلِ مکّہ پیچھے رہ گئے اور اہلِ مدینہ بازی لے گئے۔ بقولِ شاعر: گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا!

دُنیا کے حالات واسباب کو دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ دین کے کام میں کیسے کیسے اسباب پیدا فرماتے ہیں اور کہاں کہاں سے کس کس طرح کے لوگوں کے دلوں کو پھیر کر ہدایت کی توفیق دے دیتے ہیں۔ مجھے اپنی دعوت رجوع الی القرآن کے بارے میں بھی اطمینان ہے کہ پاکستان میں اس کو خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی تو کیا ہوا‘ یہ دعوت مختلف ذرائع سے پوری دنیا میں پھیل رہی ہے‘ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کی یہ انقلابی دعوت کس جگہ زمین کے اندر جڑ پکڑ لے اور ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لے۔

آیت ۹۰ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰىھُمُ اقْتَدِہْ﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی‘ تو آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔‘‘

یعنی ابھی جن انبیاء ورسل کا ذکر ہوا ہے‘ سترہ ناموں کا خوبصورت گلدستہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے‘ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ تھے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔ اس آیت سے ایک بہت اہم نکتہ اور اصول یہ سامنے آتا ہے کہ سابق انبیاء کی شریعت کا ذکر کرتے ہوئے جن احکام کی نفی نہ کی گئی ہو وہ ہمارے لیے بھی قابلِ اتباع ہیں۔ مثلاً رجم کی سزا قرآن میں مذکور نہیں ہے‘ یہ سابقہ شریعت کی سزا ہے‘ جس کو حضور ﷺ نے برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح قتلِ مرتد کی سزا کا ذکر بھی قرآن میں نہیں ہے‘ یہ بھی سابقہ شریعت کی سزا ہے‘ جس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس نکتے سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ جب تک قرآن وسنت میں سابقہ شریعت کے کسی حکم کی نفی نہیں ہوتی وہ حکم اسلامی شریعت میں برقرار رہتا ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۹۰﴾ ''کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ نہیں ہے مگر تمام جہان والوں کے لیے یاد دہانی۔''

یہ قرآن تو بس اہلِ عالم کے لیے ایک نصیحت ہے' یاد دہانی ہے' جو چاہے اس سے کسبِ فیض کرے' جو چاہے اس سے نور حاصل کرے' جو چاہے اس سے صراطِ مستقیم کی راہنمائی اخذ کر لے۔

آیات ۹۱ تا ۹۴

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۹۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰي وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۹۲ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۹۳ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰي مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۹۴ ع

اب اس ردّ وقدح کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو مکہ کے لوگ یہودیوں کے سکھانے پڑھانے پر حضورﷺ سے کر رہے تھے۔ اب تک اس سورۃ میں جو گفتگو ہوئی ہے وہ خالص مکّہ کے مشرکین کی طرف سے تھی اور انہی کے ساتھ سارا مکالمہ اور مناظرہ تھا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک حضورﷺ کی رسالت اور نبوت کے دعوے کا چرچا مدینہ منورہ میں بھی پہنچ چکا تھا اور اہلِ کتاب (یہود) نے خطرے کو بھانپ کر وہیں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں۔ وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں یہاں تک کہہ بیٹھے تھے کہ ان مسلمانوں سے تو یہ مشرک بہتر ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کی ایک بات وہ ہے جو یہاں کہی جا رہی ہے۔

آیت ۹۱ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ﴾ ''اور انہوں نے

ہرگز اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ نہیں اتاری ہے اللہ نے کسی بھی انسان پر کوئی بھی چیز۔''

وحی الٰہی کے بارے میں یہ صاف انکار (categorical denial) ان لوگوں کا تھا جو خود کو الہامی کتاب کے وارث سمجھتے تھے۔ اہلِ مکہ تو چونکہ آسمانی کتابوں سے واقف ہی نہیں تھے اس لیے انہوں نے حضور ﷺ کی نبوت اور وحی کا ذکر یہود سے کیا اور اُن سے رائے پوچھی۔ اس پر یہودیوں کا جواب یہ تھا کہ یہ سب خیال اور وہم ہے' اللہ نے کسی انسان پر کبھی کوئی چیز اتاری ہی نہیں۔ اب اہلِ مکہ نے یہودیوں کے پڑھانے پر قرآن مجید پر جب یہ اعتراض کیا تو اس کے جواب میں مشرکینِ مکہ سے خطاب نہیں کیا گیا' بلکہ براہِ راست یہود کو مخاطب کیا گیا جن کی طرف سے یہ اعتراض آیا تھا' اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر اللہ نے کسی انسان پر کبھی کچھ نازل ہی نہیں کیا تو:

﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِہٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّھُدًی لِّلنَّاسِ﴾ ''آپؐ پوچھئے کہ پھر کس نے اُتاری تھی وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے تھے جو خود نور (روشن) تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت بھی تھی؟''

تو کیا تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے من گھڑت تھی؟ کیا انہوں نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا تھا؟

﴿تَجْعَلُوْنَہٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَھَا وَتُخْفُوْنَ کَثِیْرًا ۚ﴾ ''تم نے اسے ورق ورق کر دیا ہے' اس (کے احکام) میں سے کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو''

یہود اپنی الہامی کتاب کے ساتھ جو سلوک کرتے رہے تھے وہ بھی انہیں جتلا دیا۔ یہودی علماء نے تورات کے احکام کو نہ صرف پسند اور ناپسند کے خانوں میں تقسیم کر دیا تھا بلکہ اپنی من مانی فتویٰ فروشیوں کے لیے اس کو اس طرح چھپا کر رکھا تھا کہ عام لوگوں کی دسترس اس تک ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔

﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُکُمْ ۭ﴾ ''اور تمہیں سکھائی گئی تھیں (تورات کے ذریعے سے) وہ سب باتیں جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء واَجداد۔''

﴿قُلِ اللّٰہُ ۙ﴾ ''کہیے (یہ سب نازل کیا تھا) اللہ نے''

یعنی پھر خود ہی جواب دیجیے کہ تمہاری اپنی الہامی کتابیں تورات اور انجیل بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اب یہ قرآن بھی اللہ ہی نے نازل فرمایا ہے۔

﴿ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ یہ اپنی کج بحثیوں کے اندر کھیلتے رہیں۔''

آیت ۹۲ ﴿وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا ۭ﴾

''اور (اسی طرح کی) یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے' بڑی بابرکت ہے' تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُمّ القریٰ (مکّہ) اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو۔''

قُرٰی جمع ہے قریہ کی اور اُمُّ القُریٰ کا مطلب ہے بستیوں کی ماں' یعنی کسی علاقے کا سب سے بڑا شہر۔ ہر ملک میں ایک سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہوتا ہے' اسے دار الخلافہ کہیں یا دار الحکومت۔ وہ بڑا شہر پورے ملک کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ عرب میں اُس وقت کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی جس کا کوئی دار الحکومت ہوتا' لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر مکہ مکرمہ کو پورے عرب میں ایک مرکزی شہر کی حیثیت حاصل تھی۔ خانہ کعبہ کی وجہ سے یہ شہر مذہبی مرکز تھا۔ عرب کے تمام قبائل یہاں حج کے لیے آتے تھے۔ کعبہ ہی کی وجہ سے قریش مکہ کو خطے کی تجارتی سرگرمیوں میں ایک خاص اجارہ داری (monopoly) حاصل تھی۔ چنانچہ اہلِ مکہ کے ہاں پیسے کی ریل پیل تھی اور عام لوگ خوشحال تھے۔ یہاں تجارتی قافلوں کا آنا جانا سارا سال لگا رہتا تھا۔ یمن سے قافلے چلتے تھے جو مکہ سے ہو کر شام کو جاتے تھے اور شام سے چلتے تھے تو مکہ سے ہو کر یمن کو جاتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر شہر مکہ بجا طور پر علاقے میں ''اُمُّ القریٰ'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ہم نے آپؐ کی طرف یہ کتابِ مبارک نازل کی ہے تاکہ آپؐ اُمُّ الْقُریٰ میں بسنے والوں کو خبردار کریں اور پھر اُن کو بھی جو اس کے اردگرد بستے ہیں۔ یہاں پر وَمَنْ حَوْلَهَا کے الفاظ میں جو فصاحت اور وسعت ہے اسے بھی سمجھ لیں۔ ''ماحول'' کا دائرہ بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک دائرہ تو بالکل قریبی اور immediate ہوتا ہے' پھر اس سے باہر ذرا زیادہ فاصلے پر' اور پھر اس سے باہر مزید فاصلے پر۔ یہ دائرہ پھیلتے پھیلتے پورے کرۂ ارض پر محیط ہو جائے گا۔ اگر دورِ نبوی میں کرۂ ارض کی آبادی کو دیکھا جائے تو اُس وقت براعظم ایک لحاظ سے تین ہی تھے' ایشیا' یورپ اور افریقہ۔ امریکہ بہت بعد میں دریافت ہوا ہے جبکہ آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا بھی معلوم دنیا کا حصہ نہ تھے۔ دُنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو ایشیا' یورپ اور افریقہ تینوں براعظم جہاں پر مل رہے ہیں' تقریباً یہ علاقہ وہ ہے جسے اب ''مڈل ایسٹ'' یا مشرقِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ نام (مڈل ایسٹ) اس علاقے کے لیے misnomer ہے' یعنی درست نام نہیں ہے' لیکن بہر حال یہ علاقہ ایک نقطۂ اتّصال ہے جہاں ایشیا' یورپ اور افریقہ آپس میں مل رہے ہیں اور اس جنکشن پر یہ جزیرہ نمائے عرب واقع ہے۔ یہ علاقہ اس اعتبار سے پوری دنیا کے لیے بھی ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ مَنْ حَوْلَهَا کے دائرے میں پوری دنیا شامل سمجھی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ''اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس (قرآن) پر بھی ایمان لے آئیں گے''

یعنی قرآن کے مخاطب لوگوں میں سے کچھ تو مشرک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بعث بعد الموت کے سرے سے ہی منکر ہیں' لیکن جن لوگوں کے دلوں میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اللہ کے سامنے جوابدہ ہونے کا ذرا سا بھی تصور موجود ہے وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اشارہ صالحینِ اہلِ کتاب کی طرف ہے۔

﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝﴾ ''اور وہی اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

آیت ۹۳ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ ''اور

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے کوئی بات گھڑ کر اللہ سے منسوب کر دی یا (اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے جب کہ اس پر کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو"

کوئی بات خود گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دینا یا یہ کہنا کہ مجھ پر کوئی شے وحی کی گئی ہے یہ دونوں شناعت کے اعتبار سے برابر کے گناہ ہیں۔ تو اے اہل مکہ! ذرا غور تو کرو کہ محمد ﷺ جنہوں نے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کی ہے کیا آپؐ کی سیرت و کردار' آپؐ کی زندگی میں تم کوئی ایسا پہلو دیکھتے ہو کہ آپؐ اتنے بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں؟ اور ان دو باتوں کے ساتھ ایک تیسری بات:

﴿وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ﴾ "اور جو کہے کہ میں بھی اتار سکتا ہوں جیسا کلام اللہ نے اُتارا ہے۔"

وہ لوگ اگرچہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس کلام کی نظیر پیش کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں' پھر بھی زبان سے الفاظ کہہ دینے کی حد تک کسی نے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے زبان دانی کا دعویٰ کرنے والے ماہرین' شعراء اور اُدَباء سمیت اس معاشرے کے تمام لوگوں کو ایک بار نہیں' بار بار یہ چیلنج کیا کہ تم سب سر جوڑ کر بیٹھ جاؤ اور اس جیسا کلام بنا کر دکھاؤ' لیکن کسی میں بھی اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ "اور کاش تم دیکھ سکتے جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ آگے بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) کہ نکالو اپنی جانیں۔"

﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾﴾ "آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم کہتے رہے تھے اللہ کی طرف منسوب کر کے ناحق باتیں اور جو تم اللہ کی آیات سے متکبرانہ اعراض کرتے رہے تھے۔"

آیت ۹۴ ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ "(پھر ان سے کہا جائے گا) اور اب آ گئے ہو نا! ہمارے پاس اکیلے اکیلے' جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ"

یعنی آج اپنے تمام لاؤ لشکر' مال و متاع اور خدم و حشم سب کچھ پیچھے چھوڑ آئے ہو' آج کوئی بھی' کچھ بھی تمہاری مدد کے لیے تمہارے ساتھ نہیں۔ یہی بات سورۂ مریم میں اس طرح کہی گئی ہے: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾﴾ کہ قیامت کے دن ہر شخص کا محاسبہ انفرادی حیثیت میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے اس کے لیے ہر کوئی اکیلا کھڑا ہوگا' نہ کسی کے رشتہ دار ساتھ ہوں گے' نہ ماں باپ' نہ اولاد' نہ بیوی' نہ بیوی کے ساتھ اس کا شوہر' نہ ساز و سامان نہ خدم و حشم!

یہاں ایک اور اہم بات نوٹ کیجیے کہ خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ کا مطلب ہے کہ انسان کی تخلیق دو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک تخلیق عالم اَرواح میں ہوئی تھی' وہاں بھی سب اکیلے اکیلے تھے' نہ کسی کا باپ ساتھ تھا نہ کسی کی ماں۔ تب

ارواح کے مابین کوئی رشتہ داری بھی نہیں تھی۔ یہ رشتہ داریاں تو بعد میں عالمِ خَلق میں آ کر ہوئی ہیں۔ آیت زیرنظر میں عالم ارواح کی اسی تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ عالمِ ارواح کے اُس اجتماع میں بنی نوعِ انسان کے ہر فرد نے وہ عہد کیا تھا جسے ''عہدِ الست'' کہا جاتا ہے۔ جب پروردگارِ عالم نے اولادِ آدم کی ارواح سے سوال کیا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' تو سب نے جواب دیا: ﴿بَلٰى﴾ (الاعراف:۱۷۲) ''کیوں نہیں!'' عالمِ ارواح کے اجتماع اور روزِ محشر کے اجتماع میں ایک لحاظ سے فرق ہے اور ایک لحاظ سے مشابہت۔ فرق یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں مجرد اَرواح کی شمولیت ہوئی تھی، اُس وقت تک انسانوں کو جسم عطا نہیں ہوئے تھے، جب کہ روزِ محشر کے اجتماع میں یہ دنیاوی اجسام بھی ساتھ ہوں گے۔ ان اجتماعات میں مشابہت یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ان کی نسل کے آخری انسان تک سب کی ارواح موجود تھیں اور قیامت کے دن بھی یہ سب کے سب انسان اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے۔

﴿وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ﴾ ''اور تم چھوڑ آئے ہو اپنے پیچھے وہ سب کچھ جس میں ہم نے تمہیں لپیٹ دیا تھا۔''

وہ کون سی چیزیں ہیں جن میں یہاں ہمیں لپیٹ دیا گیا ہے، اس پر غور کی ضرورت ہے۔ اصل چیز تو انسان کی روح ہے۔ اس روح کے لیے پہلا غلاف یہ جسم ہے، پھر اس غلاف کے اوپر کپڑوں کا غلاف ہے، کپڑوں کے اوپر پھر مکان کا غلاف اور پھر دیگر اشیائے ضرورت۔ اس طرح روح کے لیے جسم اور جسم کی ضروریات کے لیے تمام مادّی اشیاء یعنی اس دنیا کا ساز و سامان سب کچھ اس میں شامل ہے۔ ہماری روح درحقیقت ان مادی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ قیامت کے دن ارشاد ہو گا کہ آج تم ہمارے پاس اکیلے حاضر ہوئے ہو اور دنیا کی تمام چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ ''اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔''

ان مجرم لوگوں کو جن جن کے بارے میں بھی زعم تھا کہ وہ ان کے لیے قیامت کے دِن شفاعت کریں گے وہ سب وہاں اُن سے اعلانِ براءت کر دیں گے۔ لات، منات، عُزّٰی اور دوسرے معبودانِ باطل تو کسی شمار و قطار ہی میں نہیں ہوں گے، اس سلسلے میں انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ اور اولیاء اللہ سے لگائی گئی اِن کی امیدیں بھی اُس روز بر نہیں آئیں گی۔

﴿لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ ''اب تمہارے مابین سارے رشتے ٹوٹ چکے''

﴿وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ ''اور وہ سب چیزیں تم سے گم ہو گئیں جن کا تم زعم کیا کرتے تھے۔''

آج اُن ہستیوں میں سے کوئی تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا جن کی سفارش کی امید کے سہارے پر تم حرام خوریاں کیا کرتے تھے۔

آیت ۹۵ تا ۱۰۰

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّغَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَیَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِیۡنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲ / ۱۸

آیت ۹۵ ﴿اِنَّ اللّٰہَ فٰلِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ﴾ ”یقیناً اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔“

عالمِ خلق کے اندر جو اُمور اور معاملات معمول کے مطابق وقوع پذیر ہو رہے ہیں‘ یہاں اُن کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً آم کی گٹھلی زمین میں دبائی گئی‘ کچھ دیر کے بعد وہ گٹھلی پھٹی اور اس میں سے دو پتے نکلے۔ اسی طرح پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ بظاہر یہ سب کچھ خود بخود ہوتا نظر آ رہا ہے‘ مگر حقیقت میں یہ سب کچھ اُن فطری قوانین کے تحت ہو رہا ہے جو اللہ نے اس دنیا میں فزیکل اور کیمیکل تبدیلیوں کے لیے وضع کر دیے ہیں۔ اس لیے اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ہر چھوٹے بڑے معاملے کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا ذکر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنے وصایا میں کیا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے بچے اس حقیقت کو ہر وقت مستحضر رکھنا کہ ”**لَا فاعلَ فی الحقیقۃ ولا مؤثِّر اِلّا اللّٰہ**“ یعنی حقیقت میں فاعل اور مؤثر اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ اُسی کی عطا کردہ ہے‘ اُسی کے اِذن سے ہے۔ تم کسی فعل کا ارادہ تو کر سکتے ہو لیکن فعل کا بالفعل انجام پذیر ہونا تمہارے اختیار میں نہیں ہے‘ کیونکہ ہر فعل اللہ کے حکم سے انجام پذیر ہوتا ہے۔

﴿یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۹۵﴾﴾ ”وہ نکالتا ہے زندہ کو مُردہ میں سے اور وہی نکالنے والا ہے مُردہ کو زندہ میں سے‘ یہی تو ہے اللہ (اس کو پہچانو) لیکن تم کدھر اُلٹے جا رہے ہو۔“

آیت ۹۶ ﴿فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ﴾ ”وہی ہے صبح کو پھاڑنے والا۔“

یہ ''فلق'' کی دوسری قسم ہے کہ اللہ ہی رات کی سیاہی کا پردہ چاک کر کے سپیدۂ سحر کو نمودار کرتا ہے۔ بظاہر یہ بھی خود بخود زمین کی گردش کے تحت ہوتا نظر آتا ہے' لیکن یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے تصرف اور اس کی تدبیر کے بغیر ہو رہا ہے۔ یہ سب بھی ان ہی قوانین کے تحت ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین' چاند' سورج اور دوسرے اجرامِ فلکی کے بارے میں بنا دیے ہیں۔ اس سب کچھ کا فاعل حقیقی بھی وہی ہے۔

﴿وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ﴾ ''اس نے بنا دیا رات کو سکون کا وقت اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے۔''

یہ التذکیر بِاٰلاءِ اللّٰہ کی مثالیں ہیں' جن کے حوالے سے اللہ کی عظمت' اس کی صفات اور اس کی قدرت کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک لگا بندھا نظام ہے جس کے تحت سورج اور چاند چل رہے ہیں۔ اسی نظام سے دن اور رات بنتے ہیں اور اسی سے مہینے اور سال وجود میں آ رہے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾﴾ ''یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اُس ہستی کا جو زبردست ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔''

اندھیری راتوں میں قافلے چلتے تھے تو وہ ستاروں سے سمت متعین کر کے چلتے تھے۔ اسی طرح سمندر میں جہاز رانی کے لیے بھی ستاروں کی مدد سے ہی رُخ متعین کیا جاتا تھا۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾﴾ ''ہم نے تو اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۹۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں اٹھایا ایک جان سے''

ظاہر ہے کہ تمام نوعِ انسانی ایک ہی جان سے وجود میں آئی ہے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اگر نظریۂ ارتقاء میں کوئی حقیقت تسلیم کر لی جائے تو پھر تحقیق کا یہ سفر امیبا (Amoeba) تک چلا جاتا ہے کہ اس ایک جان سے مختلف ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بنا۔ امیبا میں کوئی sex یعنی تذکیر و تانیث کا معاملہ نہیں تھا۔ دورانِ ارتقاء رفتہ رفتہ sex ظاہر ہوا تو ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (النساء:۱) والا مرحلہ آیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب ''قرآن اور علمِ جدید'' میں بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ جن حضرات کو دلچسپی ہو کہ ایک جان سے تمام بنی نوعِ انسان کو پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے' وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔

﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ﴾ ''پھر تمہارے لیے ایک تو مستقل ٹھکانہ ہے اور ایک کچھ دیر (امانتاً) رکھے جانے کی جگہ۔''

''مستقر''اور''مستودع'' کے بارے میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ''مستقر'' یہ دنیا ہے جہاں ہم رہ رہے ہیں اور''مستودع'' سے مراد رحم مادر ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ''مستقر'' آخرت ہے اور''مستودع'' قبر ہے۔قبر میں انسان کو عارضی طور پر امانتاً رکھا جاتا ہے۔یہ عالمِ برزخ ہے اور یہاں سے انسان نے بالآخر اپنے''مستقر''(آخرت) کی طرف جانا ہے۔تیسری رائے یہ ہے کہ''مستقر'' آخرت ہے اور''مستودع'' دنیا ہے۔دنیا میں جو وقت ہم گزار رہے ہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی عارضی ہے۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ ''ہم نے تو اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں۔''

آیت ۹۹ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ﴾ ''اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان (یا بلندی) سے پانی۔''

﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ﴾ ''پھر ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات' پھر ہم نے اُگائے اس سے سرسبز کھیت' جن میں سے ہم نکالتے ہیں دانے تہ بر تہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے۔''

کسی بھی فصل یا اناج کا سِٹّہ دیکھیں تو اس کے دانے نہایت خوبصورتی اور سلیقے سے باہم جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ﴾ ''اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے خوشے' اور (ہم نے بنا دیے) باغات انگوروں کے اور زیتون اور انار کے جو (رنگ' شکل اور ذائقے کے اعتبار سے) آپس میں مشابہ بھی ہیں اور مختلف بھی۔''

﴿اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ﴾ ''دیکھو اس کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور دیکھو اس کے پکنے کو جب وہ پکتا ہے۔''

یعنی مختلف درختوں کے پھل لانے اور پھر پھل کے پکنے کے عمل کو ذرا غور سے دیکھا کرو۔ یہاں پر وَيَنْعِهٖ کے بعد''اِذَا اَيْنَعَ''(جب وہ پک جائے) محذوف مانا جائے گا۔یعنی اس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح تدریجاً پکتا ہے۔ پہلے پھل آتا ہے' پھر تدریجاً اس کے اندر تبدیلیاں آتی ہیں' جسامت میں بڑھتا ہے' پھر کچی حالت سے آہستہ آہستہ پکنا شروع ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

ایسی نشانیوں پر غور کرنے سے کمزور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے گا' دل کے یقین میں اضافہ ہو جائے

گا (بِفحوائے زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا) اور جن کے دلوں میں طلب ہدایت ہے انہیں ایسے مشاہدے سے ایمان کی دولت نصیب ہوگی۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا جِنّات کو' حالانکہ اُسی نے انہیں پیدا کیا ہے''

اللہ تعالیٰ نے جیسے انسانوں کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس نے جِنّات کو بھی پیدا کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنی خداداد طبعی صلاحیتوں کی وجہ سے کائنات میں وسیع پیمانے پر رسائی رکھتے ہیں۔ آج انسان نے اربوں ڈالر خرچ کر کے خلاؤں کے جس سفر کو ممکن بنایا ہے' ایک عام جِن کے لیے ایسا سفر معمول کی کارروائی ہو سکتی ہے' مگر ان سارے کمالات کے باوجود یہ جن ہیں تو اللہ ہی کی مخلوق۔ اسی طرح فرشتے اپنی تخلیق اور صلاحیتوں کے لحاظ سے جنات سے بھی بڑھ کر ہیں' مگر پیدا تو انہیں بھی اللہ ہی نے کیا ہے۔ لہٰذا انسان' جنات اور فرشتے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور ان میں سے کسی کا بھی الوہیت میں ذرّہ برابر حصہ نہیں۔

﴿وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِيۡنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ﴾ ''اور اس کے لیے انہوں نے گھڑ لیے ہیں بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علمی سند کے۔''

حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو اللہ کے بیٹے قرار دیا گیا' جب کہ فرشتوں کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''وہ بہت پاک ہے اور بہت بلند و بالا ہے ان تمام چیزوں سے جو یہ بیان کر رہے ہیں۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۰

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ عَمِىَ فَعَلَيۡهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ وَلِيَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

آیت ۱۰۱ ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’وہ عدم سے وجود میں لانے والا ہے آسمانوں اور زمین کو۔‘‘

یہ لفظ (بدیع) سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۷ میں بھی آچکا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور اس کے معنی ہیں عدم محض سے کسی چیز کی تخلیق کرنے والا۔

﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾﴾

’’اُس کے اولاد کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں‘ اور اُس نے تو ہر شے کو پیدا کیا ہے‘ اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی اولاد بتانے والے یہ بھی نہیں سوچتے کہ جب اُس کی کوئی شریک حیات ہی نہیں ہے تو اولاد کیسے ہوگی؟ دراصل کائنات اور اس کے اندر ہر چیز کا تعلق اللہ کے ساتھ صرف یہ ہے کہ وہ ایک خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہیں۔ اور وہ ایسی علیم اور خبیر ہستی ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی شے اس کی نگاہوں سے ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہو پاتی۔

آیت ۱۰۲ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ ’’وہ ہے اللہ تمہارا رب‘‘

یہ اندازِ خطاب سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مشرکینِ مکہ اور اہلِ عرب اللہ کے منکر نہیں تھے۔ وہ اللہ کو مانتے تو تھے لیکن اللہ کی صفات‘ اس کی قدرت‘ اس کی عظمت کے بارے میں ان کا ذہن کچھ محدود تھا۔ اس لیے یہاں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ دیکھو جس اللہ کو تم مانتے ہو وہی تو تمہارا ربّ اور پروردگار ہے۔ وہ اللہ بہت بلند شان والا ہے۔ تم نے اس کی اصل حقیقت کو نہیں پہچانا۔ تم نے اس کو کوئی ایسی شخصیت سمجھ لیا ہے جس کے اوپر کوئی دباؤ ڈال کر بھی اپنی بات منوائی جاسکتی ہے۔ تم فرشتوں کو اس کی بیٹیاں سمجھتے ہو۔ تمہارے خیال میں یہ جس کی سفارش کریں گے اُس کو بخش دیا جائے گا۔ اس طرح تم نے اللہ کو بھی اپنے اوپر ہی قیاس کرلیا ہے کہ جس طرح تم اپنی بیٹی کی بات ردّ نہیں کرتے‘ اسی طرح تم سمجھتے ہو کہ اللہ بھی فرشتوں کی بات نہیں ٹالے گا۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدرت‘ اُس کی عظمت‘ اُس کا وراء الوراء ہونا‘ اُس کا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم ہونا‘ اُس کا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ہونا‘ اُس کا ہر جگہ پر ہر وقت موجود ہونا‘ اُس کی ایسی صفات ہیں جن کا تصور تم لوگ نہیں کر پا رہے ہو۔ لہٰذا اگر تم سمجھنا چاہو تو سمجھ لو: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ وہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی یہ شان اور قدرت بیان ہو رہی ہے۔

﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾﴾ ’’اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے‘ وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے‘ پس تم اُسی کی بندگی کرو‘ اور وہ ہر شے کا کارساز ہے۔‘‘

اُس کے سوا کوئی تمہارے لیے کارساز نہیں۔ خود اُس کا حکم ہے: ﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ۲﴾ (بنی اسرائیل) کہ میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز نہ سمجھا کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۱۰۳﴾ ''اُسے نگاہیں نہیں پا سکتیں جبکہ وہ تمہاری نگاہوں کو پا لیتا ہے' اور وہ لطیف بھی ہے اور ہر چیز سے باخبر بھی۔''

وہ اس حد تک لطیف ہے' اس قدر لطیف ہے کہ انسانی نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شبِ معراج میں کیا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کو دیکھا یا نہیں دیکھا؟ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا تھا' لیکن حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے ہے کہ نہیں دیکھا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: نُوْرٌ اَنّٰی یُرٰی یعنی وہ تو نور ہے اسے دیکھا کیسے جائے گا؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کوہِ طور پر استدعا کی تھی: ﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) ''پروردگار' مجھے یارائے نظر دے کہ میں تیرا دیدار کروں!'' تو صاف کہہ دیا گیا تھا کہ ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے''۔ اللہ اتنی لطیف ہستی ہے کہ اس کا دیکھنا ہماری نگاہوں سے ممکن نہیں۔ ہاں دل کی آنکھ سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں بیٹھ کر بھی دل کی آنکھ سے اُسے دیکھ سکتے تھے۔

آیت ۱۰۴ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ﴾ ''(دیکھو) تمہارے پاس آ چکی ہیں بصیرت افروز باتیں تمہارے ربّ کی طرف سے۔''

﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ﴾ ''تو اب جو کوئی بینائی سے کام لے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے' اور جو کوئی اندھا بن جائے گا تو اس کا وبال اُسی پر ہو گا۔''

اب جو ان بصائر کو آنکھیں کھول کر دیکھے گا' چشمِ بصیرت وا کرے گا' حقائق کا مواجہہ کرے گا' حقیقت کو تسلیم کرے گا تو وہ خود اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو ان کی طرف سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لے گا' کسی تعصب' ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے حقیقت کو نہیں دیکھنا چاہے گا تو اس کا سارا وبال اُسی پر آئے گا۔

﴿وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۱۰۴﴾ ''اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔''

یہ بات پیغمبر ﷺ کی طرف سے ادا ہو رہی ہے کہ ہر کوئی اپنے اچھے برے اعمال کا خود ذمہ دار ہے' میری ذمہ داری تم تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے' میں تمہاری طرف سے جوابدہ نہیں ہوں۔

آیت ۱۰۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ﴾ ''اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو گردش دلاتے ہیں تاکہ یہ پکار اُٹھیں کہ (اے نبی ﷺ) آپ نے سمجھا دیا''

ہم اپنی آیات بار بار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں' اپنی دلیلیں مختلف اسالیب سے پیش کرتے ہیں تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور یہ تسلیم کریں کہ آپؐ نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ دَرَسَ' یَدْرُسُ کے معنی ہیں لکھنا اور لکھنے کے بعد مٹانا' پھر لکھنا' پھر مٹانا۔ جیسے بچے شروع میں جب لکھنا سیکھتے ہیں تو مشق کے لیے بار بار لکھتے

ہیں۔(اس مقصد کے لیے ہمارے ہاں تختی استعمال ہوتی تھی جواب متروک ہوگئی ہے۔) یہاں تدریجاً بار بار پڑھانے کے معنی میں یہ لفظ (دَرَسْتَ) استعمال ہوا ہے۔

﴿وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾﴾ ''اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو ہر طرح سے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (یا جو علم حاصل کرنا چاہتے ہیں)۔''

آیت ۱۰۶ ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ﴾ ''آپؐ پیروی کیے جائیں اُس کی جو وحی کیا جارہا ہے آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے۔''

اس سورۃ میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو بار بار مخاطب کیا جارہا ہے۔لیکن جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے یہ خطاب دراصل حضور ﷺ کی وساطت سے اُمت کے لیے بھی ہے۔مکّی سورتوں (دو تہائی قرآن) میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب بہت کم ملتا ہے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ مکّی دور میں مسلمان باقاعدہ ایک اُمت نہیں تھے۔اُمت کی تشکیل تو تحویل قبلہ کے بعد ہوئی۔اسی لیے تحویلِ قبلہ کے حکم کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (البقرۃ:۱۴۳) اب جبکہ مسلمانوں کو باقاعدہ امت کا درجہ دے دیا گیا تو پھر اُن سے خطاب بھی براہِ راست ہونے لگا۔چنانچہ سورۃ الحجرات جو ۱۸ آیات پر مشتمل مدنی سورۃ ہے' اس میں پانچ دفعہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب فرمایا گیا ہے۔لیکن دوسری طرف مکی سورتوں میں اہلِ ایمان سے جو بھی کہا گیا ہے وہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے واحد کے صیغے میں کہا گیا ہے۔چنانچہ آیت زیر نظر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ پیروی کرو اُس کی جو آپؐ پر وحی کیا جارہا ہے آپؐ کے رب کی طرف سے' تو یہ حکم صرف حضور ﷺ کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾﴾ ''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور ان مشرکوں سے کنارہ کشی کر لیجیے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے۔اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا ہے۔''

اگر اللہ کو اپنا جبر ہی نافذ کرنا ہوتا اور بالجبر ان سب کو ایمان پر لانا ہوتا تو اللہ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں تھا۔اس سلسلے میں آپ ﷺ پر ان کی ذمہ داری ڈالی ہی نہیں گئی۔آپؐ کو ان پر داروغہ یا نگران مقرر نہیں کیا گیا۔آپؐ کا کام ہے حق کو واضح کر دینا۔آپؐ اس قرآن کے ذریعے انہیں خبردار کرتے رہیے' اس کے ذریعے انہیں تذکیر کرتے رہیے' اس کے ذریعے انہیں خوشخبریاں دیتے رہیے۔آپؐ کی بس یہ ذمہ داری ہے: ﴿فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾﴾ (الغاشیہ) ''پس آپؐ انہیں یاددہانی کرائیے' اس لیے کہ آپؐ تو یاددہانی ہی کرانے والے ہیں۔آپؐ ان کے اوپر نگران نہیں ہیں۔''

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾﴾ ''اور نہ ہی آپؐ ان کے ضامن ہیں۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ﴾ ''اور مت گالیاں دو (یامت برا بھلا کہو) ان کو جنہیں یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا' تو وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے زیادتی کرتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے۔''

یعنی کہیں جوش میں آ کر ان کے بُتوں کو بُرا بھلامت کہو' کیونکہ وہ ان کو اپنے معبود سمجھتے ہیں' ان کے ذہنوں میں ان کی عظمت اور دلوں میں ان کی عقیدت ہے' اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غصے میں آ کر جواباً اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں۔ لہٰذا تم کبھی ایسا اشتعال آمیز انداز اختیار نہ کرنا۔ یہاں ایک دفعہ پھر نوٹ کیجیے کہ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے' لیکن انہیں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے مخاطب نہیں کیا گیا۔

﴿كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪﴾ ''اسی طرح ہم نے ہر قوم کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا ہے''

جس طرح ہر کوئی اپنے عقیدے میں خوش ہے اسی طرح یہ مشرکین بھی اپنے بُتوں کی عقیدت میں مگن ہیں۔ ظاہر بات ہے وہ اُن کو اپنے معبود سمجھتے ہیں تو اُن کے بارے میں اُن کے جذبات بھی بہت حساس ہیں۔ اس لیے آپؐ انہیں مناسب انداز سے سمجھائیں' انذار' تبشیر' تذکیر اور تبلیغ وغیرہ سب طریقے آزمائیں' لیکن ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔

﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸﴾ ''پھر اپنے ربّ ہی کی طرف ان سب کو لوٹنا ہے تو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۰۹ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ﴾ ''اور وہ اللہ کی قسمیں کھا رہے ہیں شد و مد کے ساتھ کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ لازماً ایمان لے آئیں گے۔''

پھر ان کے اسی مطالبے کا ذکر آ گیا کہ کس طرح وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر انہیں معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ لازماً ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ یہ مضمون اس سورۂ مبارکہ کا عمود ہے۔ اِن کا یہ مطالبہ تھا کہ جب آپ (ﷺ) نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟ اس سے پہلے تمام انبیاء معجزات دکھاتے رہے ہیں۔ آپ خود کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو معجزات دکھائے' حضرت عیسیٰؑ نے بھی معجزات دکھائے' حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو معجزہ دکھایا' تو پھر آپ معجزہ دکھا کر کیوں ہمیں مطمئن نہیں کرتے؟ اُن کے سردار اپنے عوام کو متاثر کرنے کے لیے بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ آپ (ﷺ) دکھایئے تو سہی ایک دفعہ معجزہ' اسے دیکھتے ہی ہم لازماً ایمان لے آئیں گے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے اختیار میں ہیں''

آپ ﷺ انہیں صاف طور پر بتائیں کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اس طرح کا کوئی معجزہ نہیں دکھانا چاہتا۔ ان کی اس طرح کی باتوں کا چونکہ مسلمانوں پر بھی اثر پڑنے کا امکان تھا اس لیے آگے فرمایا:

﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب وہ نشانی آ جائے گی تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

یہ لوگ ایمان تو معجزہ دیکھ کر بھی نہیں لائیں گے' لیکن معجزہ دیکھ لینے کے بعد ان کی مہلت ختم ہو جائے گی اور وہ فوری طور پر عذاب کی گرفت میں آ جائیں گے۔ اس لیے ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں معجزہ نہ دکھایا جائے۔ چنانچہ ان کی باتیں سُن سُن کر جو تنگی اور گھٹن تم لوگ اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہو اس کو برداشت کرو اور ان کے اس مطالبے کو نظر انداز کر دو۔ اب جو آیت آ رہی ہے وہ بہت ہی اہم ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو اُلٹ دیں گے جس طرح وہ ایمان نہیں لائے تھے پہلی مرتبہ''

اس قاعدے اور قانون کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو صلاحیتیں دی ہیں اگر وہ ان کو استعمال کرتا ہے تو ان میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو علم سکھائیں گے تو آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔ آپ آنکھ کا استعمال کریں گے تو آنکھ صحت مند رہے گی' اس کی بصارت برقرار رہے گی۔ اگر آنکھ پر پٹی باندھ دیں گے تو دو چار مہینے کے بعد بصارت زائل ہو جائے گی۔ انسانی جوڑوں کو حرکت کرنے کے لیے بنایا گیا ہے' اگر آپ کسی جوڑ پر پلاسٹر چڑھا دیں گے تو کچھ مہینوں کے بعد اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ جو صلاحیت اللہ نے انسان کو دی ہے اگر وہ اس کا استعمال نہیں کرے گا تو وہ صلاحیت تدریجاً زائل ہو جائے گی۔ اسی طرح حق کو پہچاننے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو باطنی طور پر صلاحیت ودیعت کی ہے۔ اب اگر ایک شخص پر حق منکشف ہوا ہے' اس کے اندر اسے پہچاننے کی صلاحیت موجود ہے' اس کے دل نے گواہی بھی دی ہے کہ یہ حق ہے' لیکن اگر کسی تعصب کی وجہ سے' کسی ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب اس نے اس حق کو دیکھنے' سمجھنے اور ماننے سے انکار کر دیا' تو اس کی وہ صلاحیت قدرے کم ہو جائے گی۔ اب اس کے بعد پھر دوبارہ کبھی حق کی کوئی چنگاری اس کے دل میں روشن ہوئی تو اس کا اثر اس پر پہلے سے کم ہوگا اور پھر تدریجاً وہ نوبت آ جائے گی کہ حق کو پہچاننے کی وہ باطنی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سورۃ البقرۃ آیت ۷ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰي سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓي اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر' اور ان کی آنکھوں کے آگے پردے ڈال دیے ہیں' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔ اس لیے کہ جب ضد اور تعصب کی بنا پر وہ لوگ سمجھتے بوجھتے حق کا مسلسل انکار کرتے رہے تو اُن کی حق کو پہچاننے کی صلاحیتیں سلب ہو گئیں۔ اب وہ اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ اس کو "point of no return" کہتے ہیں۔ ہر معاملے میں واپسی کا ایک وقت ہوتا ہے' لیکن وہ وقت گزر جانے کے بعد ایسا کرنا ممکن نہیں رہتا۔

یہی فلسفہ یہاں دوسرے انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جب پہلی مرتبہ ان لوگوں پر حق منکشف ہوا' اللہ نے حجت قائم کر دی' انہوں نے حق کو پہچان لیا' ان کے دلوں' ان کی روحوں اور باطنی بصیرت نے گواہی دے دی کہ

یہ حق ہے‘ اس کے بعد اگر وہ اس حق کو فوراً مان لیتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے نہیں مانا تو اللہ نے فرمایا کہ اس کی سزا کے طور پر ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیں گے‘ اب وہ سو معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿وَنَذَرُهُمۡ فِيۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی کے اندر بھٹکتے رہیں۔‘‘

یہی لفظ ’’یَعْمَھُوْنَ‘‘ ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵ میں پڑھ چکے ہیں‘ جبکہ وہاں آیت ۱۸ میں ’’عُمْیٌ‘‘ بھی آیا ہے۔ عَمِہَ یَعْمَہُ بصیرت سے محرومی یعنی باطنی اندھے پن کے لیے آتا ہے اور ’’عَمِیَ یَعْمٰی‘‘ بصارت سے محرومی یعنی آنکھوں سے اندھا ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا کہ ہم چھوڑ دیں گے اُن کو ان کی باطنی‘ ذہنی‘ نفسیاتی اور اخلاقی گمراہیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے۔

آیات ۱۱۱ تا ۱۲۱

الجزء الثامن (۸)

وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰى وَحَشَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ كُلَّ شَىۡءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوۡهُ فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصۡغٰۤى اِلَيۡهِ اَفۡـئِدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡتَغِىۡ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ اِلَيۡكُمُ الۡـكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡـكِتٰبَ يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَـقِّ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ بِاٰيٰتِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَـكُمۡ اَلَّا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَقَدۡ فَصَّلَ لَـكُمۡ مَّا حَرَّمَ عَلَيۡكُمۡ اِلَّا مَا اضۡطُرِرۡتُمۡ اِلَيۡهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا لَّيُضِلُّوۡنَ بِاَهۡوَآئِهِمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡسِبُوۡنَ الۡاِثۡمَ سَيُجۡزَوۡنَ بِمَا كَانُوۡا يَقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ / ۱۱

آیت ۱۱۱ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ﴾ ’’اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے‘‘

یعنی ہم ان کے مطالبے کے مطابق ایک فرشتہ تو کیا فرشتوں کی فوجیں اتار سکتے ہیں‘ ان فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دکھا سکتے ہیں‘ لیکن اگر ہم واقعتاً فرشتے اُتار بھی دیتے اور ان کو دکھا بھی دیتے......

﴿وَکَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا﴾ ’’اور مُردے بھی ان سے گفتگو کرتے اور ہم تمام چیزیں لا کر ان کے روبرو جمع کر دیتے‘‘

﴿مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ’’تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے‘‘

اگر اللہ چاہے اور اگر کسی کے اندر حق کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ معجزوں کے بغیر بھی ایسے لوگوں کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ جو لوگ بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے وہ معجزے دیکھ کر تو نہیں لائے تھے۔ وہ طالبانِ حق تھے لہٰذا انہیں حق مل گیا۔

﴿وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’لیکن ان کی اکثریت جاہلوں پر مشتمل ہے۔‘‘

یہاں جاہل سے مراد جذباتی لوگ ہیں‘ جو عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے جذبات کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اگلی آیت فلسفۂ دعوت و تحریک کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ’’اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنا دیے انسانوں اور جنّوں میں سے شیاطین‘‘

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے‘ انبیاء کو تو مدد کی ضرورت تھی‘ اللہ نے شیاطین کو ان کے خلاف کیوں کھڑا کر دیا؟ بہر حال یہ اللہ کا قانون ہے جو راہِ حق کے ہر مسافر کو معلوم ہونا چاہیے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ حق و باطل میں اس نوعیت کی کشاکش نہیں ہوگی تو پھر کھرے اور کھوٹے کی پہچان بھی نہیں ہو سکے گی۔ کیسے معلوم ہوگا کہ کون واقعی حق پرست ہے اور کون جھوٹا دعویدار۔ کون اللہ سے سچی محبت کرتا ہے اور کون دودھ پینے والا مجنوں ہے۔ یہ دنیا تو آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہاں اگر شر کا وجود ہی نہ ہو‘ ہر جگہ خیر ہی خیر ہو تو خیر کے طلبگاروں کی آزمائش کیسے ہوگی؟ لہٰذا فرمایا کہ یہ کشمکش کی فضا ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ ہم خود حق پر چلنے والوں کو تلاطم خیز موجوں کے سپرد کر کے ان کی استقامت کو پرکھتے ہیں اور پھر ثابت قدم رہنے والوں کو نوازتے ہیں۔ اس میدان میں جو جتنا آزمایا جاتا ہے‘ جو جتنی استقامت دکھاتا ہے‘ جو جتنا ایثار کرتا ہے‘ اتنا ہی اُس کا مرتبہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ راہِ حق کے مسافروں کو مطمئن رہنا چاہیے: ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے!

﴿یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط﴾ ’’وہ ایک دوسرے کو اشاروں کنایوں میں پُر فریب باتیں پہنچاتے رہتے ہیں گمراہ کرنے کے لیے۔‘‘

مثلاً ایک جن شیطان آ کر اپنے ساتھی انسان شیطان کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ شاباش اپنے موقف پر ڈٹے رہو'اسی کا نام استقامت ہے۔ دیکھو کہیں پھسل نہ جانا اور اپنے مخالف کے موقف کو قبول نہ کر لینا۔ ان کا آپس میں اس طرح کا گٹھ جوڑ چلتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو یہ چھوٹ دے رکھی ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر آپ کا ربّ چاہتا تو وہ یہ نہ کر سکتے''

ظاہر بات ہے کہ اس کائنات میں کوئی پتا بھی اللہ کے اِذن کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ ابوجہل کی کیا مجال تھی کہ حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کرتا۔ وہ برچھا اٹھاتا تو اُس کا ہاتھ شل ہو جاتا۔ لیکن یہ تو اللہ کی طرف سے چھوٹ تھی کہ ٹھیک ہے' تم ہماری اس بندی کو جتنا آزمانا چاہتے ہو آزما لو۔ ان آزمائشوں سے ہمارے ہاں اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے پر انعامات کا ذکر ہوا ہے: ﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝﴾ ''اُس نے کہا کاش کہ میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ کس طرح میرے ربّ نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں سے بنا دیا''۔ اِدھر تو میری شہادت کے بعد صفِ ماتم بچھی ہو گی' بیوی شوہر کی جدائی میں نڈھال ہو گی' بچے رو رو کر ہلکان ہو رہے ہوں گے' لیکن کاش وہ جان سکتے کہ مجھے میرے ربّ نے کس کس طرح سے نوازا ہے' کیسے کیسے انعامات یہاں مجھ پر کیے گئے ہیں اور میں یہاں کس عیش و آرام میں ہوں! اگر انہیں میرے اس اعزاز و اکرام کی کچھ بھی خبر ہو جاتی تو رونے دھونے کی بجائے وہ خوشیاں منا رہے ہوتے۔

﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝﴾ ''تو چھوڑیے آپؐ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو۔''

یہ ہماری سُنّت ہے' ہمارا طریقہ ہے' ہم نے خود ان کو یہ سب کچھ کرنے کی ڈھیل دے رکھی ہے' لہٰذا آپؐ ان سے اعراض فرمائیے اور ان کو ان کی افترا پردازیوں میں پڑے رہنے دیجیے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور (ایسا اس لیے ہے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے''

﴿وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝﴾ ''اور تاکہ وہ اس کو پسند بھی کریں اور پھر وہ اپنے برے اعمال کا جو بھی انبار جمع کرنا چاہتے ہیں جمع کر لیں۔''

اس فلسفے کو ایک مثال سے سمجھئے۔ پانی کا electrolysis کریں تو negative اور positive چارج والے آئنز (ions) الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حق و باطل کی جو کشاکش رکھی ہے' اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کھرے اور کھوٹے کی ionization ہو جاتی ہے۔ اہلِ حق نکھر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطل دوسری طرف۔ اس طرح انسانی معاشرے میں اچھے اور برے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ ہم سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۷۹) میں پڑھ چکے ہیں: ﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ ''تاکہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے''۔ معاشرے کے اندر عام طور پر پاک اور ناپاک عناصر گڈمڈ ہوئے ہوتے ہیں' لیکن جب آزمائشیں اور تکلیفیں آتی ہیں' امتحانات آتے ہیں تو یہ خبیث اور طیب عناصر واضح طور پر الگ الگ ہو

جاتے ہیں' منافق علیحدہ اور اہلِ ایمان علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ آیت زیر نظر میں یہی فلسفہ بیان ہوا ہے کہ شیاطینِ انس وجن کو کھل کھیلنے کی مہلت اسی حکمت کے تحت فراہم کی جاتی ہے اور منکرینِ آخرت کو بھی پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اُن شیاطین کی طرف سے پھیلائے ہوئے بے سروپا نظریات کی طرف مائل ہونا چاہیں تو بے شک ہو جائیں۔

آیت ۱۱۴ ﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حَکم ڈھونڈوں؟''

اب پھر یہ متجسسانہ سوال (searching question) اسی پس منظر میں کیا گیا ہے کہ مشرکینِ مکہ اللہ کو مانتے تھے۔ چنانچہ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ اللہ جس کو تم مانتے ہو' میں نے بھی اُسی کو اپنا رب مانا ہے۔ تو کیا اب تم چاہتے ہو کہ میں اس معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حَکم تسلیم کر لوں' اور وہ بھی ان میں سے جن کو تم لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے' جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند یا دلیل نازل نہیں کی ہے۔ سورۃ الزخرف میں اسی نکتہ کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''آپؐ کہیے کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے اس کو میں پوجتا''۔ یعنی جب میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں تو اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو کیا میں اس کی پرستش نہ کرتا؟ چنانچہ میں جو اللہ کو اپنا معبود سمجھتا ہوں اور کسی کو اس کا بیٹا نہیں مانتا تو جان لیں کہ اس کا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔ سمجھانے کا یہ انداز جو قرآن میں اختیار کیا گیا ہے بڑا فطری ہے۔ اس میں منطق کے بجائے جذبات سے براہِ راست اپیل ہے۔ دروں بینی (introspection) کی طرف دعوت ہے کہ اپنے دل میں جھانکو' گریبان میں منہ ڈالو اور سوچو' حقیقت تمہیں خود ہی نظر آ جائے گی۔

﴿وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف ایک بڑی مفصّل کتاب نازل کی ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔''

اہلِ کتاب زبان سے اقرار کریں نہ کریں' اپنے دلوں میں ضرور یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ﴾ ''اور آپؐ کے رب کی بات تو سچائی اور عدل پر مبنی ہونے کے اعتبار سے درجۂ کمال تک پہنچ چکی ہے۔''

آپ کے ربّ کی بات اُس کی مشیت کے مطابق مکمل ہو چکی ہے' جیسے سورۃ المائدۃ آیت ۳ میں فرمایا:
﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں' اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۱٦ ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر تم پیروی کرو گے زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے لازماً گمراہ کر دیں گے۔''

جدید جمہوری نظام کے فلسفے کی نفی کے لیے یہ بڑی اہم آیت ہے۔ جمہوریت میں اصابتِ رائے کے بجائے تعداد کو دیکھا جاتا ہے۔ بقولِ اقبالؔ: ؎

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے!

اس حوالے سے قرآن کا یہ حکم بہت واضح ہے کہ اگر زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ دنیا میں اکثریت تو ہمیشہ باطل پرستوں کی رہی ہے۔ دورِ صحابہؓ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دنیا کی پوری آبادی کے تناظر میں دیکھیں تو لاکھ کے مقابلے میں ایک کی نسبت بھی نہیں بنتی۔ اس لیے اکثریت کو کُلّی اختیار دے کر کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ایک صورت میں اکثریت کی رائے کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو قطعی اصولوں اور land makrs کے طور پر مان لیا جائے تو پھر اُن کی واضح کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے مباحات کے بارے میں اکثریت کی بنا پر فیصلے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کسی دعوت کے ضمن میں اگر یہ فیصلہ کرنا مقصود ہو کہ مہمانوں کو کون سا مشروب پیش کیا جائے تو ظاہر ہے کہ شراب کے بارے میں تو رائے شماری نہیں ہو سکتی' وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق حرام ہے۔ ہاں روح افزا' کوکا کولا' سپرائٹ وغیرہ کے بارے میں آپ اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اختیارِ مطلق (absolute authority) اور اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) اکثریت کے پاس ہو تو اس صورتِ حال پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کُلّی اختیار اور اقتدارِ اعلیٰ تو بہر حال اللہ کے پاس رہے گا' جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ اکثریت کی رائے پر فیصلے صرف اُس کے احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی کیے جا سکتے ہیں۔

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱٦﴾﴾ ''یہ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن وتخمین کی اور یہ نہیں کچھ کر رہے سوائے اس کے کہ انہوں نے کچھ اندازے مقرر کر رکھے ہیں۔''

یعنی یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر تکّے چلاتے ہیں' قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

آیت ۱۱۷ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''یقیناً آپؐ کا ربّ خوب جانتا ہے ان کو جو اس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں' اور وہ خوب واقف ہے ان سے بھی جو ہدایت کی راہ پر ہیں۔''

آیت ۱۱۸ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''پس کھاؤ ان چیزوں میں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم اُس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔''

یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی حِلّت وحُرمت کے بارے میں مشرکینِ عرب کے جاہلانہ نظریات اور توہّمات کا رد کیا گیا ہے۔

آیت ۱۱۹ ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہے کہ تم نہیں کھاتے وہ چیزیں جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو''

یہ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ (بحوالہ المائدۃ:۱۰۳) کے بارے میں تمہارے تمام عقیدے مَن گھڑت ہیں۔ اللہ نے ایسی کوئی پابندیاں اپنے بندوں پر نہیں لگائیں۔ لہٰذا حلال جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا کرو اور بلا کراہت ان کا گوشت کھایا کرو۔

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ''جب کہ اللہ تفصیل بیان کر چکا ہے تمہارے لیے ان چیزوں کی جو حرام کی گئی ہیں تم پر''

یہ تفصیل سورۃ النحل کے اندر آئی ہے۔ سورۃ النحل چونکہ سورۃ الانعام سے پہلے نازل ہوئی ہے اس لیے یہاں فرمایا گیا کہ حلال چیزوں کی تفصیل تمہارے لیے پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے۔

﴿اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ﴾ ''سوائے اس چیز کے کہ تم مجبور ہو جاؤ اس (کے کھانے) کے لیے۔''

اس میں بھی تمہارے لیے گنجائش ہے کہ اگر اضطرار ہے' جان پر بنی ہوئی ہے' بھوک سے جان نکل رہی ہے تو ان حرام چیزوں میں سے بھی کچھ کھا کر جان بچائی جا سکتی ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اپنی خواہشات کی بنا پر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ یقیناً آپؐ کا ربّ خوب جانتا ہے ان حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔''

آیت ۱۲۰ ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ﴾ ''اور چھوڑ دو (ہر طرح کے) گناہ کو' وہ کھلا ہو یا چھپا ہوا۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''یقیناً جو لوگ گناہ کماتے ہیں انہیں جلد ہی بدلہ ملے گا اس کا جو وہ جمع کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۲۱ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ﴾ ''اور مت کھاؤ اُس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اور یقیناً یہ (اس کا کھانا) گناہ ہے۔''

اس آیت کا تعلق بھی مشرکینِ عرب کے خود ساختہ اعتقادات اور توہمات سے ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بعض جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام سرے سے لینا ہی نہیں چاہیے۔ یہ حکم ایک خاص مسئلے کے حوالے سے ہے' جس کی وضاحت آگے آیت ۱۳۸ میں آئے گی۔

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''اور یقیناً یہ شیاطین اپنے ساتھیوں کو وحی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں' اور اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔''

مشرکینِ مکہ اپنے غلط اعتقادات کی حمایت میں طرح طرح کی حجت بازی کرتے رہتے تھے' مثلاً یہ کیا بات

ہوئی کہ جو جانور اللہ نے مارا ہے یعنی از خود مر گیا ہے وہ تو حرام قرار دے دیا جائے اور جس کو تم خود مارتے ہو یعنی ذبح کرتے ہو اس کو حلال مانا جائے؟ اسی طرح وہ سود کے بارے میں بھی دلیل دیتے تھے کہ ﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ''کہ یہ بیع بھی تو ربا (سود) ہی کی طرح ہے''۔ جیسے تجارت میں نفع ہوتا ہے ایسے ہی سودی لین دین میں بھی نفع ہوتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ دس لاکھ کسی کو قرض دیئے اس سے چار ہزار روپے ماہانہ منافع لے لیا تو وہ ناجائز اور دس لاکھ کا مکان کسی کو کرائے پر دے کر چار ہزار روپے ماہانہ اس سے کرایہ لیا جائے تو وہ جائز! اس طرح کے اشکالات بظاہر بڑے دلنشین ہوتے ہیں' جن کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اس طرح کی باتیں ان کے شیاطین انہیں سکھاتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے مجادلہ کریں' تا کہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گمراہی کے راستے پر لے چلیں۔ لہٰذا تم ان کی اس طرح کی باتوں کو نظر انداز کرتے رہا کرو۔

آیات ۱۲۲ تا ۱۴۰

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِيْۤ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖق لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

آیت ۱۲۲ ﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ ''بھلا جو کوئی تھا مُردہ' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا''

اس سے معنوی حیات و ممات مراد ہے' یعنی ایک شخص جو اللہ سے واقف نہیں تھا' صرف دُنیا کا بندہ بنا ہوا تھا' اس کی انسانیت درحقیقت مردہ تھی' وہ حیوان کی حیثیت سے تو زندہ تھا لیکن بحیثیت انسان وہ مُردہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کی ہدایت دی تو اب گویا وہ زندہ ہو گیا۔

﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے روشنی کر دی' اب اس کے ساتھ وہ چل رہا ہے لوگوں کے مابین' کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو جائے گا جو اندھیروں میں (بھٹک رہا) ہو اور اس سے وہ نکلنے والا بھی نہ ہو۔''

﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''اسی طرح مزین کر دیا گیا ہے ان کافروں کے لیے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

مثال کے طور پر ایک وہ شخص تھا جسے پہلے ہوش نہیں تھا' کبھی اس نے نظریاتی معاملات کی پیچیدگیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کی تھی' لیکن پھر اس کو اللہ نے ہدایت دے دی' نورِ قرآن سے اس کے سینے کو منور کر دیا' اب وہ اس نور میں آگے بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق کی طرف متوجہ ہونے میں چھ سال لگ گئے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی چھ سال بعد ایمان لائے۔ لیکن اب انہوں نے قرآن کو مشعلِ راہ بنایا اور اللہ کے راستے میں سرفروشی کی مثالیں پیش کیں۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی تھے جو ساری عمر انہی اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہے اور اسی حالت میں انہیں موت آئی۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟

آیت ۱۲۳ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم کھڑے کیے تاکہ وہ اس میں خوب سازشیں کریں۔''

یہ وہی فلسفہ ہے جو قبل ازیں آیت ۱۱۲ میں بیان ہوا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ شیاطینِ انس وجن کو ہم خود ہی انبیاء کی دشمنی کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ یہاں پر اس سے ملتی جلتی بات کہی گئی کہ ہم ہر بستی کے اندر وہاں کے سرداروں اور بڑے بڑے چودھریوں کو ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ حق کے مقابلے میں کھڑے ہوں، لوگوں کو سیدھے راستے سے روکیں، اپنی چالبازیوں اور مکاریوں سے حق پرستوں کو آزمائش میں ڈالیں تاکہ اس عمل سے صاحبِ صلاحیت لوگوں کی صلاحیتیں مزید اُجاگر ہوں، ان کے جوہر کھلیں اور ان کی غیرت ایمانی کو جلا ملے۔

﴿وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ''حالانکہ وہ مکر نہیں کرتے مگر اپنی جانوں کے ساتھ، لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

انہیں یہ شعور ہی نہیں کہ ان کی چالبازیوں کا سارا وبال تو بالآخر خود انہی پر پڑے گا۔ جیسے حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ابوجہل نے جو کچھ کیا تھا اس کا وبال جب اس کے سامنے آئے گا تب اُس کی آنکھ کھلے گی اور اُس وقت تو یہ عالم ہوگا کہ ؏ ''جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!''

آیت ۱۲۴ ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ ''اور جب ان کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی وہی چیز نہ دے دی جائے جو اللہ کے (دوسرے) رسولوں کو دی گئی تھی۔''

آیاتِ قرآنیہ مختلف انداز سے ان کے سامنے حقائق ورموز پیش کرتی ہیں مگر ان دلائل اور براہین کا تجزیہ کرنے اور انہیں مان لینے کے بجائے یہ لوگ پھر وہی بات دہراتے ہیں کہ جیسے پہلے انبیاء کی قوموں کو معجزے دکھائے گئے تھے ہمیں بھی ویسے ہی معجزات دکھائے جائیں تو تب ہم ایمان لائیں گے۔ اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جیسے مناسب سمجھا ہر قوم اور امت کے ساتھ معاملہ فرمایا۔ پرانی امتوں کو حسی معجزے دکھائے گئے تھے، اس لیے کہ وہ نوعِ انسانیت کا دورِ طفولیت تھا۔ جب تک انسانیت کا مجموعی فہم و شعور حدِ بلوغت کو نہیں پہنچا تھا تب تک حسی معجزات کا ظہور ہی مناسب تھا۔ جیسے بچے کو بہلانے کے لیے کھلونے دیے جاتے ہیں، لیکن شعور کی عمر کو پہنچ کر اس کے لیے عقل اور حکمت کی تعلیم ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب جبکہ بنی نوعِ انسان بحیثیت مجموعی سنجیدگی اور شعور کی عمر کو پہنچ چکی ہے، اس کو حسی اور وقتی معجزوں کے بجائے ایک ایسا معجزہ دیا جا رہا ہے جو دائمی بھی ہے اور علم وحکمت کا منبع وشاہکار بھی۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے

اور کس طرح لے!''

﴿سَیُصِیۡبُ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَمۡکُرُوۡنَ﴿۱۲۴﴾﴾

''عنقریب پہنچے گی ان مجرموں (گنہگاروں) کو بہت ہی ذلّت اللہ کے ہاں سے اور سخت عذاب ان کی چال بازیوں کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۲۵ ﴿فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ﴾ ''تو اللہ جس کسی کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

یہ ایک غور طلب معنوی حقیقت ہے۔ ''شرح صدر'' اللہ کی وہ نعمت اور خاص عنایت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانشراح کی پہلی آیت میں حضور ﷺ کے لیے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا ہے: ﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾﴾۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس شرح صدر کے لیے دعا کرنی چاہیے: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا نَوِّرۡ قُلُوۡبَنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَاشۡرَحۡ صُدُوۡرَنَا لِلۡاِسۡلَامِ ''اے اللہ! اے ہمارے ربّ! تو ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منوّر فرما دے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی باطنی بصیرت مانگنی چاہیے جس کی وجہ سے اسلام کی ہر چیز ہمیں ٹھیک نظر آئے۔ اور جب ایک بندۂ مومن میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر قدم اور ہر موڑ پر اس کو اپنے اندر سے ایک آواز سنائی دیتی ہے جو اس کے ہر عمل پر اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ انسان کی ایسی اندرونی کیفیت ہے جس میں اس کی فطرتِ سلیمہ اور نیکی کے جذبے کی آپس میں خوشگوار مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اسے دین کے کسی حکم سے کسی قسم کی کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ بقولِ غالبؔ: ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

﴿وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ﴾ ''اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو بالکل تنگ کر دیتا ہے' گھٹا ہوا (وہ ایسے محسوس کرتا ہے) گویا اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔''

جیسے اونچائی پر چڑھتے ہوئے انسان کی سانس پھول جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دل شاید دھڑک دھڑک کر باہر ہی نکل آئے گا' ایسے ہی اگر اللہ کی طرف سے انسان کو ہدایت کی توفیق عطا نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے راہِ حق پر چلنا دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔ ذرا سی کہیں آزمائش آ جائے تو گویا اس کے لیے قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور ایک ایک قدم اٹھانا اس کے لیے دوبھر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ شخص جس کو اللہ نے شرح صدر کی نعمت سے نوازا ہے اس کے لیے نہ صرف حق کو قبول کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس راہ کی ہر تکلیف اور ہر مشکل کو وہ شوق اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

﴿کَذٰلِکَ یَجۡعَلُ اللّٰہُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۱۲۵﴾﴾ ''اس طرح اللہ ناپاکی مسلّط کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴾ ''اور یہ ہے تیرے رب کا سیدھا راستہ۔ ہم نے اپنی آیات خوب تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔''

آیت ۱۲۷ ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''ان کے لیے سلامتی والا گھر ہے ان کے رب کے پاس اور وہی ان کا مددگار (دوست) ہے' بسبب ان کے (نیک) اعمال کے۔''

''دارالسّلام'' جنّت کا دوسرا نام ہے۔ انہوں نے اپنی محنتوں' قربانیوں' مشقتوں اور اپنے ایثار کے سبب اللہ کی دوستی کمائی ہے اور ہمیشہ کے لیے دارالسلام کے مستحق ٹھہرے ہیں۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ﴾ ''اور جس دن وہ جمع کرے گا اُن سب کو (اور فرمائے گا) اے جِنّوں کی جماعت! واقعتاً تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو ہتھیا لیا۔''

وہ جو تمہارے بڑے جن عزازیل نے کہا تھا: ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ (الاعراف) ''اور تو ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا''۔ تو واقعی بہت سے انسانوں کو تم نے ہتھیا لیا ہے۔ یہ گویا ایک طرح کی شاباش ہو گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو دی جائے گی۔

﴿وَقَالَ اَوْلِيٰۗـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ ''اور انسانوں میں سے جو ان کے ساتھی ہوں گے وہ کہیں گے''

اس پر جِنّوں کے ساتھی انسانوں کی غیرت ذرا جاگے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ جِنّات نے ہمیں ہتھیا لیا ہے' شکار کر لیا ہے۔ اس پر وہ بول اٹھیں گے:

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے''

ہم ان سے اپنے کام نکلواتے رہے اور یہ ہم سے مفادات حاصل کرتے رہے۔ ہم نے جنّات کو اپنا مؤکّل بنایا' ان کے ذریعے سے غیب کی خبریں حاصل کیں اور کہانت کی دکانیں چمکائیں۔

﴿وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ﴾ ''اور اب ہم اپنی اس مدّت کو پہنچ چکے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دی تھی۔''

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ﴾ ''اللہ فرمائے گا اب آگ ہے تمہارا ٹھکانہ' تم اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ ''یقیناً آپ کا ربّ حکیم اور علیم ہے۔''

آیت ۱۲۹ ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''اور اسی طرح ہم

ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیتے ہیں اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے۔''

آیت ۱۳۰ ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ﴾ ''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس نہیں آگئے تھے رسول تم ہی میں سے' جو سناتے تھے تمہیں میری آیات''

اب چونکہ یہ بات جنّ و انس دونوں کو جمع کر کے کہی جا رہی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو انسانوں میں سے رسول ہیں وہی جنّات کے لیے بھی رسول ہیں۔

﴿وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ۭ قَالُوْا شَھِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا﴾ ''اور تمہیں خبردار کرتے تھے تمہارے اس دن کی ملاقات سے۔ وہ کہیں گے کہ ہم گواہ ہیں اپنی جانوں پر''

یہاں پر علٰی کے معنی مخالف گواہی کے ہیں۔ یعنی ہم اپنی جانوں کے خلاف خود گواہ ہیں۔

﴿وَغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَشَھِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ۝۱۳۰﴾ ''اور انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا دُنیوی زندگی نے' اور وہ خود گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ یقیناً کفر کی روش پر چلتے رہے۔''

قرآن مجید میں میدانِ حشر کے جو مکالمات آئے ہیں وہ مختلف آیات میں مختلف قسم کے ہیں۔ مثلاً یہاں تو بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کفر کرتے رہے ہیں۔ مگر اسی سورۃ میں پیچھے ہم نے پڑھا ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ۝۲۳﴾ ''اُس وقت اُن کی کوئی چال نہیں چل سکے گی سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم تو مشرک نہیں تھے''۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ حشر میں بہت سے مراحل ہوں گے اور بے شمار گروہ مواخذے کے لیے پیش ہوں گے۔ یہ مختلف مراحل میں' مختلف مواقع پر' مختلف جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ ہونے والے مختلف مکالمات نقل ہوئے ہیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ ۝۱۳۱﴾ ''یہ اس لیے کہ آپ کے ربّ کی یہ سنت نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو برباد کر دے ظلم کے ساتھ جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور انہوں نے اپنی قوموں میں رہ کر انذار' تذکیر اور تبشیر کا فرض ادا کر دیا۔ پھر بھی اگر اُس قوم نے قبولِ حق سے انکار کیا تو تب ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اچانک کسی بستی یا قوم پر عذاب ٹوٹ پڑا ہو' بلکہ اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ قاعدہ' کلیہ اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵﴾ یعنی وہ عذابِ استیصال جس سے کسی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر کے نسیاً منسیا کر دیا جاتا ہے' وہ کسی رسول کی بعثت کے بغیر نہیں بھیجا جاتا' بلکہ رسول آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا بالکل مبرہن کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہتے ہیں اُن کو پھر تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ’’اور ہر ایک کے لیے درجات ہیں اُن کے عمل کے اعتبار سے۔‘‘
ظاہر بات ہے کہ سب نیکوکار بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی سب بدکار ایک جیسے ہو سکتے ہیں‘ بلکہ اعمال کے لحاظ سے مختلف افراد کے مختلف مقامات اور مراتب ہوتے ہیں۔
﴿وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ﴾ ’’اور آپ کا رب بے خبر نہیں ہے اُس سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۱۳۳ ﴿وَرَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَۃِ﴾ ’’اور آپ کا رب تو غنی ہے‘ رحمت والا ہے۔‘‘
اُسے کسی کو عذاب دے کر کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کسی کی بندگی اور اطاعت سے اُس کا کوئی رُکا ہوا کام چل نہیں پڑتا۔ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہے۔
﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِکُمْ مَّا یَشَآءُ﴾ ’’اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے لے آئے‘‘
وہ اس پر قادر ہے کہ ایک نئی مخلوق کو تمہارا جانشین بنا دے‘ کوئی نئی species لے آئے۔ اللہ کا اختیار مطلق ہے‘ وہ چاہے تو ایک نئی نسلِ آدم پیدا کر دے۔
﴿کَمَآ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ ذُرِّیَّۃِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ﴾ ’’جس طرح اُس نے تمہیں اٹھایا ہے کسی اور قوم کی نسل میں سے۔‘‘
جیسے قومِ عاد عرب کی بڑی زبردست اور طاقتور قوم تھی‘ لیکن جب اس کو تباہ برباد کر دیا گیا تو ان ہی میں سے کچھ اہلِ ایمان لوگ جو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھی تھے وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے اور اُن کے ذریعے سے بعد میں قومِ ثمود وجود میں آئی۔ پھر قومِ ثمود کو بھی ہلاک کر دیا گیا اور اُن میں سے بچ رہنے والے اہلِ ایمان سے آگے نسل چلی اور مختلف علاقوں میں مختلف قومیں آباد ہوئیں۔ چنانچہ جیسے تمہیں ہم نے اٹھایا ہے کسی دوسری قوم کی نسل سے‘ اسی طریقے سے ہم تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئیں گے۔

آیت ۱۳۴ ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ ’’یقیناً جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (یا دھمکی دی جا رہی ہے) وہ آ کر رہے گی‘ اور تم عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔‘‘
تم اپنی سازشوں سے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے‘ اُس کے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ اللہ کے تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ﴾ ’’کہہ دیجیے اے میری قوم کے لوگو! کر لو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر‘ میں بھی کر رہا ہوں (جو مجھے کرنا ہے)۔‘‘
یہ گویا چیلنج کرنے کا سا انداز ہے کہ مجھے تم لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں۔ تم نے اس دعوت کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے‘ ہر ہر طرح سے مجھے ستایا ہے‘ تین سال تک شعبِ بنی ہاشم میں محصور رکھا ہے‘ میرے ساتھیوں پر تم لوگوں نے تشدد کا ہر ممکن حربہ آزمایا ہے۔ غرض تم میرے خلاف جو کچھ کر سکتے تھے

کرتے رہے ہو‘ ابھی مزید بھی جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو‘ جو میرا فرضِ منصبی ہے وہ میں ادا کر رہا ہوں۔

﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۵﴾ ’’تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے لیے ہے عاقبت کا گھر۔ یقیناً ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔‘‘

عاقبت کی دائمی کامیابی کس کے لیے ہے؟ کس کے لیے وہاں جنت ہے‘ روح و ریحان ہے اور کس کے لیے دوزخ کا عذاب ہے؟ یہ عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔

آیت ۱۳۶ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کے لیے رکھا ہے خود اُسی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ‘‘

ایک بڑے خدا کو مان کر چھوٹے خداؤں کو اس کی الوہیت میں شریک کر دینا ہی دراصل شرک ہے۔ اس میں بڑے خدا کا انکار نہیں ہوتا۔ جیسے ہندوؤں میں ’’مہا دیو‘‘ تو ایک ہی ہے جب کہ چھوٹی سطح پر دیوی دیوتا بے شمار ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں بھی بڑے G سے لکھے جانے والا God ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ وہ Omnipotent ہے‘ Omniscient ہے‘ Omnipresent ہے‘ وہ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ہے‘ وہ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ہے‘ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ اس کی صفات ہیں‘ یہ اس کے Attributes ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تو G بڑا (capital) ہی آئے گا‘ لیکن چھوٹے g سے لکھے جانے والے gods اور goddesses بے شمار ہیں۔ اسی طرح اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تو ایک ہی ہے‘ کائنات کا خالق بھی وہی ہے‘ لیکن یہ جو دیویاں اور دیوتا ہیں‘ ان کا بھی اس کی خدائی میں کچھ دخل اور اختیار ہے‘ یہ اللہ کے ہاں سفارش کرتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے کچھ حصہ ان کو بھی سونپ رکھا ہے‘ لہٰذا اگر ان کی کوئی ڈنڈوت کی جائے‘ نذرانے دیے جائیں‘ انہیں خوش کیا جائے‘ تو اس سے دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں۔

اہلِ عرب کے معروف ذرائع معاش دو ہی تھے۔ وہ بکریاں پالتے تھے یا کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اپنے عقیدے کے مطابق ان کا طریقہ یہ تھا کہ مویشیوں اور فصل میں سے وہ اللہ کے نام کا ایک حصہ نکال کر صدقہ کرتے تھے جب کہ ایک حصہ الگ نکال کر بتوں کے نام پر دیتے تھے۔ یہاں تک تو وہ اپنے تئیں انصاف سے کام لیتے تھے کہ کھیتیوں کی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے اللہ کے لیے بھی حصہ نکال لیا اور اپنے چھوٹے خداؤں کے لیے بھی۔ اب اس کے بعد کیا تماشا ہوتا تھا وہ آگے دیکھئے:

﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ﴾ ’’پھر کہتے ہیں اپنے خیال سے کہ یہ تو ہے اللہ کے لیے اور یہ ہے ہمارے شریکوں کے لیے۔ تو جو حصّہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے۔‘‘

اب اگر کہیں کسی وقت کوئی دقت آ گئی‘ کوئی ضرورت پڑ گئی تو اللہ کے حصے میں سے کچھ نکال کر کام چلا لیتے تھے مگر اپنے بتوں کے حصے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ گویا بت تو ہر وقت ان کے سروں پر کھڑے ہوتے تھے۔ وہ

سمجھتے تھے کہ اگر یہ بت ناراض ہو گئے تو فوراً ان کی شامت آ جائے گی‘ لیکن اللہ تو (معاذ اللہ) ذرا دور تھا‘ اس لیے اس کے حصے کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔ ان کی اس سوچ کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں دیہات میں ایک عام دیہاتی پٹواری کو ڈی سی کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ پٹواری سے اسے براہِ راست سابقہ پڑتا ہے‘ جب کہ ڈی سی کی حیثیت کا اُسے کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ تھی وہ صورتِ حال جس میں ان کے شریکوں کے لیے مختص کیا گیا حصہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا‘ جب کہ اللہ کا حصہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا تھا۔

﴿سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ ’’کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۳۷ ﴿وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِھِمْ شُرَکَآؤُھُمْ﴾ ’’اور اسی طرح مزین کر دیا ہے بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اپنی اولاد کو قتل کرنا‘‘

اس میں اشارہ ہے مشرکین کے اُن اعتقادات کی طرف جن کے تحت وہ اپنے بچوں کو جنوں یا مختلف بتوں کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ آج بھی ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کسی نے اپنے بچے کو دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

﴿لِیُرْدُوْھُمْ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْھِمْ دِیْنَھُمْ﴾ ’’تا کہ وہ انہیں برباد کریں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔‘‘

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ﴾ ’’اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتے‘ تو چھوڑ دیجیے ان کو بھی اور اس کو بھی جو یہ افترا پردازی کر رہے ہیں۔‘‘

دین کو مشتبہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے عقائد اور ایسی چیزیں بھی دین میں شامل کر دی جائیں جن کا دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قتلِ اولاد بھی اس کی مثال ہے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ وہ دین اور مذہب کے نام پر ہی کرتے تھے۔ فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُھَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِھِمْ﴾ ’’اور کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیتی ممنوع ہیں‘ ان کو نہیں کھا سکتے مگر وہی جن کے بارے میں ہم چاہیں‘ اپنے گمان کے مطابق‘‘

یعنی یہ ساری خود ساختہ پابندیاں وہ بزعمِ خویش درست سمجھتے تھے۔

﴿وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُھُوْرُھَا وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْکُرُوْنَ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا افْتِرَآءً عَلَیْہِ﴾ ’’اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پیٹھیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں‘ اور کچھ چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے‘ یہ سب کچھ جھوٹ گھڑتے ہیں اُس پر۔‘‘

یعنی اپنے مشرکانہ توہمات کے تحت بعض جانوروں کو سواری اور بار برداری کے لیے ممنوع قرار دیتے تھے اور کچھ حیوانات کے بارے میں طے کر لیتے تھے کہ ان کو جب ذبح کرنا ہے تو اللہ کا نام ہرگز نہیں لینا۔ لہٰذا اس

سے پہلے آیت ۱۲۱ میں جو حکم آیا تھا کہ مت کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ دراصل ان کے اس عقیدے اور رسم کے بارے میں تھا' وہ عام حکم نہیں تھا۔

﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۸﴾ ''اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کے اس افترا کی۔''

یہ جھوٹی چیزیں جو انہوں نے اللہ کے بارے میں گھڑ لی ہیں' اللہ ضرور انہیں اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

آیت ۱۳۹ ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خاص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے۔''

یعنی کسی حاملہ مادہ جانور (اونٹنی یا بکری وغیرہ) کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا گوشت صرف مَردوں کے لیے ہوگا' عورتوں کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۳۹﴾ ''اور اگر وہ مُردہ ہو تو پھر وہ سب اس میں حصہ دار ہوں گے۔ اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کی ان باتوں کی جو انہوں نے گھڑ لی ہیں' وہ یقیناً حکیم اور علیم ہے۔''

ان ساری رسموں اور خود ساختہ عقائد کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ہماری شریعت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آ رہی ہے اور ہمارے آباء و اجداد بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔

آیت ۱۴۰ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ''یقیناً نامراد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بے وقوفی سے' بغیر علم کے' اور انہوں نے حرام کر لیا (اپنے اوپر) وہ رزق جو اللہ نے انہیں دیا تھا اللہ پر افترا کرتے ہوئے۔''

یعنی ان ساری غلط رسومات کا انتساب وہ لوگ اللہ کے نام کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ بتوں کے نام پر قربانیاں دیتے اور استھانوں پر نذرانے بھی چڑھاتے تھے۔ اسی طرح کے نذرانے وہ اللہ کے نام پر بھی دیتے تھے۔ یہ سارے معاملات ان کے ہاں اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے مشترکہ طور پر چل رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے سارا دین مشتبہ اور گڈمڈ کر دیا تھا۔

﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۴۰﴾ ''وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور اب ہدایت پر آنے والے نہیں ہیں۔''

آیات ۱۴۱ تا ۱۴۴

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۱۴۱ۙ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِىْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۧ﴿۱۴۴﴾ ع

آیت ۱۴۱ ﴿وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ ''اور وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیے باغات وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو نہیں چڑھائے جاتے''

''معروشات'' کے زمرے میں بیل نما پودے آتے ہیں' جن کا اپنا تنا نہیں ہوتا جس پر خود وہ کھڑے ہوسکیں۔ اس لیے ایسے پودوں کو سہارا دے کر کھڑا کرنا پڑتا ہے' جیسے انگور کی بیل وغیرہ۔ دوسری طرف ''غیر معروشات'' میں عام درخت شامل ہیں جو خود اپنے مضبوط تنے پر کھڑے ہوتے ہیں' جیسے انار یا آم کا درخت ہے۔

﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ ''اور کھجور اور کھیتی' جس کے ذائقے مختلف ہیں' اور زیتون اور انار' ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کی مثالیں ہیں کہ اس نے مختلف النوع درخت' کھیتیاں اور پھل پیدا کیے' جو آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جیسے Citrus Family کے پھلوں میں کینو' فروٹر اور مالٹا وغیرہ شامل ہیں۔ بنیادی طور پر یہ سب ایک ہی قسم یا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شکل' ذائقہ وغیرہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کے باوجود سب کی اپنی اپنی الگ پہچان ہے۔

﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''کھایا کرو ان کے پھلوں میں سے جبکہ وہ پھل دیں اور اللہ کا حق ادا کرو ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن''

یعنی جیسے زمین کی پیداوار میں سے عُشر کا ادا کرنا فرض ہے' ایسے ہی ان پھلوں پر بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا کھیتی اور پھلوں کی پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ کا حق نکال دیا کرو۔

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''اور بے جا خرچ نہ کرو' یقیناً اللہ کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں ہیں۔''

آیت ۱۴۲ ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ﴾ ''اور چوپایوں میں سے (اس نے پیدا کیے ہیں) کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے۔''

حَمُوْلَةً وہ جانور ہیں جو قد کاٹھ اور ڈیل ڈول میں بڑے بڑے ہیں اور جن سے بار برداری کا کام لیا جاسکتا ہے' مثلاً گھوڑا' خچر' اونٹ وغیرہ۔ ان کے برعکس کچھ ایسے جانور ہیں جو اس طرح کی خدمت کے اہل نہیں ہیں اور چھوٹی جسامت کی وجہ سے استعارۃً انہیں فرش (زمین) سے منسوب کیا گیا ہے' گویا زمین سے لگے ہوئے ہیں' مثلاً بھیڑ' بکری وغیرہ۔ یہ ہر طرح کے جانور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔

﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ١٤٢﴾ ''کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

آیت ۱۴۳ ﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ﴾ ''یہ آٹھ قسم کے چوپائے ہیں (جو تمہارے ہاں عام طور پر پائے جاتے ہیں)۔''

یہ اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے حاملہ ماداؤں کے بارے میں کہی تھی کہ ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کا گوشت صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں' جب کہ عورتوں پر یہ حرام ہے۔ ہاں اگر مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو اس کا گوشت مردوں کے ساتھ عورتیں بھی کھا سکتی ہیں۔

﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ﴾ ''بھیڑ میں سے دو (نر اور مادہ) اور بکری میں سے دو (نر اور مادہ)۔''

﴿قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ) ان سے پوچھئے کہ اللہ نے ان دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤنثوں کو؟ یا جو کچھ ان دونوں مؤنثوں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟''

غور طلب نکتہ ہے کہ اس میں حرمت آخر کہاں سے آئی ہے۔ اللہ نے ان میں سے کس کو حرام کیا ہے؟ نر کو' مادہ کو' یا بچے کو؟ پھر یہ کہ اگر کوئی شے حرام ہے تو سب کے لیے ہے اور اگر حرام نہیں ہے تو کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ یہ تم نے جو نئے نئے قوانین بنا لیے ہیں وہ کہاں سے لے آئے ہو؟

﴿نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ١٤٣﴾ ''مجھے بتاؤ کسی بھی سند کے ساتھ اگر تم سچے ہو۔''

آیت ۱۴۴ ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ﴾ ''اور (اسی طرح) اونٹ میں سے دو (نر اور مادہ)' اور گائے میں سے دو (نر اور مادہ)۔ ان سے پوچھئے کیا اُس نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو؟ یا جو کچھ ان ماداؤں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟''

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ﴾ ''کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں یہ نصیحتیں کیں؟''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ﴾ ''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم کے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ١٤٤﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔''

آیات ۱۴۵ تا ۱۵۰

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰي ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۸/۱۸/۵

آیت ۱۴۵ ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ﴾ ”کہہ دیجیے میں تو نہیں پاتا اس (قرآن) میں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے‘ کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر کہ وہ اسے کھاتا ہو“

یہاں پھر وہ قانون دہرایا جا رہا ہے کہ شریعت میں کن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔

﴿اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً﴾ ”سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو“

اس مردار کی قسمیں (الْمُنْخَنِقَةُ ‘ الْمَوْقُوْذَةُ‘ الْمُتَرَدِّيَةُ) اور تفصیل سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ یعنی جانور کسی بھی طرح سے مر گیا ہو وہ مردار کے زمرے میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے اور ذبح کرنے سے اس کے جسم سے خون نکل جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔

﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ ”یا خون ہو بہتا ہوا“

یعنی ایک خون تو وہ ہے جو مذبوح جانور کے جسم کے سکڑ اور کھچاؤ (rigormortis) کی انتہائی کیفیت کے باوجود بھی کسی نہ کسی مقدار میں گوشت میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح تلی کے خون کا معاملہ ہے۔ لہٰذا یہ چیزیں حرام نہیں ہیں‘ لیکن جو خون بہایا جا سکتا ہو اور جو ذبح کرنے کے بعد جانور کے جسم سے نکل کر بہہ گیا ہو وہ خون حرام ہے۔

﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ ”یا خنزیر کا گوشت کہ وہ تو ہے ہی

ناپاک' یا کوئی ناجائز (گناہ کی) شے' جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔''

یعنی سور کے گوشت کی وجہ حرمت تو یہ ہے کہ وہ اصلاً ناپاک ہے۔ اس کے علاوہ کچھ چیزوں کی حرمت حکمی ہے' جو فسق (اللہ کی نافرمانی) کے سبب لازم آتی ہے۔ چنانچہ ﴿اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ اسی وجہ سے حرام قرار پایا' یعنی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اس حکم میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے تقرب کی نیت پر دی گئی ہو۔ مثلاً ایسا جانور جو کسی قبر یا کسی خاص استھان پر جا کر ذبح کیا جائے' اگرچہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا جاتا ہے مگر دل کے اندر کسی غیر اللہ کے تقرب کی خواہش کا چور موجود ہوتا ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۵﴾ ''لیکن (ان صورتوں میں بھی اگر) کوئی مجبور ہو جائے' نہ تو اس کے اندر ان کی طلب ہو اور نہ حد سے بڑھے' تو یقیناً آپ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

کسی غیر معمولی صورتِ حال میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھا کر اگر جان بچائی جا سکے تو مشروط طور پر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے ان پر جو یہودی ہوئے تھے حرام کر دیے تھے ایک ناخن (کھر) والے تمام جانور۔''

کچھ جانوروں کے پاؤں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں' جیسے گائے' بکری وغیرہ' جب کہ کچھ جانوروں کا ایک ہی پاؤں (کھر) ہوتا ہے۔ ایسے ایک کھر والے جانور مثلاً گھوڑا' گدھا وغیرہ یہودیوں پر حرام کر دیے گئے تھے۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں' یہودیوں پر جو چیزیں حرام کی گئیں تھیں' ان میں سے بعض تو اصلاً حرام تھیں مگر کچھ چیزیں ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور سزا ان کے لیے حرام کر دی گئی تھیں۔

﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ﴾ ''اور گائے اور بکری (وغیرہ) میں سے ہم نے حرام کر دی تھی اُن پر ان کی چربی سوائے اس کے کہ جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔''

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ﴾ ''یہ ہم نے انہیں سزا دی تھی ان کی سرکشی کی وجہ سے''

یعنی اس قسم کے جانوروں کی عام کھلی چربی ان کے لیے حرام تھی۔ لیکن یہ حکم آسمانی شریعت کا مستقل حصہ نہیں تھا' بلکہ ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے یہ تنگی اُن پر بطور سزا کی گئی تھی۔

﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶﴾ ''اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔''

آیت ۱۴۷ ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ﴾ ''تو اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلا دیں تو کہہ دیجیے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔''

یعنی اس جرم کی پاداش میں وہ تمہیں فوراً نہیں پکڑ رہا اور نہ فوراً معجزہ دکھا کر تمہاری مدت یا مہلتِ عمل ختم

کرنے جا رہا ہے' بلکہ اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی تمہیں مزید مہلت دی جائے۔

﴿وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿١٤٧﴾﴾ ''اور اُس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکے گا مجرموں کی قوم سے۔''

جب اُس کی طرف سے گرفت ہو گی تو ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ﴿١٢﴾﴾ (البروج) کے مصداق یقیناً بڑی سخت ہو گی اور پھر کسی کی مجال نہ ہو گی کہ اس گرفت کی سختی کو ٹال سکے۔

آیت ١٤٨ ﴿سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ﴾ ''عنقریب کہیں گے یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے آباء واَجداد اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔''

یعنی مشرکینِ مکّہ اس طرح کے دلائل دیتے تھے کہ جن چیزوں کے بارے میں ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ وہ حرام نہیں ہیں اور ہم نے خواہ مخواہ ان کو حرام ٹھہرا دیا ہے' ایسا کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ آخر اللہ تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' اُس کا تو ہمارے ارادے اور عمل پر کلّی اختیار تھا۔ لہٰذا یہ سب کام اگر غلط تھے تو وہ ہمیں یہ کام نہ کرنے دیتا اور غلط رستہ اختیار کرنے سے ہمیں روک دیتا۔ اس طرح کی کٹ حجتیاں کرنا انسان کی فطرت ہے۔

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ﴾ ''اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا۔''

﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾﴾ ''(آپؐ ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے جسے تم ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہو اور صرف اندازوں اور اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔''

آیت ١٤٩ ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بس اللہ کے حق میں ثابت ہو چکی ہے پوری پوری پہنچ جانے والی حجت۔''

تمہاری اس کٹ حجتی کے مقابلے میں حقیقت تک پہنچی ہوئی حجت صرف اللہ کی ہے۔ اُس نے ہر طرح سے تم پر اِتمامِ حجت کر دیا ہے' تمہاری ہر نامعقول بات کو معقول طریقے سے رد کر دیا ہے' مختلف انداز سے تمہیں ہر بات سمجھا دی ہے۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا نام اسی آیت سے اخذ کیا ہے۔

﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿١٤٩﴾﴾ ''پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا۔''

اگر اللہ کے پیشِ نظر سب کو نیک بنانا ہی مقصود ہوتا تو آنِ واحد میں تم سب کو ابوبکر صدیق ؓ جیسا نیک بنا دیتا' لیکن اس نے دُنیا کا یہ معاملہ عمل اور اختیار کے تحت رکھا ہے' اور اس کا مقصد سورۃ الملک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (آیت ٢) ''اُس نے موت و

حیات کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تمہیں آزمائے اور جانچے کہ تم میں سے کون ہے جو نیک عمل اختیار کرتا ہے۔''

آیت ۱۵۰ ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَ كُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ﴾ ''کہیے ذرا لاؤ تو سہی اپنے وہ گواہ جو یہ گواہی دے سکیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔''

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب یا علمی سند موجود ہے جسے تم اپنے موقف کے حق میں بطورِ گواہی پیش کر سکو؟ اگر اس طرح کی کوئی ٹھوس شہادت ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ﴾ ''پس اگر یہ لوگ (کٹ حجتی میں) گواہی دے بھی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی مت دیجیے۔''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۰﴾ ''اور مت پیروی کیجیے ان لوگوں کی خواہشات کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور وہی ہیں جو دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت بھی ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾ کے الفاظ پر ختم ہوئی تھی اور اب یہ آیت بھی ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾ کے الفاظ پر ختم ہو رہی ہے۔ یعنی آخرت کے یہ منکر اتنا کچھ سننے کے باوجود بھی کس قدر دریدہ دلیری کے ساتھ شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہیں اللہ کے حضور حاضری کا کچھ بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا اور جس کو چاہتے ہیں اللہ کے برابر کر دیتے ہیں۔

آیات ۱۵۱ تا ۱۵۴

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ۙ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۵۳ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۴ۧ

ع ۱۹

آیت ۱۵۱ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ''کہیے آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے ربّ نے

تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں''

تم لوگ جب چاہتے ہو کسی بکری کو حرام قرار دے دیتے ہو' کبھی خود ہی کسی اونٹ کو محترم ٹھہرا لیتے ہو' اور اس پر مستزاد یہ کہ پھر اپنی ان خرافات کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ آؤ میں تمہیں واضح طور پر بتاؤں کہ اللہ نے اصل میں کن چیزوں کو محترم ٹھہرایا ہے' ممنوع اور حرام چیزوں کے بارے میں اللہ کے کیا احکام ہیں اور اس سلسلے میں اس نے کیا کیا حدود و قیود مقرر کی ہیں۔ یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۂ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ وہاں ان احکام کی تفصیل میں پورے دو رکوع (تیسرا اور چوتھا) نازل ہوئے ہیں۔ ایک طرح سے انہی احکام کا خلاصہ یہاں اِن آیات میں بیان ہوا ہے۔ شریعت کے بنیادی احکام دراصل ضرورت اور حکمتِ الٰہی کے مطابق قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز میں وارد ہوئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ (دسویں رکوع) میں جہاں بنی اسرائیل سے میثاق لینے کا ذکر آیا ہے وہاں دین کے اساسی نکات بھی بیان ہوئے ہیں۔ پھر اس کے بعد شرعی احکام کی کچھ تفصیل ہمیں سورۃ النساء میں ملتی ہے۔ اس کے بعد یہاں اس سورۃ میں اور پھر انہی احکام کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ﴾ ''یہ کہ کسی شے کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔''

یعنی سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کو حرام ٹھہرایا ہے اور دوسرے نمبر پر والدین کے حقوق میں کوتاہی حرام قرار دی ہے۔ قرآن حکیم میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں حقوق اللہ کے فوراً بعد حقوقِ والدین کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیت ۸۳ اور سورۃ النساء آیت ۳۶ میں والدین کے حقوق کا ذکر اللہ کے حقوق کے فوراً بعد کیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تنگ دستی کے خوف سے' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ ''اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی مت جاؤ' خواہ وہ ظاہر ہوں یا خفیہ۔''

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ''اور مت قتل کرو اُس جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسانی جان کو محترم ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا کسی اصول' حق اور قانون کے تحت ہی انسانی جان کا قتل ہو سکتا ہے۔ قتلِ عمد کے بدلے میں قتل' قتلِ مرتد' مسلمان زانی یا زانیہ (اگر شادی شدہ ہوں) کا قتل' حربی کافر وغیرہ کا قتل۔ یہ انسانی قتل کی چند جائز اور قانونی صورتیں ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○١٥١﴾ ''یہ باتیں ہیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ

تم عقل سے کام لو۔''

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ﴾ ''اور یتیم کے مال کے قریب مت پھٹکو' مگر بہترین طریقے سے (اس کے مال کی حفاظت کرو) یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔''

یتیم کے مال کو ہڑپ کرنا یا اپنا ردّی مال اس کے مال میں ملا کر اس کے اچھے مال پر قبضہ کرنے کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ مکی دور کے احکام ہیں' لیکن یتیموں کے حقوق کی اہمیت کے پیش نظر مدنی سورتوں میں بھی اس بارے میں احکام آئے ہیں' مثلاً سورۃ البقرۃ' آیت ۲۲۰ اور سورۃ النساء آیت ۲ میں بھی یتیموں کے اموال کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے' جو اس سے قبل ہم پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾ ''اور پورا کرو ناپ اور تول کو عدل کے ساتھ۔ ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی بھی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔''

یعنی بغیر کسی ارادے کے اگر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں۔ جیسے دعا کے لیے ہمیں یہ کلمات سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اے ہمارے ربّ! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا''۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ذرا سی بھی ڈنڈی ماری تو وہ قابلِ گرفت ہے۔ اس لیے کہ عملاً معصیت کا ارتکاب کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ یا تو تمہیں آخرت کا یقین نہیں ہے یا پھر یہ یقین نہیں ہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ گویا عمداً ذرا سی منفی جنبش میں بھی ایمان کی نفی کا احتمال ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ﴾ ''اور جب بھی بات کرو تو عدل (کی بات) کرو' خواہ قرابت دار ہی (کا معاملہ) ہو' اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔''

تمہاری بات چیت کھری اور انصاف پر مبنی ہو۔ اس میں جانبداری نہیں ہونی چاہیے' چاہے قرابت داری ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اللہ کے نام پر' اللہ کے حوالے سے' اللہ کی قسم کھا کر جو بھی عہد کیا جائے اس کو بھی پورا کرو۔ جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی ایک عہد ہے جو ہم اللہ سے کرتے ہیں۔ ہر انسان نے دنیا میں آنے سے پہلے بھی اللہ سے ایک عہد کیا تھا' جس کا ذکر سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۲) میں ملتا ہے۔ اسی طرح روزمرّہ کی زندگی میں بھی بہت سے عہد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''یہ ہیں (وہ چیزیں) جن کا اللہ تمہیں حکم کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

یہ وہ چیزیں ہیں جو دین میں اہمیت کی حامل اور انسانی کردار کی عظمت کی علامت ہیں۔ یہ انسانی تمدن اور اخلاقیات کی بنیادیں ہیں۔

آیت ۱۵۳ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ ''اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے' پس تم اس

کی پیروی کرو۔''

دین کے اصل اصول تو وہ ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ تمہارے خود ساختہ طور طریقے تو گویا ایسی پگڈنڈیاں ہیں جن کا صراطِ مستقیم سے کوئی تعلق نہیں۔ صراطِ مستقیم تو صرف وہ ہے جس پر ہمارا رسول ﷺ ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چل رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ ''اور (اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر) دوسرے راستوں پر نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا کر منتشر کر دیں گے۔''

یعنی اگر تم خود ساختہ مختلف پگڈنڈیوں پر چلنے کی کوشش کرو گے تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ لہٰذا تم سب راستوں کو چھوڑ کر سواء السبیل پر قائم رہو۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٣﴾﴾ ''یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے احسان کی روش اختیار کرنے والے پر اور (اس میں تھی) ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں جو احکام ہیں وہ تورات کے ''احکامِ عشرہ'' (Ten Commandments) کا ہی خلاصہ ہے۔

﴿لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾﴾ ''تاکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری پر پورا یقین رکھیں۔''

آیات ۱۵۵ تا ۱۶۵

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

آیت ۱۵۵ ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾ ''اور (اب) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے بڑی بابرکت' تو تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۵٦ ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ''مبادا تم یہ کہو کہ کتاب تو بس اُتاری گئی تھی ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر''

یہ بالکل سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ والا انداز ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ ''مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں تھا''۔ اور اس احتمال کو رد کرنے کے لیے فرمایا گیا: ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ ''پس آ گیا ہے تمہارے پاس بشیر اور نذیر''۔ کہ ہم نے اپنے آخری رسول ﷺ کو بھیج دیا ہے آخری کتابِ ہدایت دے کر تا کہ تمہارے اوپر حجت تمام ہو جائے۔ لیکن وہاں اس حکم کے مخاطب اہلِ کتاب تھے اور اب وہی بات یہاں مشرکین کو اس انداز میں کہی جا رہی ہے کہ ہم نے یہ کتاب اتار دی ہے جو سراپا خیر و برکت ہے' تا کہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہہ سکو کہ اللہ کی طرف سے کتابیں تو یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں' ہمیں تو کوئی کتاب دی ہی نہیں گئی' ہم سے مواخذہ کا ہے کا؟

﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝﴾ ''اور ہم تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل ہی رہے۔''

اور وہاں یہ نہ کہہ سکو کہ تورات تو عبرانی زبان میں تھی' جب کہ ہماری زبان عربی تھی۔ آخر ہم کیسے جانتے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہوا تھا' لہٰذا نہ تو ہم پر کوئی حجت ہے اور نہ ہی ہمارے محاسبے کا کوئی جواز ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ﴾ ''یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔''

یعنی تم روزِ قیامت یہ دعویٰ لے کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ان بے وقوفوں نے تو اللہ کی کتابوں (تورات اور انجیل) کی قدر ہی نہیں کی۔ ہمیں اللہ نے کتاب دی ہوتی تو پھر ہم بتاتے کہ کتابُ اللہ کی قدر کیسے کی جاتی ہے۔

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾ ''تو (اے بنی اسماعیل) تمہارے پاس آ گئی ہے بیّنہ تمہارے رب کی طرف سے' اور ہدایت اور رحمت۔''

یعنی تمہارے پاس اللہ کا رسول اُس کی کتاب لے کر آ چکا ہے جس میں واضح اور مستحکم احکام موجود ہیں۔اس بَیِّنَہ کی وضاحت سورۃ البیّنہ کی آیت ۲ اور ۳ میں اس طرح کی گئی ہے: ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳﴾ ''اللہ کی طرف سے ایک رسول جو مقدس صحیفے پڑھ کر سناتا ہے' جن میں بالکل درست احکام ہیں۔''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ﴾ ''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اُن سے پہلوتہی کرے۔''

﴿سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝۱۵۷﴾ ''ہم عنقریب سزا دیں گے ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے پہلوتہی کرتے ہیں بہت ہی بُرے عذاب کی' بسبب اُن کے اس پہلوتہی کرنے کے۔''

آیت ۱۵۸ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ﴾ ''یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں' یا آپؐ کا رب خود آ جائے یا پھر آپؐ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے!''

دراصل یہ ان واقعات یا علامات کا ذکر ہے جن کا ظہور قیامت کے دن ہونا ہے۔جیسے سورۃ الفجر میں فرمایا: ﴿وَّجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲ وَجِايْۗءَ يَوْمَىِٕذٍۢ بِجَهَنَّمَ ڏ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝۲۳﴾ ''قصۂ زمین برسرِ زمین'' کے مصداق روزِ محشر فیصلہ یہیں اسی زمین پر ہوگا۔یہیں پر اللہ کا نزول ہوگا' یہیں پر فرشتے پرے باندھے کھڑے ہوں گے اور یہیں پر سارا حساب کتاب ہوگا۔چنانچہ اس حوالے سے فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ سب علامات ظہور پذیر ہو جائیں؟ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے:

﴿يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا﴾ ''جس دن آپؐ کے ربّ کی بعض (مخصوص) نشانیاں ظاہر ہو گئیں تو پھر کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا''

﴿لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ﴾ ''جو پہلے سے ایمان نہیں لا چکا تھا یا اُس نے اپنے ایمان میں کچھ خیر نہیں کما لیا تھا۔''

دراصل جب تک غیب کا پردہ پڑا ہوا ہے تب تک ہی اس امتحان کا جواز ہے۔جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا تو یہ امتحان بھی ختم ہو جائے گا۔اس وقت پھر جو صورتِ حال سامنے آئے گی اس میں تو بڑے سے بڑا کافر بھی عابد و زاہد بننے کی کوشش کرے گا۔لیکن جو شخص یہ نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اور ایمان کی

حالت میں اعمالِ صالحہ کا کچھ توشہ اس نے اپنے لیے جمع نہیں کر لیا تھا' اس کے لیے بعد میں ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا کچھ بھی سود مند نہیں ہوگا۔

﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے تم بھی انتظار کرو' ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

اب انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

یہ وہی ''وحدتِ ادیان'' کا تصور ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ میں دیا گیا ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟﴾ کہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ پھر لوگ صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے گئے اور مختلف گروہوں نے اپنے اپنے راستے الگ کر لیے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی اپنی خود ساختہ پگڈنڈیوں پر چل رہے ہیں وہ سب ضلالت اور گمراہی میں پڑے ہیں اور آپؐ کا ان گمراہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ ''ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾ ''جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔''

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ ''اور جو کوئی بدی کما کر لائے گا تو اُسے سزا نہیں ملے گی مگر اسی کے برابر''

یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ بدی کی سزا بدی کے برابر ہی ملے گی' لیکن نیکی کا اجر بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا' دو دو گنا' چار گنا' دس گنا' سات سو گنا یا اللہ تعالیٰ اس سے بھی جتنا چاہے بڑھا دے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ ''اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اُس دن کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

اگلی دو آیات جو ''قُلْ'' سے شروع ہو رہی ہیں بہت اہم ہیں۔ یہ ہم میں سے ہر ایک کو یاد رہنی چاہئیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہیے کہ میرے ربّ نے تو مجھے ہدایت دے دی ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ''وہ دین ہے سیدھا جس میں

کوئی ٹیڑھ نہیں اور ملت ہے ابراہیم کی' جو یکسو تھا (اللہ کی طرف) اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

یہ خطاب واحد کے صیغے میں براہِ راست حضور ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے پوری اُمت سے۔ ذرا غور کریں ۲۰ رکوعوں پر مشتمل اس سورت میں ایک دفعہ بھی یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان سے خطاب نہیں کیا گیا۔ کاش کہ ہم میں سے ہر شخص اس آیت کا مخاطب بننے کی سعادت حاصل کر سکے اور یہ اعلان کر سکے کہ مجھے تو میرے رب نے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دے دی ہے۔ لیکن یہ تو تبھی ممکن ہو گا جب کوئی اللہ کی راہِ ہدایت کو صدقِ دل سے اختیار کرے گا۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ آمین!

آیت ۱۶۲ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ ''آپ کہیے میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

یہاں دوبارہ قُلْ کہہ کر حضور ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ ہی کو یہ اعلان کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے' لیکن آپ ﷺ کی وساطت سے ہم میں سے ہر ایک کو یہ حکم پہنچ رہا ہے۔ کاش ہم میں سے ہر ایک یہ اعلان کرنے کے قابل ہو سکے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو ربّ العالمین ہے۔ لیکن یہ تب ممکن ہے جب ہم اپنی زندگی واقعتہً اللہ کے لیے وقف کر دیں۔ دُنیوی زندگی کی کم از کم ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناگزیر حد تک اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں ضرور صرف کریں' لیکن اس ساری تگ ودَو کو اصل مقصودِ زندگی نہ سمجھیں' بلکہ اصل مقصودِ زندگی اللہ کی اطاعت اور اقامتِ دین کی جِدّوجُہد ہی کو سمجھیں۔

آیت ۱۶۳ ﴿لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ ''اُس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے تو اسی کا حکم ہوا ہے اور سب سے پہلا فرماں بردار میں خود ہوں۔''

آیت ۱۶۴ ﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ ؕ﴾ ''کہیے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں جبکہ وہی ہر شے کا رب ہے۔''

﴿وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ﴾ ''اور نہیں کماتی کوئی جان (کچھ بھی) مگر اسی کے اوپر ہو گا اس کا وبال' اور نہیں اٹھائے گی کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کے بوجھ کو۔''

اُس دن ہر ایک کو اپنی اپنی گٹھڑی خود ہی اٹھانی ہو گی' کوئی دوسرا وہاں مدد کو نہیں پہنچے گا۔ یہاں پر لفظ نفس ''جان'' کے معنی میں آیا ہے' یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گی' بلکہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری اور اپنے حساب کتاب کا سامنا بنفسِ نفیس خود کرنا ہو گا۔

﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''پھر اپنے رب ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا''

خلیفہ بنانا ایک تو اس مفہوم میں ہے کہ جو خلافت حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کا حصہ بِالقُوَّة (potentially) تمام انسانوں کو ملا ہے' اور جو بھی شخص اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہو کر اللہ کو اپنا حاکم اور بادشاہ مان لے تو وہ گویا اس کی خلافت کا حقدار ہو گیا۔ ''خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ '' کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم آتی ہے اور انسانی وراثت نسل در نسل اور قوم در قوم منتقل ہوتی جاتی ہے۔ یہی فلسفہ اس سورۃ کی آیت ۱۳۳ میں بھی بیان ہوا ہے۔

﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ''اور اُس نے تم میں سے بعض کے درجوں کو بعض پر بلند کر دیا''

اس دُنیوی زندگی میں اللہ نے اپنی مشیت کے مطابق کسی کو علم دیا ہے' کسی کو حکمت دی ہے' کسی کو ذہانت میں فضیلت دی ہے' کسی کو جسمانی طاقت میں برتری دی ہے' کسی کو صحتِ جسمانی بہتر دی ہے اور کسی کو حسنِ جسمانی میں دوسروں پر فوقیت دی ہے۔ یعنی مختلف انداز میں اُس نے ہر ایک کو اپنے فضل سے نوازا ہے اور مختلف انسانوں کے درجات و مراتب میں اپنی حکمت کے تحت فرق و تفاوت بھی برقرار رکھا ہے۔

﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ ''تاکہ تمہیں آزمائے اس میں جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے۔''

یعنی دنیا کی تمام نعمتیں انسان کو بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ بَلَا' يَبْلُوْ کے معنی ہیں آزمانا اور جانچنا۔ ابتلاء (بمعنی امتحان اور آزمائش) اسی سے باب افتعال ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٦٥﴾ ''یقیناً آپ کا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور یقیناً وہ غفور اور رحیم بھی ہے۔''

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني واياكم بالآيات والذكر الحكيم٥٥

سُورۃُ الاعُراف

تمہیدی کلمات

سورۃ الاعراف قرآن حکیم کی طویل ترین مکی سورت ہے۔ اس سورت کا سورۃ الانعام کے ساتھ چونکہ جوڑے کا تعلق ہے اس لیے اس کے مضامین کا تعارف سورۃ الانعام کے آغاز میں آ چکا ہے۔ وہاں پر التذکیر بِآلاءِ اللّٰہ اور التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کے فلسفے پر بھی تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور دونوں سورتوں میں مضامین کی اس تقسیم کا ذکر بھی ہو چکا ہے کہ سورۃ الانعام میں تذکیر بِآلاءِ اللّٰہ پر زور ہے جب کہ سورۃ الاعراف میں تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ پر۔ سورۃ الاعراف کے موضوعات کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ سب سے پہلے قصہ آدم و ابلیس بیان کر کے انسانی تخلیق کے آغاز کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر حیاتِ دُنیوی کے اختتامی دور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس اختتامی دَور میں تین اقسام کے لوگوں کی تفصیل آ گئی ہے۔ پہلے اہلِ جہنم کا تذکرہ ہے‘ اس کے بعد اہلِ جنت کا‘ اور پھر اصحابِ اعراف کا‘ یعنی وہ لوگ جن کے جنت یا دوزخ میں دخول کے بارے میں ابھی فیصلہ نہیں ہوا ہوگا۔ اس طرح حیاتِ انسانی کی ابتدا اور اس کی انتہا کے تذکرے کے بعد حیاتِ انسانی کے ’’درمیانی دَور‘‘ کا تذکرہ تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ (انبیاء و رُسل اور ان کی قوموں کے حالات) کے طور پر آ گیا ہے‘ جو اس سورت کے مضامین کا عمود (main theme) ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۹

الٓمّٓصٓ ۝۱ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۲ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۝۳ وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا فَجَآءَہَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝۴ فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ۝۵ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۶ۙ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡہِمۡ بِعِلۡمٍ وَّ مَا کُنَّا غَآئِبِیۡنَ ۝۷ وَ الۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِۣ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۸ وَ مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ بِمَا کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَظۡلِمُوۡنَ ۝۹

آیت ۱ ﴿الٓمّٓصٓ ①﴾ ''ا' ل' م' ص۔''

یہ حروفِ مقطعات ہیں' اور جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے' حروفِ مقطعات کا حقیقی اور یقینی مفہوم کسی کو معلوم نہیں اور یہ کہ ان تمام حروف کے مفاہیم ومطالب اللہ اور اُس کے رسولؐ کے درمیان راز کا درجہ رکھتے ہیں۔ البتہ یہ نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مجید کی دو سورتیں ایسی ہیں جن کے شروع میں چار چار حروف مقطعات آئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہی سورۃ الاعراف ہے اور دوسری سورۃ الرعد' جس کا آغاز الٓمّٓرٰ سے ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے تین حروفِ مقطعات (الٓمّٓ) سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران میں آ چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ ''یہ کتاب ہے (اے نبی ﷺ) جو آپ پر نازل کی گئی ہے' تو نہیں ہونی چاہیے آپ کے دل میں کچھ تنگی اس کی وجہ سے''

رسول اللہ ﷺ دعوت کے لیے ہر ممکن طریقہ استعمال کر رہے تھے' مگر آپؐ کی سالہا سال کی جِدّوجُہد کے باوجود مکہ کے صرف چند لوگ ایمان لائے۔ یہ صورتِ حال آپ ﷺ کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ ایک عام آدمی تو اپنی غلطیوں کی ذمہ داری بھی دوسروں کے سر پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کو بھی دوسروں کے کھاتے میں ڈال کر خود کو صاف بچانے کی فکر میں رہتا ہے' لیکن ایک شریف النفس انسان ہمیشہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر اس کی کوشش کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں تو اس میں اُس کی طرف سے کہیں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ اس سوچ اور احساس کی وجہ سے وہ اپنے دل پر ہر وقت ایک بوجھ محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا جب حضور ﷺ کی مسلسل کوشش کے باوجود اہلِ مکہ ایمان نہیں لا رہے تھے تو بشری تقاضے کے تحت آپؐ کو دل میں بہت پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے آپؐ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اس قرآن کی وجہ سے آپؐ کے اوپر کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔

﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②﴾ ''(یہ تو اس لیے ہے) تاکہ اس کے ذریعے سے آپؐ خبردار کریں اور یہ یاددہانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔''

''لِتُنْذِرَ بِهٖ'' وہی لفظ ہے جو ہم سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ وہاں فرمایا گیا تھا: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ ''اور یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں بھی خبردار کروں اور جس جس کو یہ پہنچے''۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ اہلِ ایمان کے لیے ذِکْرٰی (یاددہانی) ہے۔ یعنی جن سلیم الفطرت لوگوں کے اندر بِالقُوّۃ (potentially) ایمان موجود ہے اُن کے اِس سوئے ہوئے (dormant) ایمان کو بیدار (activate) کرنے کے لیے یہ کتاب ایک طرح سے یاددہانی ہے۔ جیسے آپ کو کوئی چیز بھول گئی تھی' اچانک کہیں اس کی کوئی نشانی دیکھی تو فوراً وہ شے یاد آ گئی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کے لیے اس کائنات کی نشانیوں کو یاددہانی (ذکریٰ) بنا دیا ہے۔

آیت ۳ ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''پیروی کرو اُس کی جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے''

پچھلی آیت میں حضور ﷺ سے صیغہ واحد میں خطاب تھا ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ جب کہ یہاں ''اِتَّبِعُوْا'' جمع کا صیغہ ہے۔ یعنی یہاں خطاب کا رخ عام لوگوں کی طرف ہے اور انہیں وحیٔ الٰہی کی پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③﴾ ''اور مت پیروی کرو اُس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی۔ کم ہی ہے جو نصیحت تم حاصل کرتے ہو۔''

یعنی اپنے ربّ کو چھوڑ کر کچھ دوسرے اولیاء (دوست' سرپرست) بنا کر ان کی پیروی مت کرو۔

آیت ۴ ﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' تو ان پر آ پڑا ہمارا عذاب جب وہ رات کو سو رہے تھے یا جب دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے۔''

چونکہ اس سورۂ مبارکہ کے موضوع کا عمود تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ ہے' لہٰذا شروع میں ہی اقوامِ گزشتہ پر عذاب اور ان کی بستیوں کی تباہی کا تذکرہ آ گیا ہے۔ یہ قومِ نوحؑ' قومِ ھودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ ثمودؑ اور قومِ شعیبؑ کی بستیوں اور عامورہ اور سدوم کے شہروں کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۵ ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤﴾ ''تو پھر ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں تھی جب ان پر ہمارا عذاب آ پڑا کہ (ہائے ہماری شامت) بے شک ہم ہی ظالم تھے۔''

واقعتاً ہمارے رسولوں نے تو ہماری آنکھیں کھولنے کی پوری کوشش کی تھی مگر ہم نے ہی اپنی جانوں پر زیادتی کی جو ان کی دعوت کو نہ مانا۔

آیت ۶ ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥﴾ ''پس ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔''

یہ فلسفۂ رسالت کا بہت اہم موضوع ہے جو اس آیت میں بڑی جلالی شان کے ساتھ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول کو اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ اسے خبردار کر دے۔ یہ ایک بہت بھاری اور حساس ذمہ داری ہے جو رسول پر ڈالی جاتی ہے۔ اب اگر بالفرض رسول کی طرف سے اس میں ذرا بھی کوتاہی ہو گی تو قوم سے پہلے اس کی پکڑ ہو جائے گی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ آپ نے ایک اہم پیغام دے کر کسی آدمی کو اپنے کسی دوست کے پاس بھیجا کہ وہ یہ کام کل تک ضرور کر دے ورنہ بہت نقصان ہو گا' لیکن آپ کے اس دوست نے وہ کام نہیں کیا اور آپ کا نقصان ہو گیا۔ اب آپ غصے سے آگ بگولہ اپنے دوست کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم نے میرے پیغام کے مطابق بروقت میرا کام کیوں نہیں کیا؟ اب آپ کا دوست اگر جواباً یہ کہہ دے کہ اس کے پاس تو آپ کا پیغام لے کر کوئی آیا ہی نہیں تو اپنے دوست سے آپ کی ناراضی فوراً ختم ہو جائے گی' کیونکہ اس نے کوتاہی نہیں کی' اور آپ کو شدید غصہ اس شخص پر آئے گا جس کو آپ نے پیغام دے کر بھیجا تھا۔ اب آپ اس سے باز پرس کریں گے

کہ تم نے میرا اتنا اہم پیغام کیوں نہیں پہنچایا؟ تم نے غیر ذمہ داری کا ثبوت دے کر میرا اتنا بڑا نقصان کر دیا۔ اسی طرح کا معاملہ ہے اللہ' رسول اور قوم کا۔ اللہ نے رسول کو پیغام بر بنا کر بھیجا۔ بالفرض اس پیغام کے پہنچانے میں رسول سے کوتاہی ہو جائے تو وہ جوابدہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ پیغام پہنچا دے تو پھر وہ اپنی ذمہ داری سے بَری ہو جائے گا۔ پھر اگر قوم اس پیغام پر عمل درآمد نہیں کرے گی تو وہ ذمہ دار ٹھہرے گی۔ چنانچہ آخرت میں اُمتوں کا بھی محاسبہ ہونا ہے اور رسولوں کا بھی۔ اُمت سے جواب طلبی ہوگی کہ میں نے تمہاری طرف اپنا رسول بھیجا تھا تاکہ وہ تمہیں میرا پیغام پہنچا دے' تم نے اس پیغام کو قبول کیا یا نہیں کیا؟ اور مرسلین سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا یا نہیں؟ اس کی ایک جھلک ہم سورۃ المائدۃ (آیت ۱۰۹) میں ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ کے سوال میں اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قیامت کے دن ہونے والے مکالمے کے ان الفاظ میں بھی دیکھ آئے ہیں: ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (آیت ۱۱۶) ''اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ بنا لینا اللہ کے علاوہ؟''

اب ذرا حجۃ الوداع (۱۰ ہجری) کے منظر کو ذہن میں لایئے۔ محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جمِ غفیر سے مخاطب ہیں۔ اس تاریخی موقع کے پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ برس کی محنتِ شاقہ تھی' جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں پر اتمامِ حجت کر کے دین کو غالب کر دیا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) لوگو سنو! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اس پر پورے مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ[۱]۔ ایک روایت میں الفاظ آتے ہیں: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ کہ ہاں ہم گواہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا حق ادا کر دیا' آپؐ نے امانت کا حق ادا کر دیا (یہ قرآن آپؐ کے پاس اللہ کی امانت تھی جو آپؐ نے ہم تک پہنچا دی)' آپؐ نے اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور آپؐ نے گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں کا پردہ چاک کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ یہ سوال کیا اور تین دفعہ جواب لیا اور تینوں دفعہ انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر پکارا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ' یہ مان رہے ہیں کہ میں نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا۔ اور پھر فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))[۲] کہ اب پہنچائیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ گویا میرے کندھے سے یہ بوجھ اتر کر اب تمہارے کندھوں پر آ گیا ہے۔ اگر میں صرف تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوتا تو بات آج پوری ہو گئی ہوتی' مگر میں تو رسول ہوں تمام انسانوں کے لیے جو قیامت تک آئیں گے۔ چنانچہ اب اس دعوت اور تبلیغ کو ان لوگوں تک پہنچانا اُمت کے ذمہ ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب المناسک' باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب الخطبۃ ایام منیٰ۔ وصحیح مسلم' کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات' باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

یہی وہ گواہی ہے جس کا منظر سورۃ النساء میں دکھایا گیا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾﴾۔ پھر اس روز حجۃ الوداع کے موقع والی گواہی کا حوالہ بھی آئے گا کہ اے اللہ میں نے تو ان لوگوں کو تیرا پیغام پہنچا دیا تھا' اب یہ ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چونکہ معاملہ ان پر کھول دیا گیا تھا' لہٰذا اب یہ لوگ لاعلمی کے بہانے کا سہارا نہیں لے سکتے۔

آیت ۷ ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾﴾ ''پھر ہم ان کے سامنے احوال بیان کریں گے علم کی بنیاد پر اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔''

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کس قدر جدّوجُہد کر رہے تھے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح کے مشکل حالات میں آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ابوجہل اور ابولہب کی کارروائیوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ وہ کس کس طریقے سے حضور ﷺ کو اذیتیں پہنچا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم ان کے سامنے اپنے علم کی بنیاد پر تمام احوال بیان کر دیں گے' کیونکہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو ہم وہاں سے غیر حاضر تو نہیں تھے۔ سورۃ الحدید (آیت ۴) میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ کہ وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو۔

آیت ۸ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ ۚ﴾ ''اور اُس روز وزن ہو گا حق ہی میں (یا وزن ہی فیصلہ کن ہو گا)''

اُس روز اللہ تعالیٰ ترازو نما کوئی ایسا نظام قائم کرے گا' جس کے ذریعے سے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن ہو گا' مگر اُس دن وزن صرف حق ہی میں ہو گا' یعنی صرف اعمالِ صالحہ ہی کا وزن ہو گا' باطل اور بُرے کاموں میں سِرے سے کوئی وزن نہیں ہو گا' ریاکاری کی نیکیاں ترازو میں بالکل بے حیثیت ہوں گی۔ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ ۚ﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اُس دن وزن ہی حق ہو گا' وزن ہی فیصلہ کن ہو گا۔ اگر دو پلڑوں والی ترازو کا تصور کریں تو جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا نجات بس اسی کے لیے ہو گی۔

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾﴾ ''تو جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی ہوں گے فلاح پانے والے۔''

آیت ۹ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾﴾

''اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا بسبب اس کے کہ وہ ہماری آیات سے ناانصافی کرتے رہے۔''

آیت ۶ ﴿ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾﴾ کی طرح اگلی آیت بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیات ۱۰ تا ۲۵

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَا وٗرِىَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّىۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ ۙ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلۡ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيۡهَا تَحۡيَوۡنَ وَفِيۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۲۵﴾

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ ”اور (دیکھو انسانو!) ہم نے تمہیں زمین میں تمکّن عطا فرمایا اور اس میں تمہارے لیے معاش کے سارے سامان رکھ دیے (لیکن) بہت ہی کم ہے جو شکر تم کرتے ہو۔“

تم لوگوں کو تو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ زمین کے وسائل انسان کے مسلسل استعمال سے ختم نہ ہو جائیں‘ انسانی وحیوانی خوراک کا قحط نہ پڑ جائے۔ مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے خزانے ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ ہم نے تمہیں اس زمین میں بسایا ہے تو یہاں تمہارے معاش کا پورا پورا بندوبست بھی کیا ہے۔ اِس دُنیوی زندگی میں تمہاری اور تمہاری آئندہ نسلوں کی ہر قسم کی جسمانی ضرورتیں یہیں سے پوری ہوں گی۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اگلے (دوسرے) رکوع میں بھی اسی مضمون یعنی تمکّن فی الارض کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ ''اور ہم نے تمہیں تخلیق کیا' پھر تمہاری تصویر کشی کی' پھر ہم نے کہا فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے سامنے''

نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) کے حامی اس آیت سے بھی کسی حد تک اپنی نظریاتی غذا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کے بارے میں مختلف نوعیت کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ایک طرف تو انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی بات کی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ آل عمران آیت ۵۹ میں بتایا گیا ہے کہ انسانِ اوّل کو مٹی سے بنا کر کُنْ کہا گیا تو وہ ایک زندہ انسان بن گیا (فَیَكُوْنُ)۔ یعنی یہ آیت ایک طرح سے انسان کی ایک خاص مخلوق کے طور پر تخلیق کی تائید کرتی ہے۔ جب کہ آیت زیر نظر میں اس ضمن میں تدریجی مراحل کا ذکر ہوا ہے۔ یہاں جمع کے صیغے (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ) سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس سلسلہ کی کچھ انواع (species) پہلے پیدا کی گئی تھیں۔ گویا نسل انسانی پہلے پیدا کی گئی' پھر ان کی شکل وصورت کو finishing touches دیے گئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدم تو ایک تھا' پھر یہ جمع کے صیغے کیوں استعمال ہو رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۳ بھی ایک طرح سے ہمیں دعوتِ غور وفکر دیتی ہے' جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے چنا تھا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾۔ گویا یہ آیت بھی کسی حد تک ارتقائی عمل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بہر حال اس قسم کی theories کے بارے میں جیسے جیسے جو جو عملی اشارے دستیاب ہوں ان کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے' اور آنے والے وقت کے لیے اپنے options کھلے رکھنے چاہئیں۔ ہوسکتا ہے جب وقت کے ساتھ ساتھ کچھ مزید حقائق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے انسانی علم میں آئیں تو ان آیات کے مفاہیم زیادہ واضح ہو کر سامنے آ جائیں۔

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''تو سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے' نہ ہوا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔''

آیت ۱۲ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کس چیز نے تمہیں روکا کہ تم نے سجدہ نہیں کیا' جب کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا۔''

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾﴾ ''اُس نے کہا میں اِس سے بہتر ہوں' مجھے تُو نے بنایا ہے آگ سے اور اس کو بنایا ہے مٹی سے۔''

اس نے اپنے استکبار کی بنیاد پر ایسا کہا۔ یہاں اس کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس کے ایک ایک لفظ سے تکبّر جھلکتا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا پس اُتر جاؤ اس سے' تمہیں یہ حق نہیں تھا کہ تم اس میں تکبر کرو' پس نکل جاؤ' یقیناً تم ذلیل وخوار ہو۔''

آیت ۱۴ ﴿قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اُس نے کہا (اے اللہ) مجھے مہلت دے اُس دن تک جس دن انہیں (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔''

آیت ۱۵ ﴿قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''فرمایا (ٹھیک ہے جاؤ) تمہیں مہلت دی گئی۔''

آیت ۱۶ ﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۱۶﴾﴾ ''اُس نے کہا (پروردگار!) تو نے جو مجھے (آدم کی وجہ سے) گمراہ کیا ہے تو اَب میں لازماً ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا تیری سیدھی راہ پر۔''

تیری توحید کی شاہراہ پر ڈیرے جما کر' گھات لگا کر' مورچہ بند ہو کر بیٹھوں گا اور تیرے بندوں کو شرک کی پگڈنڈیوں کی طرف موڑتا رہوں گا۔

آیت ۱۷ ﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے' اور ان کے دائیں اور بائیں جانب سے' اور تو نہیں پائے گا ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا۔''

آیت ۱۸ ﴿قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡہَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا نکل جاؤ اس میں سے بُرے حال میں مردود ہو کر۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں (انہیں اور تم کو اکٹھا کر کے) تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا۔''

آیت ۱۹ ﴿وَ یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ فَکُلَا مِنۡ حَیۡثُ شِئۡتُمَا وَ لَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور (پھر ہم نے آدم سے کہا کہ) اے آدمؑ رہو جنت میں تم اور تمہاری بیوی' اور کھاؤ پیو اس میں سے جہاں سے تم دونوں چاہو' اور (ہاں) اس درخت کے قریب مت جانا' ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

آیت ۲۰ ﴿فَوَسۡوَسَ لَہُمَا الشَّیۡطٰنُ لِیُبۡدِیَ لَہُمَا مَا وٗرِیَ عَنۡہُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِہِمَا﴾ ''تو شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ میں ڈالا تا کہ ظاہر کر دے ان پر جو ان سے پوشیدہ تھیں ان کی شرمگاہیں''

قصہ آدمؑ و ابلیس کی تفصیل ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہاں یہ قصہ دوسری مرتبہ بیان ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں یہ واقعہ سات مرتبہ آیا ہے' چھ مرتبہ مکی سورتوں میں اور ایک مرتبہ مدنی سورت (البقرۃ) میں۔ لیکن ہر جگہ مختلف انداز سے بیان ہوا ہے اور ہر بار کسی نہ کسی نئی بات کا اس میں اضافہ ہوا ہے۔ حضور ﷺ کی دعوتی تحریک جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی' ہر دور کے مخصوص حالات کے سبب اس واقعے میں ہر دفعہ مزید تفصیلات شامل ہوتی گئیں۔ اس رکوع کے شروع میں جب اس قصے کا ذکر آیا ہے تو وہاں جمع کا صیغہ استعمال کر کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے: ﴿وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ٭ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ﴾

سورۃ البقرۃ کی متعلقہ آیات کی وضاحت کرتے ہوئے اس ضمن میں بعض اہم نکات زیر بحث آ چکے ہیں۔ یہاں پر مزید کچھ باتیں تشریح طلب ہیں۔ ایک تو شیطان کے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ورغلانے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کا سوال ہے کہ اس کی کیفیت کیا تھی۔ اس سلسلے میں جو باتیں یا مکالمات قرآن میں آئے ہیں ان سے یہ گمان ہرگز نہ کیا جائے کہ وہ اسی طرح ان کے درمیان وقوع پذیر بھی ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور پہچانتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا' بلکہ شیطان جیسے آج ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی نظروں سے بھی پوشیدہ تھا اور جس طرح آج ہمارے دلوں میں شیطانی وسوسے جنم لیتے ہیں اسی طرح ان کے دلوں میں بھی وسوسے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرا اہم نکتہ ایک خاص ممنوعہ پھل کے چکھنے اور اس کی ایک خاص تاثیر کے بارے میں ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں اس کی تفصیل اس طرح ملتی ہے کہ اس پھل کے چکھنے پر ان کی شرمگاہیں نمایاں ہوگئیں۔ جہاں تک اس کیفیت کی حقیقت کا تعلق ہے تو اسے معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس حتمی اور قطعی علمی ذرائع نہیں ہیں' اس لیے اسے متشابہات میں ہی شمار کیا جائے گا۔ البتہ اس کے بارے میں مفسرین نے قیاس آرائیاں کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ پہلے انہیں اپنے اِن اعضاء کے بارے میں شعور نہیں تھا' مگر وہ پھل چکھنے کے بعد یہ شعور ان میں بیدار ہوگیا' یا یہ کہ پہلے انہیں جنت کا لباس دیا گیا تھا جو اس واقعے کے بعد اتر گیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ نیکی اور بدی کا درخت تھا جس کا پھل کھاتے ہی ان میں نیکی اور بدی کی تمیز پیدا ہوگئی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ دراصل آدمؑ اور حواؑ کے درمیان پہلا جنسی اختلاط (sexual act) تھا' جسے اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مختلف آراء ہیں' لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور ٹھوس علمی معلومات کے بغیر اس کے بارے میں کوئی قطعی اور حقیقی رائے قائم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ درخت کون سا تھا اور اسے چکھنے کی اصل حقیقت اور کیفیت کیا تھی۔

﴿وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ ''اور اُس نے کہا (وسوسہ اندازی کی) کہ نہیں روکا ہے آپ دونوں کو آپ کے رب نے اس درخت سے مگر اسی لیے کہ کہیں آپ فرشتے نہ بن جائیں یا کہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جائیں۔''

یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ فرشتوں کو تو آدمؑ کے سامنے جھکایا گیا تھا تو اس کے بعد آپؑ کے لیے فرشتہ بن جانا کون سی بڑی بات تھی' لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو نسیان ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اصل حقیقت' اصل مقام کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات گویا شیطان نے وسوسے کے انداز سے ان کے ذہنوں میں ڈالنے کی کوشش کی کہ اس شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا کر تم فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہو گے اور تم پر موت طاری نہ ہوگی۔

آیت ۲۱ ﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ ''اور اُس نے قسمیں کھا کھا کر اُن کو یقین دلایا کہ میں آپ دونوں کے لیے بہت ہی خیر خواہ ہوں۔''

آیت ۲۲ ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ﴾ ’’تو اُس نے دھوکہ دے کر انہیں مائل کر ہی لیا۔‘‘

﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ﴾ ’’تو جب ان دونوں نے چکھ لیا اس درخت کے پھل کو تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ لگے گانٹھنے جنت کے (درختوں کے) پتوں کو اپنے اوپر (لباس بنانے کے لیے)‘‘

اپنی عریانی کا احساس ہونے کے بعد وہ جنت کے درختوں کے پتوں کو آپس میں سی کر یا جوڑ کر اپنے اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کرنے لگے۔

﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾﴾ ’’اور اب آواز دی ان دونوں کو ان کے رب نے کہ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا اس درخت سے اور کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾﴾

’’(اس پر) وہ دونوں پکار اُٹھے کہ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر، اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔‘‘

یعنی ہم اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ یہ وہی کلمات ہیں جن کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۳۷) میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ﴾ یعنی آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے اور ان کے ذریعے سے معافی مانگی تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ وہاں اس ضمن میں صرف اشارہ کیا گیا تھا، یہاں وہ کلمات بتا دیے گئے ہیں۔ اس سارے واقعے میں ایک اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن میں کہیں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ ابلیس نے یہ وسوسہ ابتدا میں اماں حواؑ کے دل میں ڈالا تھا۔ اس سلسلے میں عام طور پر ہمارے ہاں جو کہانیاں موجود ہیں ان کی رو سے شیطان کے بہکاوے میں پہلے حضرت حوا آئیں اور پھر وہ حضرت آدمؑ کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنیں۔ لیکن قرآن اس امکان کی نفی کرتا ہے۔ آیاتِ زیرِ نظر کے مطالعے سے تو ان دونوں کا بہکاوے میں آ جانا بالکل واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں قرآن مسلسل تثنیہ کا صیغہ استعمال کر رہا ہے۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا، دونوں اس کے بہکاوے میں آ گئے اور پھر دونوں نے اللہ سے معافی مانگی اور اللہ نے دونوں کو معاف کر دیا۔

حضرت حواؑ کے شیطان کے بہکاوے میں آنے والی کہانیوں کی ترویج دراصل عیسائیت کے زیر اثر ہوئی ہے۔ عیسائیت میں عورت کو گناہ اور برائی کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Eve (حوا) سے لفظ evil ان کے ہاں برائی کا ہم معنی قرار پایا ہے۔ عیسائیت میں شادی کرنا اور عورت سے قربت کا تعلق ایک گھٹیا فعل تصور کیا جاتا تھا، جبکہ تجرد کی زندگی گزارنا اور رہبانیت کے طور طریقوں کو ان کے ہاں روحانیت کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ نتیجتاً ان کے ہاں اس طرح کی کہانیوں نے جنم لیا، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمؑ کو جنت سے نکلوانے اور ان کی آزمائشوں اور مصیبتوں کا باعث بننے والی دراصل ایک عورت تھی۔ بہر حال ایسے تصورات اور نظریات کی تائید

قرآن مجید سے نہیں ہوتی۔

آیت ۲۴ ﴿قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا تم سب اُتر جاؤ (اب) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔''

ھُبُوط کے بارے میں سورۃ البقرۃ آیت ۳۶ میں وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ لفظ صرف بلندی سے نیچے اترنے کے معنی کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ جس دشمنی کا ذکر یہاں کیا گیا وہ حضرت آدم کے ہبوطِ ارضی کے وقت سے آج تک شیطان کی ذرّیت اور آدمؑ کی اولاد کے درمیان مسلسل چلی آ رہی ہے اور قیامت تک چلتی رہے گی۔ اس کے علاوہ اس سے بنی نوع انسان کی باہمی دشمنیاں بھی مراد ہیں جو مختلف افراد اور اقوام کے درمیان پائی جاتی ہیں۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾﴾ ''اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ ہے اور (ضرورت کا) ساز و سامان بھی ایک وقتِ معیّن تک۔''

یہ ٹھکانہ اور مال و متاع ابدی نہیں ہے' بلکہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔ اب تمہیں اس زمین پر رہنا بسنا ہے اور وہاں رہنے بسنے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں وہ وہاں پر فراہم کر دی گئی ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾﴾ ''پھر فرمایا کہ (اب) تم اسی (زمین) میں زندگی گزارو گے' اسی میں مرو گے اور اسی میں سے تمہیں نکال لیا جائے گا۔''

آیات ۲۶ تا ۳۱

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ع

آیت ۲۶ ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ﴾ ''اے آدمؑ کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے اور آرائش وزیبائش کا سبب بھی ہے۔''

عربوں کے ہاں زمانۂ جاہلیت کے غلط رسم ورواج اور نظریات میں سے ایک راہبانہ نظریہ یا تصور یہ بھی تھا کہ لباس انسانی جسم کے لیے خواہ مخواہ کا تکلّف ہے اور یہ شرم کا احساس جو انسان نے اپنے اوپر اوڑھ رکھا ہے یہ بھی انسان کا خود اپنا پیدا کردہ ہے۔ اس نظریے کے تحت ان کے مرد اور عورتیں مادر زاد ننگے ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نفیٔ ذات (self annihiliation) کا بہت بڑا مظاہرہ تھا اور یوں اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک خاص ذریعہ بھی۔ اس طرح کے خیالات ونظریات بعض معاشروں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بعض ملنگ قسم کے لوگ لباس پر عریانی کو ترجیح دیتے ہیں' جبکہ عوام الناس عام طور پر ایسے لوگوں کو اللہ کے مقرّب بندے سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں دراصل ایسے جاہلانہ نظریات کی نفی کی جارہی ہے کہ تمہارے لیے لباس کا تصور اللہ کا ودیعت کردہ ہے۔ یہ نہ صرف تمہاری ستر پوشی کرتا ہے بلکہ تمہارے لیے زیب وزینت کا باعث بھی ہے۔

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ﴾ ''اور (اس سے بڑھ کر) تقویٰ کا لباس جو ہے وہ سب سے بہتر ہے۔''

سب سے بہتر لباس تقویٰ کا لباس ہے' اگر یہ نہ ہو تو بسا اوقات انسان لباس پہن کر بھی ننگا ہوتا ہے' جیسا کہ انتہائی تنگ لباس' جس میں جسم کے نشیب وفراز ظاہر ہو رہے ہوں یا عورتوں کا اس قدر باریک لباس جس میں جسم جھلک رہا ہو۔ ایسا لباس پہننے والی عورتوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ''كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں' یعنی جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ عورتیں جنت میں داخل ہونا تو درکنار' جنت کی ہوا بھی نہ پاسکیں گی' جبکہ جنت کی ہوا پانچ سو سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو جاتی ہے[1]۔ چنانچہ لِبَاسُ التَّقْوٰی سے مراد ایک طرف تو یہ ہے کہ انسان جو لباس زیب تن کرے وہ حقیقی معنوں میں تقویٰ کا مظہر ہو اور دوسری طرف یہ بھی کہ انسانی شخصیت کی اصل زینت وہ لباس ہے جس کا تانا بانا شرم وحیا اور خدا خوفی سے بنتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶﴾ ''یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت اخذ کریں۔''

آیت ۲۷ ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ﴾ ''اے بنی آدم (دیکھو اب) شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے' جیسے کہ تمہارے والدین کو اُس نے جنت سے نکلوا دیا تھا (اور) اُس نے اُتروا دیا تھا ان سے ان کا لباس' تاکہ ان پر عیاں

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب اللباس والزینۃ' باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔ وموطأ مالك' کتاب الجامع' باب ما یکرہ للنساء لبسه من الثیاب۔ راوی: ابوہریرۃ ؓ۔

کر دے ان کی شرمگاہیں۔''

﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط﴾ ''یقیناً وہ اور اس کی ذریت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔''

چونکہ ابلیس کو اللہ کی طرف سے قیامت تک چھوٹ ملی ہوئی ہے لہٰذا وہ نہ صرف مسلسل زندہ ہے' بلکہ اس نے اپنی اولاد اور اپنے نمائندوں کو اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انسانوں کے درمیان پھیلا رکھا ہے۔ یہ جن شیاطین چونکہ غیر مرئی (invisible) مخلوق ہیں اس لیے وہ ایسی ایسی جگہوں پر ہماری گھات میں بیٹھے ہوتے ہیں اور ایسے ایسے طور طریقوں سے حملہ آور ہوتے ہیں جس کا ہلکا سا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷﴾ ''ہم نے تو شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

جیسے گندگی اور مکھی کا فطری ساتھ ہے ایسے ہی شیطان اور منکرینِ حق کا یارانہ ہے۔ جس دل میں ایمان نہیں ہوگا اور وہ اللہ کے ذکر کے نور سے محروم ہوگا' وہ ''خانۂ خالی را دیومی گیرد'' کے مصداق شیطان ہی کا اڈہ بنے گا۔

آیت ۲۸ ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ط﴾ ''اور جب یہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے پایا ہے یہی کچھ کرتے ہوئے اپنے آباء و اَجداد کو' اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔''

یہ لوگ جب ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو اس شرمناک فعل کا جواز پیش کرتے ہوئے کہتے کہ ہم نے اپنے آباء و اَجداد کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے اور یقیناً اللہ ہی نے اس کا حکم دیا ہوگا۔ یہ گویا ان کے نزدیک ایک ٹھوس' قرائنی شہادت (circumstantial evidence) تھی کہ جب ایک رِیت اور رسم چلی آ رہی ہے تو یقیناً یہ سب کچھ اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق ہی ہو رہا ہوگا۔

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا' تو کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ کچھ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔''

آیت ۲۹ ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ''آپؐ کہیے کہ میرے ربّ نے تو حکم دیا ہے انصاف (اور عدل و توازن) کا' اور اپنے رُخ سیدھے کر لیا کرو ہر نماز کے وقت''

مسجد اسمِ ظرف ہے اور یہ ظرفِ زمان بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی۔ بطور ظرفِ مکان سجدے کی جگہ مسجد ہے اور بطور ظرفِ زمان سجدے کا وقت مسجد ہے۔

﴿وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط﴾ ''اور اُسی کو پکارا کرو اُسی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

یعنی اللہ کو پکارنے‘ اس سے دعا کرنے کی ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کیا جائے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶ میں روزے کے احکام اور حکمتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ﴾ کہ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں‘ اُس کی دعا کو قبول کرتا ہوں‘ لیکن انہیں بھی تو چاہیے کہ میرا کہنا مانیں —— اور یہ کہنا ماننا یا اطاعت جزوی طور پر قابل قبول نہیں‘ بلکہ اس کے لیے ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸) کا معیار سامنے رکھنا ہوگا‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہونا ہوگا۔ لہٰذا اس حوالے سے یہاں فرمایا گیا کہ اپنی اطاعت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اسے پکارو۔ یعنی اس کی اطاعت کے دائرے کے اندر کُلی طور پر داخل ہوتے ہوئے اس سے دعا کرو۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار اطاعتوں سے سابقہ پڑتا ہے‘ والدین کی اطاعت‘ اساتذہ کی اطاعت‘ اولوالامر کی اطاعت وغیرہ۔ تو اس میں بنیادی طور پر جو اصول کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ ”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ“۔ یعنی مخلوق میں سے کسی کی ایسی اطاعت نہیں کی جائے گی جس میں خالق حقیقی کی معصیت لازم آتی ہو۔ اللہ کی اطاعت سب سے اوپر اور سب سے برتر ہے۔ اس کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے باقی سب اطاعتیں ہو سکتی ہیں‘ مگر جہاں کسی کی اطاعت میں اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ایسی اطاعت ناقابل قبول اور حرام ہوگی۔

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾﴾ ”جیسے اُس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ بھی پیدا ہو جاؤ گے۔“

آیت ۳۰ ﴿فَرِیْقًا هَدٰى وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ﴾ ”ایک گروہ کو اُس نے ہدایت دے دی ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس کے اوپر گمراہی مسلّط ہو چکی ہے۔“

یعنی جنہوں نے انکار کیا اور پھر اس انکار پر ڈٹ گئے وہ اپنی اس متعصّبانہ روش کی وجہ سے‘ اپنی ضد اور اپنی ہٹ دھرمی کے سبب‘ اپنے حسد اور تکبّر کے باعث گمراہی کے مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾﴾ ”(اور یہ اس لیے کہ) انہوں نے شیطانوں کو اپنا ساتھی بنا لیا اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔“

آیت ۳۱ ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ”اے آدمؑ کی اولاد! اپنی زینت استوار کیا کرو ہر نماز کے وقت“

یہاں اچھے لباس کو زینت کہا گیا ہے‘ جیسا کہ آیت ۲۶ میں لباس کو رِیْشًا فرمایا گیا تھا‘ یعنی لباس انسان کے لیے زیب و زینت کا ذریعہ ہے۔ یہاں ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ ابھی جن تین آیات (۲۶‘ ۲۷ اور ۳۱) میں لباس کا ذکر ہوا ہے‘ ان تینوں میں بنی آدم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس کا معاملہ پوری نوعِ انسانی سے متعلق ہے۔ بہرحال اس آیت میں جو اہم حکم دیا جا رہا ہے وہ نماز کے وقت بہتر لباس زیب تن کرنے کے بارے میں ہے۔ ہمارے ہاں اس سلسلے میں عام طور پر اُلٹی روش چلتی ہے۔ دفتر اور عام میل

ملاقات کے لیے تو عموماً بہت اچھے لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے' لیکن مسجد جانا ہو تو میلے کچیلے کپڑوں سے ہی کام چلا لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب تمہیں میرے دربار میں آنا ہو تو پورے اہتمام کے ساتھ آیا کرو' اچھا اور صاف ستھرا لباس پہن کر آیا کرو۔

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ ''اور کھاؤ اور پیو البتہ اسراف نہ کرو' یقیناً وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

بنی آدم سے کہا جا رہا ہے کہ یہ دنیا کی چیزیں تمہارے لیے ہی بنائی گئیں ہیں اور ان چیزوں سے جائز اور معروف طریقوں سے استفادہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے' لیکن اللہ کی عطا کردہ ان نعمتوں کے بے جا استعمال اور اسراف سے اجتناب بھی ضروری ہے' کیونکہ اسراف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہاں ایک طرف تو اسی رہبانی نظریہ کی نفی ہو رہی ہے جس میں اچھے کھانے' اچھے لباس اور زیب وزیبائش کو سرے سے اچھا نہیں سمجھا جاتا اور مفلسانہ وضع قطع اور ترکِ لذات کو روحانی ارتقاء کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے' جبکہ دوسری طرف دُنیوی نعمتوں کے بے جا اسراف اور ضیاع سے سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں افراط وتفریط سے بچنے کے لیے ضروریاتِ زندگی کے اکتساب وتصرّف کے معیار اور فلسفے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی رہتا بستا ہے اس کو دو صورتوں میں سے ایک صورت حال درپیش ہوسکتی ہے۔ اس کے ملک میں یا تو دین غالب ہے یا مغلوب۔ اب اگر آپ کے ملک میں اللہ کا دین مغلوب ہے تو آپ کا پہلا فرض یہ ہے کہ آپ اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجہد کریں اور اس کے لیے کسی باقاعدہ تنظیم میں شامل ہو کر اپنا بیشتر وقت اور صلاحیتیں اس جدّوجہد میں لگائیں۔ ایسی صورت حال میں دُنیوی طور پر ترقی کرنا اور پھلنا پھولنا آپ کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہونا چاہیے' بلکہ آپ کی پہلی ترجیح دین کے غلبے کے لیے جدوجہد ہونی چاہیے اور آپ کا ماٹو ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الانعام) ہونا چاہیے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مادی لحاظ سے بہت بہتر معیارِ زندگی کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ یہ اس لیے نہیں ہوگا کہ آپ رہبانیت یا ترکِ لذّات کے قائل ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دُنیا اور دُنیوی آسائشیں کمانے کے لیے نہ آپ کوشاں ہیں اور نہ ہی اس کے لیے آپ کے پاس وقت ہے۔ آپ تو شعوری طور پر ضروریاتِ زندگی کو کم سے کم معیار پر رکھ کر اپنی تمام تر صلاحیتیں' اپنا وقت اور اپنے وسائل دین کی سربلندی کے لیے کھپا رہے ہیں۔ یہ رہبانیت نہیں ہے بلکہ ایک مثبت جہادی نظریہ ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سختیاں جھیلیں اور اپنے گھربار اسی دین کی سربلندی کے لیے چھوڑے۔ کیونکہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتوں کو نازل نہیں کرے گا' بلکہ یہ کام انسانوں نے کرنا ہے' مسلمانوں نے کرنا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ انقلاب کے داعی بنے ہیں انہیں قربانیاں دینا پڑی ہیں' انہیں سختیاں اٹھانا پڑی ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی انقلاب قربانیوں کے بغیر نہیں آتا۔ لہٰذا اگر آپ واقعی اپنے دین کو غالب کرنے کے لیے انقلاب کے داعی بن کر نکلے ہیں تو آپ کا معیارِ زندگی خود بخود کم سے کم ہوتا چلا جائے گا۔

البتہ اگر آپ کے ملک میں دین غالب ہو چکا ہے‘ نظامِ خلافت قائم ہو چکا ہے‘ اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آ چکی ہے تو دین کی مزید نشر و اشاعت‘ دعوت و تبلیغ اور نظامِ خلافت کی توسیع‘ عوامی فلاح و بہبود کی نگرانی‘ امن و امان کا قیام‘ ملکی سرحدوں کی حفاظت‘ یہ سب حکومت اور ریاست کی ذمہ داریاں ہیں۔ ایسی اسلامی ریاست میں ایک فرد کی ذمہ داری صرف اسی حد تک ہے جس حد تک حکومت کی طرف سے اسے مکلف کیا جائے۔ وہ کسی ٹیکس کی صورت میں ہو یا پھر کسی اور نوعیت کی ذمہ داری ہو۔ لیکن ایسی صورتِ حال میں ایک فرد‘ ایک عام شہری آزاد ہے کہ وہ دین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ذاتی زندگی اپنی مرضی سے گزارے۔ اچھا کمائے‘ اپنے بچوں کے لیے بہتر معیارِ زندگی اپنائے‘ دُنیوی ترقی کے لیے محنت کرے‘ علمی و تحقیقی میدان میں اپنی صلاحیتوں کو آزمائے یا روحانی ترقی کے لیے مجاہدہ کرے‘ تمام راستے اس کے لیے کھلے ہیں۔

آیات ۳۲ تا ۳۹

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ‌ؕ قُلۡ هِىَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الۡـفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَالۡاِثۡمَ وَالۡبَـغۡىَ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ‌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً‌ وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ۝ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ‌ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَاۤ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ يَنَالُهُمۡ نَصِيۡبُهُمۡ مِّنَ الۡـكِتٰبِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ‌ ۙ قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ۝ قَالَ ادۡخُلُوۡا فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ فِى النَّارِ‌ؕ كُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوۡا فِيۡهَا جَمِيۡعًا ۙ قَالَتۡ اُخۡرٰٮهُمۡ لِاُوۡلٰٮهُمۡ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۤءِ اَضَلُّوۡنَا فَاٰتِهِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَقَالَتۡ اُوۡلٰٮهُمۡ لِاُخۡرٰٮهُمۡ فَمَا كَانَ لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ۝ ع۸

آیت ۳۲ ﴿قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ‌ؕ قُلۡ هِىَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

﴿فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے؟ اور (کس نے حرام کی ہیں) پاکیزہ چیزیں کھانے کی؟ آپ کہہ دیجیے یہ تمام چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اہلِ ایمان کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو یہ خالصتاً ان ہی کے لیے ہوں گی۔''

دُنیا میں رہتے ہوئے تو بے شک اللہ کے منکرین بھی اس کی نعمتوں میں سے کھا پی لیں' استفادہ کر لیں مگر آخرت میں یہ تمام پاکیزہ چیزیں اور نعمتیں اہلِ ایمان اور اہلِ جنت کے لیے مختص ہوں گی اور کفار کو ان میں سے کوئی چیز نہیں ملے گی۔

﴿کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کی وضاحت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَ مَا بَطَنَ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میرے ربّ نے تو حرام قرار دیا ہے بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ چھپی ہوئی ہوں''

بے حیائی خواہ چھپی ہوئی بھی ہو' اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

﴿وَ الۡاِثۡمَ وَ الۡبَغۡیَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ﴾ ''اور (حرام کیا ہے اُس نے) گناہ کو اور ناحق زیادتی کو'

﴿وَ اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا وَّ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾﴾

''اور یہ (بھی حرام ٹھہرایا ہے) کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ (کسی ایسی چیز کو) جس کے لیے اس نے کوئی سند نہیں اتاری ہے اور یہ بھی کہ تم اللہ کی طرف منسوب کرو وہ چیز جس کا تم علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۳۴ ﴿وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ ۚ﴾ ''اور ہر قوم کے لیے ایک وقت معیّن ہے۔''

یعنی جب بھی کبھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول آتا' تو ایک مقررہ مدت تک اس قوم کو مہلت میسّر ہوتی کہ وہ اس مدتِ مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے رسولؑ کی دعوت پر لبیک کہے اور صحیح راستے پر آ جائے۔ اس مقررہ مدت کے دوران اس قوم کی نافرمانیوں کو نظر انداز کیا جاتا اور اُن پر عذاب نہیں آتا تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں بھی یہی معاملہ درپیش تھا۔ اہلِ مکہ کو مشیتِ خداوندی کے تحت مہلت دی جا رہی تھی۔ دوسری طرف حق و باطل کی تھکا دینے والی کشمکش میں اہلِ ایمان کی خواہش تھی کہ کفار کا فیصلہ جلد از جلد چکا دیا جائے۔ اہلِ ایمان کے ذہنوں میں لازماً یہ سوال بار بار آتا تھا کہ آخر کفار کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے! اس پس منظر میں اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اہل ایمان کا خیال اپنی جگہ درست سہی' لیکن ہماری حکمت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ ہم نے اپنے رسول (ﷺ) کو مبعوث فرمایا ہے تو ساتھ ہی اس قوم کے لیے مہلت کی ایک خاص مدت بھی مقرر کی ہے۔ اس مقررہ گھڑی سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ ہاں جب وہ گھڑی (اجل) آ جائے گی تو پھر ہمارا فیصلہ موٴخر نہیں ہوگا۔ سورۃ الانعام کی آیت ۵۸ میں اسی حوالے سے فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) آپ کفار پر واضح کر دیں کہ اگر میرے اختیار میں وہ چیز ہوتی جس کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان یہ

فیصلہ کب کا چکایا جا چکا ہوتا۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۳۴﴾﴾ ’’پھر جب اُن کا وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے‘ نہ آگے کی طرف سرک سکیں گے۔‘‘

اب وہ بات آ رہی ہے جو ہم سورۃ البقرۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ وہاں آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجتے ہوئے فرمایا گیا تھا: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۹﴾﴾۔ اسی بات کو یہاں ایک دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۳۵﴾﴾ ’’اے بنی آدم! جب بھی تمہارے پاس آئیں رسول تم ہی میں سے جو تمہیں میری آیات سنائیں‘ تو جو کوئی بھی (ان کی دعوت کے جواب میں) تقویٰ کی روش اختیار کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی غم سے دوچار ہوں گے۔‘‘

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۶﴾﴾ ’’اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبرّ کی بنا پر انہیں رد کر دیں گے وہی جہنمی ہوں گے‘ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

آیت ۳۷ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ﴾ ’’پھر اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے۔‘‘

﴿اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ﴾ ’’(لیکن دنیا میں) ان کو ملتا رہے گا اُن کا حصہ‘ اس میں سے جو (ان کے لیے) لکھا گیا ہے۔‘‘

دنیا میں رزق وغیرہ کا جو معاملہ ہے وہ ان کے کفر کی وجہ سے منقطع نہیں ہوگا‘ بلکہ دُنیوی زندگی میں وہ انہیں معمول کے مطابق ملتا رہے گا۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں دوبارہ آئے گا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) آ جائیں گے ان (کی روحوں) کو قبض کرنے کے لیے تو وہ کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا؟‘‘

اب کہاں ہیں وہ تمہارے خود ساختہ معبود جن کے سامنے تم ماتھے رگڑتے تھے اور جن کے آگے گڑگڑاتے ہوئے دعائیں کیا کرتے تھے؟

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴿۳۷﴾﴾ ’’وہ کہیں گے کہ وہ سب تو ہم سے گم ہو گئے‘ اور وہ خود اپنے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ واقعتاً وہ کافر تھے۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿قَالَ ادۡخُلُوۡا فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ فِی النَّارِ﴾ ’’کہا جائے گا اچھا شامل ہو جاؤ جنّوں اور انسانوں کی ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں آگ میں (داخل ہونے کے لیے)۔‘‘

یعنی ایک ایک قوم کا حساب ہوتا جائے گا اور مجرمین جہنم کے اندر جھونکے جاتے رہیں گے۔ پہلی نسل کے بعد دوسری نسل' پھر تیسری نسل وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اب وہاں ان میں مکالمہ ہوگا۔ بعد میں آنے والی ہر نسل کے مقابلے میں پہلی نسل کے لوگ بڑے مجرم ہوں گے' کیونکہ جو لوگ بدعات اور غلط عقائد کے موجد ہوتے ہیں اصل اور بڑے مجرم تو وہی ہوتے ہیں' ان ہی کی وجہ سے بعد میں آنے والی نسلیں بھی گمراہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں اہلِ جہنم کے جو مکالمات مذکور ہیں ان کے مطابق بعد میں آنے والے لوگ اپنے پہلے والوں پر لعنت کریں گے اور کہیں گے کہ تمہاری وجہ سے ہی ہم گمراہ ہوئے' لہٰذا تم لوگوں کو تو دوگنا عذاب ملنا چاہیے۔ اس طریقے سے وہ آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے اور جھگڑیں گے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا﴾ ’’جب بھی کوئی امت (جہنم میں) داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری اُمت پر لعنت کرے گی۔‘‘

﴿حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوۡا فِیۡهَا جَمِیۡعًا قَالَتۡ اُخۡرٰىهُمۡ لِاُوۡلٰىهُمۡ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوۡنَا﴾ ’’یہاں تک کہ جب اس میں گر چکیں گے سب کے سب تو ان کے پچھلے کہیں گے اپنے اگلوں کے بارے میں کہ اے ہمارے ربّ! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا‘‘

دنیا میں تو یہ لوگ اپنی نسلوں کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ ہمارے آباء واَجداد تھے' ہمارے قابلِ احترام اسلاف تھے۔ یہ طور طریقے انہی کی ریتیں ہیں' انہی کی روایتیں ہیں اور ان کی ان روایتوں کو ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ لیکن وہاں جہنم میں اپنے انہیں آباء واَجداد کے بارے میں وہ علی الاعلان کہہ دیں گے کہ اے اللہ! یہی ہیں وہ بدبخت جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔

﴿فَاٰتِهِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا مِّنَ النَّارِ﴾ ’’تو ان کو تو دوگنا عذاب دے آگ میں سے۔‘‘

﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ’’اللہ فرمائے گا (تم) سب کے لیے ہی دوگنا (عذاب) ہے' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔‘‘

جیسے یہ لوگ تمہیں گمراہ کر کے آئے تھے ویسے ہی تم بھی اپنے بعد والوں کو گمراہ کر کے آئے ہو اور یہ سلسلہ دُنیا میں اسی طرح چلتا رہا۔ یہ تو ہر ایک کو اُس وقت چاہیے تھا کہ اپنی عقل سے کام لیتا۔ میں نے تم سب کو عقل دی تھی' دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں دی تھیں' نیکی اور بدی کا شعور دیا تھا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ ان صلاحیتوں سے کام لے کر برے بھلے کا خود تجزیہ کرتے اور اپنے آباء واَجداد اور لیڈروں کی اندھی تقلید نہ کرتے۔ لہٰذا تم میں سے ہر شخص اپنی تباہی و بربادی کا خود ذمہ دار ہے۔

آیت ۳۹ ﴿وَقَالَتۡ اُوۡلٰىهُمۡ لِاُخۡرٰىهُمۡ فَمَا كَانَ لَكُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ

تَکْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ''اور ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے کہ تمہیں بھی تو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہو سکی' لہٰذا اب چکھو مزہ عذاب کا اپنے کرتوتوں کے بدلے میں۔''

آیات ۴۰ تا ۴۳

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ لَھُمْ مِّنْ جَھَنَّمَ مِھَادٌ وَّمِنْ فَوْقِھِمْ غَوَاشٍ ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَاۤ ۡ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا ۟ وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کی بنا پر ان کو رد کیا' ان کے لیے آسمان کے دروازے کبھی نہیں کھولے جائیں گے''

اگرچہ یہ بات حتمیت سے نہیں کہی جا سکتی' تاہم قرآن مجید میں کچھ اس طرح کے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم اِسی زمین پر برپا ہوگی اور ابتدائی نُزُل (مہمانی) والی جنت بھی یہیں پر بسائی جائے گی۔ ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾﴾ (الانشقاق) کی عملی کیفیت کو ذہن میں لانے سے یہ نقشہ تصور میں یوں آتا ہے کہ زمین کو جب کھینچا جائے گا تو یہ پچک جائے گی' جیسے ربڑ کی گیند کو کھینچا جائے تو وہ اندر کو پچک جاتی ہے۔ اس عمل میں زمین کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا جو جہنم کی شکل اختیار کر لے گا (واللہ اعلم)۔ احادیث میں مذکور ہے کہ روزِ محشر میدانِ عرفات کو کھول کر وسیع کر دیا جائے گا اور یہیں پر حشر ہوگا۔ قرآن حکیم میں ﴿وَّجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾﴾ (الفجر) کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ پروردگار شانِ اجلال کے ساتھ نزول فرمائیں گے' فرشتے بھی فوج در فوج آئیں گے اور یہیں پر حساب کتاب ہوگا۔ گویا ''قصۂ زمین برسرِ زمین'' والا معاملہ ہوگا۔ اہلِ بہشت کی ابتدائی مہمان نوازی بھی یہیں ہوگی' لیکن پھر اہلِ جنت اپنے مراتب کے اعتبار سے درجہ بدرجہ اوپر کی جنتوں میں چڑھتے چلے جائیں گے' جبکہ اہلِ جہنم یہیں کہیں رہ جائیں گے' ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے ہی نہیں جائیں گے۔

﴿وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ﴾ ''اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گزر جائے۔''

اسے کہتے ہیں ''تعلیق بالمحال''۔ نہ یہ ممکن ہوگا کہ سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ گزر جائے اور نہ ہی کفار کے لیے جنت میں داخل ہونے کی کوئی صورت پیدا ہوگی۔ بالکل یہی محاورہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک جگہ استعمال کیا ہے۔ آپؑ کے پاس ایک دولت مند شخص آیا اور پوچھا کہ آپؑ کی تعلیمات کیا ہیں؟ جواب میں آپؑ نے نماز پڑھنے' روزہ رکھنے' غریبوں پر مال خرچ کرنے اور دوسرے نیک کاموں کے بارے میں بتایا۔ اس شخص نے کہا کہ نیکی کے یہ کام تو میں سب کرتا ہوں' آپ بتایئے اور میں کیا کروں؟ آپؑ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم نے یہ ساری منزلیں طے کر لی ہیں تو اب آخری منزل یہ ہے کہ اپنی صلیب اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو! یعنی حق و باطل کی کشمکش میں جان و مال سے میرا ساتھ دو۔ یہ سن کر اس شخص کا چہرہ لٹک گیا اور وہ چلا گیا۔ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا ممکن ہے مگر کسی دولت مند شخص کا اللہ کی بادشاہت میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہاں یہ واقعہ قرآن میں مذکور محاورے کے حوالے سے برسبیل تذکرہ آ گیا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کو کسی معاملے میں بطورِ دلیل پیش کرنا مقصود نہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو۔''

آیت ۴۱ ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱﴾ ''ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے اسی کا اوڑھنا ہوگا۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیں گے۔''

آگ کے گدے ہوں گے بچھانے کے لیے اور اسی کے لحاف ہوں گے اوڑھنے کے لیے۔ اور اسی آگ کے اندر ان کا گزر بسر ہوگا۔

آیت ۴۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے —— ہم کسی جان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے مگر اس کی وسعت کے مطابق —— وہی ہوں گے جنت والے' اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آخری آیت میں بھی آ چکا ہے۔ اب یہاں پھر دہرایا گیا ہے کہ آخرت کا محاسبہ انفرادی طور پر ہوگا اور ہر فرد کی صلاحیتوں اور اُس کو ودیعت کی گئی نعمتوں کے عین مطابق ہوگا۔ کسی کی استطاعت سے زیادہ کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی جائے گی۔

آیت ۴۳ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ''اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں ہوگا (ایک دوسرے کی طرف سے) کوئی میل''

اہلِ ایمان بھی آخر انسان ہیں۔ باہمی معاملات میں ان کو بھی ایک دوسرے سے گلے اور شکوے ہو سکتے ہیں اور دلوں میں شکوک و شبہات جنم لے سکتے ہیں۔ دینی جماعتوں کے اندر بھی کسی مامور کو امیر سے' امیر کو مامور سے یا ایک رفیق کو دوسرے رفیق سے شکایت ہو سکتی ہے۔ کچھ ایسے گلے شکوے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کی زندگی میں ختم نہ ہو سکے ہوں گے۔ ایسے گلے شکووں کے ضمن میں قرآن حکیم میں کئی مرتبہ فرمایا گیا کہ اہلِ جنت کو جنت

میں داخل کرنے سے پہلے ان کے دلوں کو ایسی تمام آلائشوں سے پاک کر دیا جائے گا اور وہ لوگ باہم بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے رو برو بیٹھیں گے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ (الحجر) اسی لیے اہلِ ایمان کو سورۃ الحشر میں یہ دعا بھی تلقین کی گئی ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اور ہمارے اُن بھائیوں کے گناہ معاف فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور اہلِ ایمان میں سے کسی کے لیے بھی ہمارے دل میں کوئی کدورت باقی نہ رہنے دے' بے شک تو رؤف اور رحیم ہے''۔ ان مضامین کی آیات کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی (خاص طور پر سورۃ الحجر' آیت ۴۷ کے شانِ نزول میں) منقول ہے کہ یہ میرا اور معاویہؓ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں داخل کرے گا تو دلوں سے تمام کدورتیں صاف کر دے گا۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان جنگیں ہوئی ہیں تو کتنی کچھ شکایتیں باہمی طور پر پیدا ہوئی ہوں گی۔ ایسی تمام شکایتیں اور کدورتیں وہاں دور کر دی جائیں گی۔

﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور اُن (کے بالا خانوں) کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔''

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ ''اور وہ کہیں گے کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا' اور ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔ یقیناً ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے۔''

﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور (تب) انہیں پکارا جائے گا کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنا دیے گئے ہو اپنے اعمال کی وجہ سے۔''

بندے کا مقامِ عبدیت اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اللہ کے انعام واکرام پر سراپا شکر بن کر پکار اٹھے کہ اے اللہ میں اس لائق نہیں تھا' میرے اعمال ایسے نہیں تھے' میں اپنی کوشش کی بنیاد پر کبھی بھی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا' یہ سارا تیرا فضل وکرم' تیری عطا اور تیری دین ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ بندے کے حسنِ نیت اور اعمالِ صالحہ کی قدر افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے' تو نے دنیا میں جو محنت کی تھی' یہ مقام تیری محنت کا انعام ہے' تیری کوشش کا ثمر ہے' تیرے ایثار کا صلہ ہے۔ تو نے خلوصِ نیت سے حق کا راستہ چُنا تھا' اس میں تو نے نقصان بھی برداشت کیا' باطل کا مقابلہ کرنے میں تکالیف بھی اٹھائیں۔ چنانچہ بندے کی کوشش ومحنت اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم دونوں چیزیں مل کر ہی بندے کی دائمی فلاح کو ممکن بناتی ہیں۔ ہم ایک نیک کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نیت کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اس کام کی توفیق دے دیتا ہے اور اسے ہمارے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اگر ہم ارادہ ہی نہیں کریں گے تو اللہ کی طرف سے توفیق بھی نہیں ملے گی۔ اسی طرح اللہ کی توفیق وتیسیر کے بغیر محض ارادے سے بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

آیات ۴۴ تا ۵۳

وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَیَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ۚ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ کٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَبَیۡنَہُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّۢا بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۟ لَمۡ یَدۡخُلُوۡہَا وَہُمۡ یَطۡمَعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُہُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡکُمۡ جَمۡعُکُمۡ وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُہُمُ اللّٰہُ بِرَحۡمَۃٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَہُمۡ لَہۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡہُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ نَنۡسٰہُمۡ کَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ یَوۡمِہِمۡ ہٰذَا ۙ وَمَا کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدۡ جِئۡنٰہُمۡ بِکِتٰبٍ فَصَّلۡنٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ ہُدًی وَّرَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِیۡلَہٗ ؕ یَوۡمَ یَاۡتِیۡ تَاۡوِیۡلُہٗ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ نَسُوۡہُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ فَہَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَیَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾

آیت ۴۴ ﴿وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ ’’اور جنتی لوگ پکار کر کہیں گے جہنمیوں سے کہ ہم نے تو وہ وعدہ بالکل سچا پایا ہے جو ہمارے ربّ نے ہم سے کیا تھا‘‘

جن نعمتوں کا اللہ نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ ہمیں مل گئیں۔ اللہ کا وعدہ ہمارے حق میں سچ ثابت ہوا۔

﴿فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ﴾ ’’تو کیا تم نے بھی سچا پایا ہے وہ وعدہ جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں!‘‘

اہلِ جہنم جواب دیں گے کہ ہاں! ہمارے ساتھ بھی جو وعدے کیے گئے تھے وہ بھی سب پورے ہو گئے۔ جو وعیدیں ہمیں دنیا میں سنائی جاتی تھیں‘ عذاب کی جو مختلف شکلیں بتائی جاتی تھیں‘ وہ سب کی سب حقیقت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے موجود ہیں اور اس وقت ہم ان میں گھرے ہوئے ہیں۔

﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴿۴۴﴾﴾ ''تو (اُس وقت) پکارے گا ایک پکارنے والا ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

آیت ۴۵ ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ﴾ ''وہ لوگ جو روکتے تھے (اور خود بھی رُکتے تھے) اللہ کے راستے سے اور اس (راستے) میں کجی نکالتے تھے''

نہ صرف یہ کہ وہ خود ایمان نہیں لائے تھے' بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ اگر کسی شخص کو محمد رسول اللہ ﷺ کی محفل کی طرف جاتے دیکھتے تو اسے ورغلانے اور بہکانے کے درپے ہوجاتے تھے کہ کہیں آپ ﷺ کی باتوں سے متاثر ہوکر ایمان نہ لے آئے۔

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ﴿۴۵﴾﴾ ''اور یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔''

آیت ۴۶ ﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ﴾ ''اور ان (جنتیوں اور جہنمیوں) کے مابین ایک پردے کی دیوار ہوگی۔''

اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ہونے والی اس نوعیت کی گفتگو کا نقشہ زیادہ واضح طور پر سورۃ الحدید میں کھینچا گیا ہے۔ وہاں (آیت نمبر ۱۳ میں) فرمایا گیا ہے: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ﴾ یعنی ایک طرف جنت اور دوسری طرف دوزخ ہوگی اور درمیان میں فصیل ہوگی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا۔

﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ﴾ ''اور دیوار کی برجیوں پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔''

یہ اصحابِ اعراف اہلِ جنت کو بھی پہچانتے ہوں گے اور اہلِ جہنم کو بھی۔ قلعوں کی فصیلوں کے اوپر جو بُرجیاں اور جھروکے بنے ہوتے ہیں جہاں سے تمام اطراف و جوانب کا مشاہدہ ہو سکے' انہیں ''عرف'' (جمع اَعراف) کہا جاتا ہے۔ دوزخ اور جنت کی درمیانی فصیل پر بھی کچھ برجیاں اور جھروکے ہوں گے جہاں سے جنت و دوزخ کے مناظر کا مشاہدہ ہو سکے گا۔ ان پر وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بین بین کے لوگ تھے' یعنی کسی طرف بھی یکسو ہو کر نہیں رہے تھے۔ ان کے اعمال ناموں میں نیکیاں اور بداعمالیاں برابر برابر ہوجائیں گی' جس کی وجہ سے ابھی انہیں جنت میں بھیجنے یا جہنم میں جھونکنے کا فیصلہ نہیں ہوا ہوگا اور انہیں اعراف پر ہی روکا گیا ہوگا۔

﴿وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ﴿۴۶﴾﴾ ''اور وہ (اصحابِ اعراف) جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ آپ پر سلامتی ہو! وہ اس (جنت میں) ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے' مگر انہیں اس کی بہت خواہش ہوگی۔''

وہ اہلِ جنت کو دیکھ کر انہیں بطور مبارک باد سلام کہیں گے اور ان کی اپنی شدید خواہش اور آرزو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جلد از جلد جنت میں داخل کر دے' جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

آیت ۴۷ ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴿۴۷﴾﴾ ''اور جب ان کی نگاہیں پھیری جائیں گی اہلِ جہنم کی طرف تو (اُس وقت) وہ کہیں گے

اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کر دیجیو۔“

جنت کے نظارے کے بعد ان کو جہنم کا منظر بھی دکھایا جائے گا‘ کہ اب ذرا جہنمیوں کی کیفیت کا بھی مشاہدہ کر لو۔ یہ لوگ ابھی تک ”بین الخوف والرجاء“ کی کیفیت میں ہوں گے۔ انہیں جنت میں داخلے کی امید بھی ہوگی اور جہنم میں جھونکے جانے کا خوف بھی۔ اس لیے جب وہ اہلِ جنت کی طرف دیکھیں گے تو انہیں سلام کریں گے اور ساتھ ہی ان کے دلوں میں اُمنگیں اور تمنائیں جاگ جائیں گی کہ اللہ ہمیں بھی ان کے ساتھ شامل کر دے۔ لیکن دوسری طرف جب اہلِ جہنم پر نظر پڑے گی تو فریاد کریں گے کہ پروردگار! ہم پر رحم فرمائیو اور ہمیں ان ظالم لوگوں کا ساتھی نہ بنائیو!

آیت ۴۸ ﴿وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِیۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ﴿۴۸﴾﴾ ”اور پکاریں گے اہلِ اعراف (اہلِ جہنم میں سے) ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی نشانی سے‘ کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آئی تمہاری جمعیت اور (نہ وہ) جو کچھ تم تکبر کیا کرتے تھے۔“

وہ انہیں یاد دلائیں گے کہ وہ تمہارے حاشیہ نشین‘ تمہارے وہ لاؤ لشکر‘ تمہارا وہ غرور وتکبر‘ وہ جاہ وحشم سب کہاں گئے؟ اے ابوجہل! یہ تیرے ساتھ کیا ہوا؟ اور اے ولید بن مغیرہ! یہ تیرا کیا انجام ہوا؟

آیت ۴۹ ﴿اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ﴾ ”کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ نہیں نوازے گا انہیں اللہ اپنی کسی رحمت سے!“

اصحابِ اعراف کو جنت والوں میں فقراءِ صحابہؓ بھی نظر آئیں گے‘ وہاں وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھیں گے‘ وہاں ان کی نظر حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ پر بھی پڑے گی۔ چنانچہ وہ ان اصحابِ جنت کی طرف اشارہ کر کے جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کسی طرح بھی ہم پر فضیلت نہیں دے سکتا‘ ان تک اللہ کی کوئی رحمت پہنچ ہی نہیں سکتی‘ کیونکہ تمہارے زعم میں تو وہ مفلس اور نادار تھے‘ گھٹیا طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور گرے پڑے لوگ تھے! اور تم تھے کہ اُس وقت ان کے مقابلے میں اپنی دولت‘ حیثیت‘ وجاہت اور طاقت کے بل پر اکڑا کرتے تھے۔

﴿اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ﴿۴۹﴾﴾ ”(ان سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں‘ نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم کسی غم سے دوچار ہو گے۔“

آیت ۵۰ ﴿وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ﴾ ”اور جہنم والے آواز دیں گے جنت والوں کو کہ کچھ تو بہا دو ہماری طرف پانی میں سے یا اس رزق میں سے (کچھ دے دو) جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔“

﴿قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الۡكٰفِرِیۡنَ﴿۵۰﴾﴾ ”وہ کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں

چیزیں (جنت کا پانی اور رزق) کافروں پر۔‘‘

اہلِ جنت جواب دیں گے کہ ہم تو شاید یہ چیزیں تم لوگوں کو دینا بھی چاہتے‘ کیونکہ ہماری شرافت سے تو یہ بعید تھا کہ تمہیں کورا جواب دیتے‘ لیکن کیا کریں‘ اللہ نے کافروں کے لیے جنت کی یہ سب چیزیں حرام کر دی ہیں‘ لہٰذا ہم یہ نعمتیں تمہاری طرف نہیں بھیج سکتے۔

آیت ۵۱ ﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ﴾ ’’(ان کے لیے) جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا لیا تھا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کر دیا تھا۔‘‘

﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ﴾ ’’لہٰذا آج کے دن ہم بھی انہیں نظر انداز کر دیں گے‘ جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا تھا‘‘

’’نسیان‘‘ کے ایک معنی تو ہیں بھول جانا‘ جبکہ اس کے دوسرے معنی ہیں جان بوجھ کر نظر انداز کرنا۔

﴿وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾﴾ ’’اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے تھے۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾﴾ ’’اور ہم لے آئے ہیں ان کے پاس ایک کتاب‘ جس کی ہم نے پوری تفصیل بیان کر دی ہے علم قطعی کی بنیاد پر‘ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئیں۔‘‘

آیت ۵۳ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ﴾ ’’یہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کی حقیقت کے مشاہدے کے!‘‘

یعنی کیا یہ لوگ آیاتِ عذاب کے عملی ظہور کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا یہ انتظار کر رہے ہیں کہ وقفۂ مہلت کا یہ بند ٹوٹ جائے اور واقعتاً ان کے اوپر عذاب کا دھارا چھوٹ پڑے۔ کیا یہ لوگ اس انجام کا انتظار کر رہے ہیں؟

﴿يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ﴾ ’’جس دن اس کا مصداق ظاہر ہو جائے گا تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پہلے اسے نظر انداز کیے رکھا تھا کہ یقیناً ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے۔‘‘

﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ﴾ تو کیا (اب) ہیں ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والے کہ ہماری شفاعت کریں یا کوئی صورت کہ ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو کچھ (پہلے) ہم کرتے رہے تھے!‘‘

﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٥٣﴾﴾ ’’وہ تو اپنے آپ کو برباد کر چکے اور جو افترا وہ کرتے رہے تھے وہ ان سے گم ہو گیا۔‘‘

اس دن وہ لوگ دوبارہ دنیا میں جانے کی خواہش کریں گے‘ لیکن تب انہیں اس طرح کا کوئی موقع فراہم کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

آیت ۵۴ تا ۵۸

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴

آیت ۵۴ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ''بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین چھ دنوں میں' پھر متمکن ہوا عرش پر۔''

عرش کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے کی کیفیت ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ اس کی اصل حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ ممکن ہے واقعتاً یہ کوئی مجسّم شے ہو اور کسی خاص جگہ پر موجود ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محض استعارہ ہو۔ عالمِ غیب کی خبریں دینے والی اس طرح کی قرآنی آیات مستقل طور پر آیاتِ متشابہات کے زمرے میں آتی ہیں۔ البتہ جن آیات میں بعض سائنسی حقائق بیان ہوئے ہیں' ان میں سے اکثر کی صداقت سائنسی ترقی کے باعث منکشف ہو چکی ہے' اور وہ ''محکمات'' کے درجے میں آ چکی ہیں۔ اس سلسلے میں آئندہ تدریجاً مزید پیش رفت کی توقع بھی ہے۔ (واللہ اعلم!)

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ ''وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر (یا رات کو ڈھانپ دیتا ہے دن سے) جو اُس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا''

دن رات کے پیچھے آتا ہے اور رات دن کے پیچھے آتی ہے۔

﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾ ''اور اُس نے سورج' چاند اور ستارے پیدا کیے جو اس کے حکم سے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔''

سورج' چاند اور ستاروں کے مسخّر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی قاعدہ یا قانون ان کے لیے مقرر کر دیا

گیا ہے‘ وہ اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾ ’’آ گاہ ہو جاؤ اُسی کے لیے ہے خلق اور (اُسی کے لیے ہے) امر۔‘‘

ان الفاظ کے دو مفہوم ذہن میں رکھیے۔ ایک تو بہت سادہ اور سطحی مفہوم ہے کہ یہ کائنات اللہ نے تخلیق کی ہے اور اب اس میں اسی کا حکم کارفرما ہے۔ یعنی احکامِ طبیعیہ بھی اُسی کے بنائے ہوئے ہیں جن کے مطابق کائنات کا نظام چل رہا ہے‘ اور احکامِ تشریعیہ بھی اُسی نے اتارے ہیں کہ یہ اوامر اور یہ نواہی ہیں‘ انسان ان کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ مگر اس کا دوسرا اور گہرا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں تخلیق دو سطح پر ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ دو الگ الگ عالم ہیں‘ ایک عالمِ خلق ہے اور دوسرا عالمِ امر۔ عالمِ امر میں عدمِ محض سے تخلیق (creation ex nihilio) ہوتی ہے اور اس میں تخلیق کے لیے بس ’’کُن‘‘ کہا جاتا ہے تو چیز وجود میں آ جاتی ہے (فَیَکُوْن)۔ اس کے لیے نہ وقت درکار ہے اور نہ کسی مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرشتوں‘ انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اسی لیے ان کے سفر کرنے کے لیے بھی کوئی وقت درکار نہیں ہوتا۔ فرشتہ آنکھ جھپکنے میں زمین سے ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔

دوسری طرف عالمِ خلق میں ایک شے سے کوئی دوسری شے طبعی قوانین اور ضوابط کے مطابق بنتی ہے۔ اس میں مادہ بھی درکار ہوتا ہے اور وقت بھی لگتا ہے۔ جیسے رحم مادر میں بچے کی تخلیق میں کئی ماہ لگتے ہیں۔ آم کی گٹھلی سے پودا اُگنے اور بڑھ کر درخت بننے کے لیے کئی سال کا وقت درکار ہوتا ہے۔ عالمِ خلق میں جب زمین اور آسمانوں کی تخلیق ہوئی تو قرآن کے مطابق یہ چھ دنوں میں مکمل ہوئی۔ (یہ آیت بھی ابھی تک متشابہات میں سے ہے‘ اگرچہ اس کے بارے میں اب جلد حقیقت منکشف ہونے کے امکانات ہیں۔) اس کی حقیقت کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے کہ ان چھ دنوں سے کتنا زمانہ مراد ہے۔ اس کا دورانیہ کئی لاکھ سال پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ خود قرآن کے مطابق ہمارا ایک دن اللہ کے نزدیک ایک ہزار سال کا بھی ہو سکتا ہے (سورۃ السجدۃ‘ آیت ۵) اور پچاس ہزار سال کا بھی (سورۃ المعارج‘ آیت ۴)۔

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ انتہائی پیچیدہ علمی نکتے کو بھی ایسے الفاظ اور ایسے پیرائے میں بیان کر دیتا ہے کہ ایک عمومی ذہنی سطح کا آدمی بھی اسے پڑھ کر مطمئن ہو جاتا ہے‘ جبکہ ایک فلسفی و حکیم انسان کو اسی نکتے کے اندر علم و معرفت کا بحرِ بے کراں موجزن نظر آتا ہے۔ چنانچہ پندرہ سو سال پہلے صحرائے عرب کے ایک بدو کو اس آیت کا یہ مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھن محسوس نہیں ہوئی ہو گی کہ یہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور اسی کو حق ہے کہ اس پر اپنا حکم چلائے۔ مگر جب ایک صاحبِ علمِ محقق اس لفظ ’’امر‘‘ پر غور کرتا ہے اور پھر قرآن مجید میں غوطہ زنی کرتا ہے کہ یہ لفظ ’’امر‘‘ قرآن مجید میں کہاں کہاں‘ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے‘ اور پھر ان تمام مطالب و مفاہیم کو آپس میں مربوط کر کے دیکھتا ہے تو اس پر بہت سے علمی حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ بہر حال عالمِ خلق ایک الگ عالم ہے اور عالمِ اَمر الگ‘ اور اِن دونوں کے قوانین و ضوابط بھی الگ الگ ہیں۔

﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴﴾ ’’بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴾ ''پکارتے رہا کرو اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے' یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

گویا زیادہ بلند آواز سے دعا مانگنا اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

آیت ۵۶ ﴿وَ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِہَا وَ ادۡعُوۡہُ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ؕ﴾ ''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ اور اللہ کو پکارا کرو خوف اور امید کے ساتھ۔''

اللہ کو پکارنے' اس سے دعا کرنے کے دو پہلو (dimensions) پہلے بتائے گئے کہ اللہ کو جب پکارو تو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے دل میں پکارو۔ اب اس ضمن میں مزید فرمایا گیا کہ اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ ہمیشہ ''بین الخوف والرجاء'' رہنا چاہیے۔ ایک طرف خوف کا احساس بھی ہو کہ اللہ پکڑ نہ لے' کہیں سزا نہ دے دے' اور دوسری طرف اس کی مغفرت اور رحمت کی قوی امید بھی دل میں ہو۔ لہٰذا فرمایا کہ اللہ سے دعا کرتے ہوئے تمہاری دلی اور روحانی کیفیت ان دونوں کے بین بین ہونی چاہیے۔

﴿اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴾ ''یقیناً اللہ کی رحمت اہلِ احسان بندوں کے بہت ہی قریب ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں بشارت دیتی ہوئی' اس کی رحمت کے آگے آگے۔''

یعنی ابرِرحمت سے پہلے ہواؤں کے ٹھنڈے جھونکے گویا بشارت دے رہے ہوتے ہیں کہ بارش آنے والی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک کرنے کے لیے کسی ایسے خطے کا تصور کیجیے جہاں زمین مُردہ اور بے آب وگیاہ پڑی ہے' لوگ آسمان کی طرف نظریں لگائے بارش کے منتظر ہیں۔ اگر وقت پر بارش نہ ہوئی تو بیج اور محنت دونوں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جب بارانِ رحمت کی نوید سناتے ہیں تو وہاں کے باسیوں کے لیے اس سے بڑی بشارت اور کیا ہو گی۔

﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ''یہاں تک کہ وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بڑے بڑے بھاری بادل''

یہ بادل کس قدر بھاری ہوتے ہوں گے' ان کا وزن انسانی حساب و شمار میں آنا ممکن نہیں۔ اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت کے سبب لاکھوں ٹن پانی کو ہوائیں روئی کے گالوں کی طرح اڑائے پھرتی ہیں۔

﴿سُقۡنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ﴾ ''تو ہم ہانک دیتے ہیں اس (بادل) کو ایک مُردہ زمین کی طرف''

ہوائیں ہمارے حکم سے اس بادل کو کسی بے آب وگیاہ وادی کی طرف لے جاتی ہیں اور بارانِ رحمت اس وادی میں ایک نئی زندگی کی نوید ثابت ہوتی ہے۔

﴿فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ''پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں اور پھر اس سے ہر طرح کے میوے نکال لاتے ہیں۔''

بارش کے بعد وہ خشک اور مردہ زمین گھاس، فصلوں اور پھلدار پودوں کی روئیدگی کی شکل میں اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اسی طرح ہم مُردوں کو نکال لائیں گے (زمین سے) تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

دراصل بادلوں اور ہواؤں کے مظاہر کی تفصیل بیان کر کے ایک عام ذہن کو تشبیہہ کے ذریعے سے بعث بعد الموت کی حقیقت کی طرف متوجّہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی مردہ زمین کو دیکھو! اس کے اندر زندگی کے کچھ بھی آثار باقی نہیں رہے تھے، حشرات الارض اور پرندے تک وہاں نظر نہیں آتے تھے، اس زمین کے باسی بھی مایوس ہو چکے تھے، لیکن اس مردہ زمین پر جب بارش ہوئی تو یکا یک اس میں زندگی پھر سے عود کر آئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ع ''مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موجزن ساقی!'' کی مجسّم تصویر بن گئی۔ بنجر زمین ہریالی کی سبز پوشاک پہن کر دلہن کی طرح سج گئی۔ حشرات الارض کا اژدہام! پرندوں کی زمزمہ پردازیاں! اس کے باسیوں کی رونقیں! گویا بارش کے طفیل زندگی پوری چہل پہل کے ساتھ وہاں جلوہ گر ہو گئی۔ اس آسان تشبیہہ سے ایک عام ذہنی استعداد رکھنے والے انسان کو حیات بعد الموت کی کیفیت آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ زمین کے اندر پڑے ہوئے مُردے بھی گویا بیجوں کی مانند ہیں۔ جب اللہ کا حکم آئے گا، یہ بھی نباتات کی مانند پھوٹ کر باہر نکل آئیں گے۔

آیت ۵۸ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ﴾ ''اور زرخیز زمین تو اپنے رب کے حکم سے اپنا سبزہ نکالتی ہے، اور جو (زمین) خراب ہے وہ کچھ نہیں نکالتی مگر کوئی ناقص سی چیز۔''

سرائیکی زبان میں ایک لفظ ''نکھد'' استعمال ہوتا ہے، یہ اس عربی لفظ ''نَکِد'' سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی بالکل ردی اور گھٹیا چیز۔

﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کو گردش میں لاتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو (ان کی) قدر کرنے والے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے سے اپنی نشانیاں گوناگوں پہلوؤں سے نمایاں کرتا ہے تاکہ لوگ ان کو سمجھیں، ان کو پہچانیں اور ان کی قدر کریں۔ یہ تصریفِ آیات اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے بشرطیکہ اس کی قدر کرنے والے لوگ ہوں۔

آیات ۵۹ تا ۶۴

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ

وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸ / ۱۵

اس رکوع سے التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کے اس سلسلے کا آغاز ہو رہا ہے جسے قبل ازیں اس سورت کے مضامین کا ''عمود'' قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس سلسلے کا بہت بڑا حصّہ ''انباء الرّسل'' پر مشتمل ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس اصطلاح کو اچھی طرح سمجھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں نبیوں کا ذکر آتا ہے تو اس کا مقصد ان کی سیرت کے روشن پہلوؤں مثلاً ان کا مقام' تقویٰ اور استقامت وغیرہ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے' جبکہ رسولوں کا ذکر بالکل مختلف انداز میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کوئی رسولؑ آیا تو وہ کسی قوم کی طرف بھیجا گیا' لہٰذا قرآن مجید میں رسولؑ کے ذکر کے ساتھ لازماً متعلقہ قوم کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ پھر رسول کی دعوت کے جواب میں اس قوم کے رویّے اور ردِّ عمل کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کے واقعات کو ''قصص الانبیاء'' کہا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال سورۂ یوسف ہے' جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں' مگر کہیں بھی آپؑ کی طرف سے اس نوعیت کے اعلان کا ذکر نہیں ملتا کہ لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ' میری بات مانو' ورنہ تم پر عذاب آئے گا اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اس قوم نے آپؑ کی دعوت کو ردّ کر دیا اور پھر ان پر عذاب آ گیا اور اُنہیں ہلاک کر دیا گیا۔

دوسری قسم کے واقعات کے لیے ''انباء الرسل'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ (''انباء'' جمع ہے ''نبأ'' کی' جس کے معنی خبر کے ہیں' یعنی رسولوں کی خبریں۔) اِن واقعات سے ایک اصول واضح ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف آیا تو وہ اللہ کی عدالت بن کر آیا۔ جن لوگوں نے اس کی دعوت کو مان لیا وہ اہلِ ایمان ٹھہرے اور عافیت میں رہے' جبکہ انکار کرنے والے ہلاک کر دیے گئے۔ انباء الرسل کے سلسلے میں عام طور پر چھ رسولوںؑ کے حالات قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ رسول صرف چھ ہیں' بلکہ یہ چھ رسولؑ وہ ہیں جن سے اہلِ عرب واقف تھے۔ یہ تمام رسولؑ اسی جزیرہ نمائے عرب کے اندر آئے۔ یہ رسولؑ جن علاقوں میں مبعوث ہوئے اُن کے بارے میں جاننے کے لیے جزیرہ نمائے عرب (Arabian Peninsula) کا نقشہ اپنے ذہن میں رکھیے۔ نیچے جنوب کی طرف سے اس کی چوڑائی کافی زیادہ ہے' جبکہ یہ چوڑائی اوپر شمال کی طرف کم ہوتی جاتی ہے۔ اس جزیرہ نما علاقہ کے مشرقی جانب خلیج فارس (Persian Gulf) ہے جب کہ مغربی جانب بحیرۂ احمر (Read Sea) ہے جو شمال میں جا کر دو کھاڑیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک (شمال مغرب کی طرف) خلیج سویز ہے اور دوسری طرف (شمال مشرق کی جانب) خلیج عقبہ۔ خلیج عقبہ کے اوپر (شمال) والے کونے سے خلیج فارس کے شمالی کنارے کی طرف سیدھی لائن لگائیں تو نقشے پر ایک مثلث (triangle) بن جاتی ہے' جس کا قاعدہ (base) نیچے جنوب میں یمن سے سلطنتِ عمان تک ہے اور اوپر والا کونہ شمال میں بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے علاقے میں واقع ہے۔

موجودہ دُنیا کے نقشے کے مطابق اس مثلّث میں سعودی عرب کے علاوہ عراق اور شام کے ممالک بھی شامل ہیں۔ یہ مثلّث اس علاقے پر محیط ہے جہاں عرب کی قدیم قومیں آباد تھیں اور یہی وہ قومیں تھیں جن کی طرف وہ چھ رسول مبعوث ہوئے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ان میں سے جو رسول سب سے پہلے آئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ آپؑ کے زمانے کے بارے میں یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا‘ لیکن مختلف اندازوں کے مطابق آپؑ کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی دو ہزار سال بعد کا زمانہ بتایا جاتا ہے (واللہ اعلم)۔ اُس وقت تک کُل نسلِ انسانی بس اسی علاقے میں آباد تھی۔ جب آپؑ کی قوم آپؑ کی دعوت پر ایمان نہ لائی تو پانی کے عذاب سے انہیں تباہ کر دیا گیا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں وہ تباہ کن سیلاب آیا تھا جو ’’طوفانِ نوح‘‘ سے موسوم ہے اور یہیں کوہِ جودی میں اَرارات کی وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے دوبارہ نسلِ انسانی چلی۔ آپؑ کا ایک بیٹا جس کا نام سام تھا‘ اس کی نسل جنوب میں عراق کی طرف پھیلی۔ اس نسل سے جو قومیں وجود میں آئیں انہیں سامی قومیں کہا جاتا ہے۔ انہی قوموں میں ایک قومِ عاد تھی‘ جو جزیرہ نمائے عرب کے بالکل جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ بڑا خطرناک قسم کا ریگستان ہے‘ لیکن اُس زمانے میں قومِ عاد کا مسکن یہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپؑ کی دعوت کو اس قوم نے رد کیا تو یہ بھی ہلاک کر دی گئی۔ اس قوم کے بچے کھچے لوگ اور حضرت ہود علیہ السلام وہاں سے نقل مکانی کر کے مذکورہ مثلّث کی مغربی سمت جزیرہ نمائے عرب

کے شمال مشرقی کونے میں خلیج عقبہ سے نیچے مغربی ساحل کے علاقے میں جا آباد ہوئے۔ ان لوگوں کی نسل کو قومِ ثمود کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس قوم نے بھی اپنے رسول کی دعوت کو رد کر دیا' جس پر انہیں بھی ہلاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر عالی شان عمارات بنانے میں ماہر تھے۔ پہاڑوں کے اندر کھدے ہوئے ان کے محلات اور بڑے بڑے ہال آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود کے اس علاقے سے ذرا اوپر خلیج عقبہ کے داہنی طرف مدین کا علاقہ ہے جہاں وہ قوم آباد تھی جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ مدین کے علاقے سے تھوڑا آگے بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے' جس کے ساحل پر سدوم اور عامورہ کے شہر آباد تھے۔ ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ بہر حال یہ ساری اقوام جن کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے مذکورہ مثلّث کے علاقے میں ہی آباد تھیں۔ صرف قومِ فرعون اس مثلث سے باہر مصر میں آباد تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ان چھ رسولوں کے حالات پڑھنے سے پہلے ان کی قوموں کے علاقوں کا یہ نقشہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔ زمانی اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں' پھر حضرت ہود علیہ السلام' پھر حضرت صالح علیہ السلام' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن میں انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص الانبیاء کے طور پر آیا ہے۔ آپؑ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا' جن کی اولاد میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز (مکہ) میں آباد ہوئے اور پھر حجاز میں ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جن کو آپؑ نے فلسطین میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔ قرآن حکیم میں جب ہم انبیاء ورُسل کے تذکرے پڑھتے ہیں تو یہ ساری تفصیلات ذہن میں ہونی چاہئیں۔

آیت ۵۹ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾﴾ ''ہم نے بھیجا تھا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف تو اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے' مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔''

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم لوگ یونہی مشرکانہ افعال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے رہو گے تو بہت بڑے عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔

آیت ۶۰ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾﴾ ''آپؑ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔''

آیت ۶۱ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''آپؑ نے کہا کہ

اے میری قوم کے لوگو! میں کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں' بلکہ میں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔''

آیت ۶۲ ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ''میں تو تمہیں پہنچا رہا ہوں اپنے رب کے پیغامات' اور میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں' اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔''

مجھے تو تمام جہانوں کے پروردگار نے اس خدمت پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں' تاکہ تم لوگ ایک بڑے عذاب کی لپیٹ میں آنے سے بچ جاؤ۔ میں تو تمہاری بھلائی ہی کی فکر کر رہا ہوں۔ اگر تمہارے مشرکانہ افعال اسی طرح جاری رہے تو اِن کی پاداش میں تمہارے اوپر کتنی بڑی تباہی آ سکتی ہے تم لوگوں کو اس کا کچھ بھی اندازہ نہیں' مگر مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کے بارے میں برابر آگاہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک یاددہانی تم ہی میں سے ایک فرد کے ذریعے سے آئی' تاکہ وہ تمہیں خبردار کر دے اور تم (گناہوں سے) بچ سکو اور تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۶۴ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ﴾ ''تو انہوں نے اُسؑ کو جھٹلایا' تو بچا لیا ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھی تھے کشتی میں' اور ہم نے غرق کر دیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔''

یعنی وہ ایسی قوم تھی جس نے آنکھیں ہونے کے باوجود اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور حق کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی اہلِ ایمان بہت ہی کم لوگ تھے۔ آپؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دعوت دی تھی اس کے باوجود بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے' جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سیلاب سے محفوظ رہے۔ آپؑ کے تین بیٹوں میں سے حضرت سام کی اولاد میں سے ''عاد'' نام کے ایک سردار بڑے مشہور ہوئے اور پھر ان ہی کے نام پر ''قومِ عاد'' وجود میں آئی۔ آگے اسی قوم کا تذکرہ ہے۔

آیات ۶۵ تا ۷۲

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا

لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع ۸ / ۱۶

آیت ۶۵ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ﴾ ''اور قوم عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾﴾ ''اُسؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی الٰہ اس کے سوا نہیں ہے' تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟''

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا تھا۔

آیت ۶۶ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾﴾ ''آپؑ کی قوم کے سرداروں نے' جنہوں نے انکار کیا تھا' کہا کہ ہم تو تمہیں کسی حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تم کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔''

یعنی تم جھوٹا دعویٰ کر رہے ہو' تم پر کوئی وحی وغیرہ نہیں آتی۔

آیت ۶۷ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ''آپؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھ پر کوئی حماقت طاری نہیں ہوئی بلکہ میں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے۔''

آیت ۶۸ ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾﴾ ''میں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا رہا ہوں اور تمہارا دیانت دار خیر خواہ ہوں۔''

میں تو وہی بات ہو بہو تم تک پہنچا رہا ہوں جو اللہ کی طرف سے آ رہی ہے' اس لیے کہ مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے۔ میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ﴾ ''کیا تمہیں تعجب ہے اس بات پر کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے تاکہ وہ تمہیں خبردار کر دے۔''

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ﴾ ''اور ذرا

یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قومِ نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تمہیں جسمانی اعتبار سے بڑی کشادگی عطا فرمائی۔‘‘

قومِ نوح کی سطوت ختم ہوئی اور قوم تباہ و برباد ہو گئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو عروج عطا فرمایا۔ یہ بڑے قد آور اور جسیم لوگ تھے۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی طور پر بڑا عروج بخشا تھا۔ شدّاد اسی قوم کا بادشاہ تھا جس نے بہشتِ ارضی بنائی تھی۔ اب اس کی جنت اور اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ بھی مل چکا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی صحرا میں ایک علاقہ ہے جہاں کی ریت بہت باریک ہے اور اس کے اوپر کوئی چیز ٹک نہیں سکتی۔ اس وجہ سے وہاں آمد و رفت مشکل ہے‘ کیونکہ اس ریت پر چلنے والی ہر چیز اس کے اندر دھنس جاتی ہے۔ اس علاقے میں سیٹلائٹ کے ذریعے زیرِ زمین شدّاد کے اس شہر کا سراغ ملا ہے‘ جس کی فصیل پر ۳۵ بُرج تھے۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹﴾ ’’تو اللہ کے احسانات کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

آیت ۷۰ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ﴾ ’’انہوں نے کہا (اے ہودؑ) کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں جو اکیلا ہے‘‘

﴿وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ﴾ ’’اور ہم چھوڑ بیٹھیں ان کو جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء و اجداد!‘‘

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷۰﴾ ’’تو ہم پر لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو‘ اگر تم سچے ہو۔‘‘

ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کسی قوم پر زوال آتا تھا تو ان کے عقائد بگڑ جاتے تھے۔ اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو چھوڑ کر وہ قوم بُت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ اولیاء اللہ کی عقیدت کی وجہ سے ان کے ناموں کے بُت بنائے جاتے تھے یا پھر ان کی قبروں کی پرستش شروع کر دی جاتی۔ یہ سامنے کے معبود ان کو اُس اللہ کے مقابلے میں زیادہ اچھے لگتے تھے جو ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ ان حالات میں جب بھی کوئی رسول آ کر ایسی مشرک قوم کو بت پرستی سے منع کرتا اور انہیں ایک اللہ کی بندگی کی تلقین کرتا‘ تو اپنے ماحول کے مطابق ان کا پہلا جواب یہی ہوتا کہ اپنے سارے خداؤں کو ٹھکرا کر صرف ایک اللہ کو کیسے اپنا معبود بنا لیں۔

آیت ۷۱ ﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ﴾ ’’(ہود علیہ السلام نے) فرمایا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور اس کا غضب واقع ہو ہی چکا ہے۔‘‘

تمہاری اس ہٹ دھرمی کے باعث اللہ کا عذاب اور اس کا قہر و غضب تم پر مسلّط ہو چکا ہے۔

﴿اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ﴾ ’’کیا تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو ان ناموں کے بارے میں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے تھے‘‘

یہ جو تم نے مختلف ناموں کے بُت بنا رکھے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہو‘ ان کی حقیقت کچھ نہیں‘ محض چند فرضی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے بغیر کسی سند کے رکھے ہوئے ہیں۔

﴿مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴿۷۱﴾﴾ ''اللہ نے اس کے لیے کوئی سند نہیں اُتاری۔ تو (ٹھیک ہے) تم بھی انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔''

یعنی دیکھیں کب تک اللہ تمہیں مہلت دیتا ہے اور کب اللہ کی طرف سے تم پر عذابِ استیصال آتا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ ''تو ہم نے بچالیا اُسؑ کو اور جو (اہلِ ایمان) لوگ اُسؑ کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے' اور ہم نے جڑ کاٹ دی اس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا''

﴿وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴿۷۲﴾﴾ ''اور نہیں تھے وہ ایمان لانے والے۔''

سات دن اور آٹھ راتوں تک ایک تیز آندھی مسلسل ان پر چلتی رہی اور انہیں پٹخ پٹخ کر گراتی رہی' اسی آندھی کی وجہ سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔ جب بھی کسی قوم پر عذابِ استیصال کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو اللہ کے رسولؑ اور اہلِ ایمان کو وہاں سے ہجرت کا حکم آ جاتا ہے۔ چنانچہ آندھی کے اس عذاب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھی وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ

قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

آیت ۷۳ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ﴾ ''اور قومِ ثمود کی طرف (بھیجا ہم نے) ان کے بھائی صالح کو۔''

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے اہلِ ایمان ساتھی جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے سے ہجرت کر کے شمال مغربی کونے میں جا آباد ہوئے۔ یہ ''حجر'' کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہاں ان کی نسل آگے بڑھی اور پھر غالباً 'ثمود' نامی کسی بڑی شخصیت کی وجہ سے اس قوم کا یہ نام مشہور ہوا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ﴾ ''اُس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے' تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص نشانی آ گئی ہے۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اس سے پہلے حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام اپنی اپنی قوموں کو دے چکے تھے۔ یہاں بَیِّنَۃ سے مراد وہ اونٹنی ہے جو ان کے مطالبے پر معجزانہ طور پر چٹان سے نکلی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کے بارے میں کسی معجزے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ معجزے کا ذکر سب سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔

﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾﴾ ''یہ اللہ کی اونٹنی ہے' تمہارے لیے ایک نشانی' تو اسے چھوڑے رکھو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے' اور اسے نہ چھونا کسی برے ارادے سے' (اگر تم نے ایسا کیا) تو ایک دردناک عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔''

یہ اُونٹنی تمہارے مطالبے پر تمہاری نگاہوں کے سامنے ایک چٹان سے برآمد ہوئی ہے۔ اب اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا' ورنہ اللہ کا عذاب تمہیں آ لے گا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب اس نے تمہیں جانشین بنایا قومِ عاد (کی تباہی) کے بعد اور تمہیں جگہ دی زمین میں' تم اس کے نرم میدانوں میں محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر (بھی اپنے لیے) گھر بنا لیتے ہو۔''

میدانی علاقوں میں وہ عالی شان محلات تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر بڑے خوبصورت گھر بناتے تھے۔ اب ان محلات کا تو کوئی نام و نشان اس علاقے میں موجود نہیں' البتہ پہاڑوں سے تراش کر بنائے ہوئے گھروں کے کھنڈرات اُس علاقے میں آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزری ہے اور قوم

عاد اس سے بھی پہلے تھی۔ اس طرح قومِ ثمود کا زمانہ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے کا ہے جبکہ قومِ عاد کو گزرے تقریباً سات ہزار سال ہو چکے ہیں۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ ''تو اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے۔''

آیت ۷۵ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ''آپؑ کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان لوگوں سے کہا جو دبا لیے گئے تھے (اور) جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہ (واقعی) کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صالح اپنے ربّ کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟''

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ ''انہوں نے کہا کہ (ہاں) ہم تو جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے جو غریب، دبے ہوئے اور کمزور لوگ تھے مگر ایمان لے آئے تھے، ان سے ان کے سردار بڑے متکبرانہ انداز سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ صالح واقعی اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ اس پر وہ لوگ بڑے یقین سے جواب دیتے تھے کہ جو کچھ آپؑ کے رب نے آپؑ کو دیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ان سارے احکام کو سچ جانتے ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ ''(اس پر) وہ استکبار کرنے والے کہتے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔''

آیت ۷۷ ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ ''تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی''

یہ اونٹنی ان کی فرمائش پر چٹان سے برآمد ہوئی تھی، مگر پھر یہ ان کے لیے بہت بڑی آزمائش بن گئی تھی۔ وہ ان کی فصلوں میں جہاں چاہتی پھرتی اور جو چاہتی کھاتی۔ اس کی خوراک غیر معمولی حد تک زیادہ تھی۔ پانی پینے کے لیے بھی اس کی باری مقرر تھی۔ ایک دن ان کے تمام ڈھور ڈنگر پانی پیتے تھے، جبکہ دوسرے دن وہ اکیلی تمام پانی پی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا اور بالآخر ان سرداروں نے ایک سازش کے ذریعے اسے ہلاک کروا دیا۔

﴿وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ''اور کہا کہ اے صالح، لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر واقعی تم رسول ہو۔''

حضرت صالح علیہ السلام سے انہوں نے چیلنج کے انداز میں کہا کہ ہم نے تمہاری اونٹنی کو تو مار ڈالا ہے، اب اگر واقعی تم اللہ کے رسول ہو تو لے آؤ ہمارے اوپر وہ عذاب جس کا تم ہر وقت ہمیں ڈراوا دیتے رہتے ہو۔

آیت ۷۸ ﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ﴾ ”تو انہیں آپکڑا زلزلے نے‘ پھر وہ پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے۔“

آیت ۷۹ ﴿فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ﴾ ”تو (صالح علیہ السلام نے) ان سے پیٹھ موڑ لی اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے (امکان بھر) تمہاری خیر خواہی کی‘ لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔“

اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپؑ عراق کے رہنے والے تھے اور سامی النسل تھے۔ آپؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ دونوں شہر بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے کنارے اس زمانے کے دو بڑے اہم تجارتی مراکز تھے۔ اس زمانے میں جو تجارتی قافلے ایران اور عراق کے راستے مشرق سے مغرب کی طرف جاتے تھے وہ فلسطین اور مصر کو جاتے ہوئے سدوم اور عامورہ کے شہروں سے ہو کر گزرتے تھے۔ اس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ان شہروں میں بڑی خوشحالی تھی۔ مگر ان لوگوں میں مَردوں کے آپس میں جنسی اختلاط کی خباثت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے۔ سورۃ العنکبوت (آیت ۲۶) میں ہمیں آپؑ کی ہجرت کا ذکر ملتا ہے۔ آپؑ ان شہروں کی طرف مبعوث ہو کر عراق سے آئے تھے۔ یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ حضرت نوحؑ‘ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے‘ جبکہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کے زمانے کے تین رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر حضرت ابراہیمؑ کو چھوڑ کر حضرت لوطؑ کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک خاص اسلوب سے انباء الرّسل کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یعنی ان رسولوں کا تذکرہ جو اللہ کی عدالت بن کر قوموں کی طرف آئے اور ان کے انکار کے بعد وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں اس نوعیت کی کوئی تفصیل صراحت کے ساتھ قرآن میں نہیں ملتی اس لیے آپؑ کا ذکر قصص النّبیین کے ذیل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا تذکرہ سورۃ الاعراف کے بجائے سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے اور وہاں یہ تذکرہ قصص النّبیین ہی کے انداز میں ہوا ہے‘ جبکہ سورۃ الاعراف میں تمام انباء الرّسل کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ انباء الرّسل اور قصص النّبیین کی تقسیم کے اندر یہ ایک منطقی ربط ہے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ﴾ ”اور لوطؑ (کو بھی ہم نے بھیجا) جب اُس نے کہا اپنی قوم سے“

اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے‘ لیکن ان کی طرف مبعوث ہونے اور وہاں جا کر آباد ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں کو آپؑ کی قوم قرار دیا گیا ہے۔

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ’’کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔‘‘

یعنی اجتماعی طور پر پوری قوم کا ایک شرمناک فعل کو اس انداز سے اپنا لینا کہ اسے اپنا شعار بنا لینا‘ کھلم کھلا اس کا ارتکاب کرنا اور اس میں شرمانے کی بجائے فخر کرنا‘ اس سب کچھ کی مثال تاریخِ انسانی کے اندر کوئی اور نہیں ملتی۔

آیت ۸۱ ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ ’’تم مردوں کا رُخ کرتے ہو شہوت کے ساتھ عورتوں کو چھوڑ کر‘ بلکہ تم تو ہو ہی حد سے تجاوز کرنے والی قوم۔‘‘

یعنی تمہارا یہ فعل اصولِ فطرت کے بھی خلاف ہے اور قانونِ طبعی سے بھی متصادم۔

آیت ۸۲ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ ’’تو نہیں تھا اس کی قوم کا کوئی جواب سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا نکالو ان کو اپنی بستی سے‘ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔‘‘

ان کے پاس کوئی معقول جواب تو تھا نہیں‘ شرم وحیا کو وہ لوگ پہلے ہی بالائے طاق رکھ چکے تھے۔ کوئی دلیل‘ کوئی عذر‘ کوئی معذرت‘ جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپؑ کے گھر والوں کو شہر بدر کرنے کے درپے ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اس مقامی قوم سے تعلق رکھتی تھی‘ اس لیے وہ آخر وقت تک اپنی قوم کے ساتھ ملی رہی۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیٹیوں کو لے کر عذاب آنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ ’’تو ہم نے نجات دے دی اُسؑ کو اور اُس کے گھر والوں کو‘ سوائے اُس کی بیوی کے‘ وہ ہو گئی پیچھے رہنے والوں ہی میں۔‘‘

آیت ۸۴ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ ’’اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش‘ تو دیکھو کیا انجام ہوا مجرموں کا!‘‘

یہ پتھروں کی بارش تھی اور ساتھ شدید زلزلہ بھی تھا جس سے ان کی بستیاں الٹ کر بحیرۂ مردار کے اندر دفن ہو گئیں۔ قومِ لوط اہلِ مکہ سے زمانی اور مکانی لحاظ سے زیادہ دور نہیں تھی‘ اس قوم کے قصے اہلِ عرب کی تاریخی روایات کے اندر موجود تھے۔ چنانچہ اہلِ مکہ اس قوم کے حسرتناک انجام سے خوب واقف تھے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

آیت ۸۵ ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ﴾ ''اور قومِ مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیبؑ کو۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق اسی قوم سے تھا' اس لیے آپؑ کو ان کا بھائی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کا نام 'قطورا' تھا۔ ان سے آپؑ کے کئی بیٹے ہوئے' جن میں سے ایک کا نام مدین تھا جو اپنی اولاد کے ساتھ خلیج عقبی کے مشرقی ساحل پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ ان لوگوں کی وجہ سے بعد میں ''مدین'' ہی کے نام سے معروف ہوا۔ مدین کا علاقہ بھی اس زمانے کی بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ یہ شاہراہ شمالاً جنوباً فلسطین سے یمن کو جاتی تھی۔ اس لحاظ سے اہلِ مدین بہت خوشحال لوگ تھے۔ نتیجتاً ان میں بہت سی کاروباری اور تجارتی بدعنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ لہٰذا ان کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اُسؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اس کے سوا۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی ہے۔''

﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''تو ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزیں کم نہ کیا کرو' اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم

مؤمن ہو۔"

اہلِ مدین چونکہ کاروباری لوگ تھے لہٰذا ان کے ہاں جو خاص خرابی اجتماعی طور پر پیدا ہوگئی تھی وہ ماپ تول میں کمی کی عادت تھی۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل زمانہ کی جن تین اقوام کا ذکر قرآن میں آیا ہے' یعنی قومِ نوح' قومِ ہود اور قومِ صالح ان میں سوائے شرک کے اور کسی خرابی کی تفصیل نہیں ملتی۔ یعنی اُس زمانے تک انسانی تمدن اتنا سادہ تھا کہ ابھی اعمال کی خرابیاں اور گندگیاں رائج نہیں ہوئی تھیں۔ تب تک انسان فطرت کے زیادہ قریب تھا' اس لیے وہ پیچیدگیاں جو تمدن کے پھیلنے کے ساتھ بڑھتی ہیں اور وہ بدعنوانیاں جو اس پیچیدہ زندگی کی وجہ سے پھیلتی ہیں وہ ابھی ان اقوام کے افراد میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جنسی برائیاں سب سے پہلے قومِ لوط میں اور مالی بدعنوانیاں سب سے پہلے اہلِ مدین میں پیدا ہوئیں۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ "اور نہ بیٹھا کرو ہر راستے پر ڈرانے دھمکانے کے لیے"

یعنی وہ لوگ راہزنی بھی کرتے تھے اور تجارتی قافلوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے بھتہ بھی وصول کرتے تھے۔ ان حرکات سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں منع کیا۔

﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ﴾ "اور اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے (ہر اُس شخص کو) جو ایمان لاتا ہے اور اس راہ کو کج کرتے ہوئے۔"

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾ "اور یاد کرو جبکہ تم کم تعداد میں تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد زیادہ کر دی' اور (یہ بھی) دیکھو کہ مفسدوں کا کیسا کچھ انجام ہوتا رہا ہے۔"

آیت ۸۷ ﴿وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ "اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا ہے اس چیز پر جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے"

﴿فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾ "تو تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے مابین فیصلہ فرما دے' اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

آیت ۸۸ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ﴾ "کہا اُس کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کی روش اختیار کی کہ اے شعیب! ہم تجھے اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں انہیں اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے' یا تم واپس آجاؤ ہماری ملت میں۔"

﴿قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝﴾ "(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا: کیا اگر ہمیں (یہ سب کچھ) ناپسند ہو تب بھی؟"

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبّر سرداروں نے آپؑ اور آپؑ کے ماننے والوں سے کہا کہ اگر تم لوگ ہمارے ہاں امن اور چین سے رہنا چاہتے ہو تو تمہیں ہمارے ہی طور طریقوں اور رسم و رواج کو اپنانا ہو گا' بصورتِ دیگر ہم تم لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ زبردستی ہمیں اپنی ملّت میں واپس پھیر لو گے جبکہ ہم تو ان طور طریقوں سے نفرت کرتے ہیں!

آیت ۸۹ ﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ﴾ ''ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمہاری ملّت میں لوٹ آئیں' اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا تھا کہ اگر ہم دوبارہ تمہارے طور طریقوں پر واپس آ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میرا نبوت کا دعویٰ ہی غلط تھا اور میں یہ دعویٰ کر کے گویا اللہ پر افترا کر رہا تھا۔ لیکن چونکہ میرا یہ دعویٰ سچا ہے اور میں واقعتاً اللہ کا فرستادہ ہوں لہٰذا اب میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے تمہاری ملت میں واپس آنا ممکن نہیں۔

﴿وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ﴾ ''اور ہمارے لیے قطعاً ممکن نہیں ہے کہ ہم اس ملت میں لوٹ آئیں' سوائے اس کے کہ اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے۔''

یہ ایک بندۂ مومن کی سوچ اور اس کے طرزِ عمل کی عکّاسی ہے۔ وہ نہ اپنے فکر و فلسفہ پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ اپنی عقل و استقامت کا سہارا لیتا ہے' بلکہ صرف اور صرف اللہ کی توفیق اور تیسیر پر توکّل کرتا ہے۔ یہی وہ فلسفہ تھا جس کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اس طرح فرمایا' حالانکہ ان کے واپس پلٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ﴾ ''اور ہمارے رب نے تو ہر شے کے علم کا احاطہ کیا ہوا ہے' ہم نے اللہ ہی پر توکّل کیا ہے۔''

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ''اے ہمارے ربّ! فیصلہ فرما دے ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ' اور یقیناً تُو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۹۰ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾﴾ ''اور کہا اُسؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا کہ اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔''

آیت ۹۱ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾﴾ ''تو انہیں (بھی) آ پکڑا ایک زلزلے نے اور وہ (بھی) پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے منہ۔''

آیت ۹۲ ﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا ایسے ہو گئے کہ جیسے کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے' جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی وہی ہوئے خسارے والے۔''

آیت ۹۳ ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ﴾ ’’تو وہ ان کو چھوڑ کر چل دیا یہ کہتے ہوئے کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں پہنچا دیے تھے اپنے رب کے پیغامات اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔‘‘

﴿ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ ﴾ ’’تو اب میں کیسے افسوس کروں اس قوم پر جس نے کفر کیا ہے!‘‘

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے امکانی حد تک اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر بھی اگر قوم نہیں مانی تو گویا ان لوگوں نے خود اپنی بربادی کو دعوت دی۔ اب ایسے لوگوں کی ہلاکت پر افسوس کرنے کا جواز بھی کیا ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کے اِن الفاظ سے واضح ہو رہا ہے کہ آپؑ کو اپنی قوم کے انجام پر شدید رنج و غم اور صدمہ تھا اور ایسے موقع پر ایسے الفاظ کہنا اپنے دل کی ڈھارس بندھانے کا ایک انداز ہے۔ بہرحال حقیقت یہ ہے کہ نبی اپنی قوم اور بنی نوعِ انسان کے لیے بہت شفیق، مہربان اور ہمدرد ہوتا ہے اور اپنی قوم پر عذاب آنے پر اسے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۲

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

آیت ۹۴ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾﴾ ’’اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کسی بھی نبی کو مگر یہ کہ ہم نے پکڑا اُس کے بسنے

والوں کو سختیوں سے اور تکلیفوں سے تاکہ وہ گڑگڑائیں (اور ان میں عاجزی پیدا ہو جائے)۔‘‘

یہ اللہ کے ایک خاص قانون کا تذکرہ ہے‘ جس کے بارے میں ہم سورۃ الانعام (آیات ۴۲ تا ۴۵) میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کسی رسول کو بھیجا جاتا تو اس قوم کو سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے ان کے لیے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کا ماحول پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ خوشحالی اور عیش کی زندگی گزارتے ہوئے انسان ایسی کوئی نئی بات سننے کی طرف کم ہی مائل ہوتا ہے‘ البتہ اگر انسان تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ ضرور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا کسی رسول کی دعوت کے آغاز کے ساتھ ہی اس قوم پر زندگی کے حالات تنگ کر دیے جاتے تھے‘ لیکن اگر وہ لوگ اس کے باوجود بھی ہوش میں نہ آتے‘ اپنی ضد پر اڑے رہتے‘ اور رسول کی دعوت کو رد کرتے چلے جاتے‘ تو ان پر سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دور کر کے ان کو غیر معمولی آسائشوں اور نعمتوں سے نواز دیا جاتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ڈھیل دینے کا ایک انداز ہے کہ اب اس قوم نے برباد تو ہونا ہی ہے مگر آخری انجام کو پہنچنے سے پہلے ان کی نافرمانی کی آخری حدود دیکھ لی جائیں کہ اپنی اس روش پر وہ کہاں تک جا سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ قانون یا اللہ کی سُنّت‘ جس پر ہر رسول کے آنے پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ سورۃ السجدہ میں اس قانون کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱﴾ ’’اور ہم انہیں مزا چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ رجوع کریں‘‘۔ بڑا عذاب تو عذابِ استیصال ہوتا ہے جس کے بعد کسی قوم کو تباہ و برباد کر کے نسیاً منسیا کر دیا جاتا ہے۔ اس بڑے عذاب کی کیفیت مکی سورتوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ﴾ (الاعراف: ۹۲‘ اور سورۂ ہود: ۶۸‘ ۹۵) ’’وہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے وہاں بستے ہی نہیں تھے‘‘۔ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ﴾ (الانعام: ۴۵) ’’پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی‘‘۔ ﴿لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ﴾ (الاحقاف: ۲۵) ’’اب صرف ان کے مسکن ہی نظر آ رہے ہیں‘‘۔ یعنی عذابِ استیصال کے بعد اب اُن کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے بنائے ہوئے عالیشان محل تو نظر آ رہے ہیں‘ لیکن ان کے مکینوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا — قانونِ قدرت کے تحت اس نوعیت کے ’’عذاب الاکبر‘‘ سے پہلے چھوٹی چھوٹی تنبیہات آتی ہیں تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے جاگ جائیں‘ ہوش میں آ جائیں‘ استکبار کی روش ترک کر کے عاجزی اختیار کریں اور رجوع کر کے عذابِ استیصال سے بچ سکیں۔

آیت ۹۵ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ ’’پھر ہم نے اس بُرائی کو بھلائی سے بدل دیا‘ یہاں تک کہ وہ لوگ خوب بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واَجداد پر بھی تکلیف اور خوشی آتی رہی ہے‘‘

﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹۵﴾ ’’پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں تھا۔‘‘

جب وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تو ان پر دنیاوی آسائشوں کے دہانے کھول دیے گئے کہ اب

کھاؤ‘ پیو اور عیش کرو۔ پھر وہ عیش و عشرت کی زندگی میں اس قدر مگن ہوئے کہ سختیوں کے دَور کو بالکل ہی بھول گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں‘ اس میں امتحان اور آزمائش کی کون سی بات ہے‘ حتیٰ کہ ان کی پکڑ کی گھڑی آن پہنچی اور انہیں اس کا شعور ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت یوں اچانک آ جائے گی۔

آیت ۹۶ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ’’اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر کھول دیتے آسمانوں اور زمین کی برکتیں۔‘‘

﴿وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۶﴾ ’’لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو پکڑ لیا ان کے کرتوتوں کی پاداش میں۔‘‘

آیت ۹۷ ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝۹۷﴾ ’’تو کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب‘ جبکہ وہ رات کو سوئے ہوئے ہوں۔‘‘

آیت ۹۸ ﴿اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۸﴾ ’’اور کیا یہ بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب دن چڑھے‘ جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔‘‘

آیت ۹۹ ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹۹﴾ ’’کیا وہ امن میں (یا بے خوف) ہیں اللہ کی چال سے؟ اللہ کی چال سے کوئی اپنے آپ کو امن میں محسوس نہیں کرتا مگر وہی لوگ جو خسارہ پانے والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۰۰ ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ﴾ ’’تو کیا ان لوگوں کو سبق نہیں ملا جو زمین کے وارث ہوئے ہیں اس کے پہلے رہنے والوں کے (ہلاک ہونے کے) بعد‘ کہ ہم چاہیں تو ان کو بھی پکڑ لیں ان کے گناہوں کی پاداش میں!‘‘

کیا بعد میں آنے والی قوم نے اپنی پیش رو قوم کی تباہی و بربادی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟ قومِ عاد نے کیوں کوئی سبق نہیں سیکھا قومِ نوح کے عذاب سے؟ اور قومِ ثمود نے کیوں عبرت نہیں پکڑی قومِ عاد کی بربادی سے؟‘ اور قومِ شعیب نے کیوں نصیحت حاصل نہیں کی قومِ لوط کے انجام سے؟

﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰﴾ ’’اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں‘ پھر وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔‘‘

آیت ۱۰۱ ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ﴾ ’’یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ (ﷺ) کو سنا رہے ہیں۔‘‘

انباء الرسل کے سلسلے میں اب تک پانچ رسولوں یعنی حضرت نوح‘ حضرت ہودؑ حضرت صالح‘ حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے جو قدرے طویل ہے۔

﴿وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ ؕ﴾ ’’اور ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن نشانیوں کے ساتھ‘ تو وہ نہیں تھے ایمان لانے والے اس پر جس کا انہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا۔‘‘

یعنی جسے ایمان لانا ہوتا ہے وہ جیسے ہی حق منکشف ہوتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے۔ جسے قبول نہیں کرنا ہوتا اس کے لیے نصیحتیں‘ دلیلیں‘ نشانیاں اور معجزے سب بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نکتہ سورۃ الانعام (آیت ۱۱۰) میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں‘ جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے۔

﴿كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’اسی طرح اللہ مہر کر دیا کرتا ہے کافروں کے دلوں پر۔‘‘

آیت ۱۰۲ ﴿وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ ۚ﴾ ’’اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔‘‘

دُنیا میں جب بھی کوئی قوم اُبھری‘ اپنے رسول کے سہارے اُبھری۔ ہر قوم کے علمی و اخلاقی ورثے میں اپنے رسول کی تعلیمات اور وصیتیں بھی موجود رہی ہوں گی۔ ان کے رسول نے ان لوگوں سے کچھ عہد اور میثاق بھی لیے ہوں گے‘ لیکن ان میں سے اکثر نے کبھی کسی عہد کی پاسداری نہیں کی۔

﴿وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ’’اور ہم نے تو ان کی اکثریت کو فاسق ہی پایا۔‘‘

اب انباء الرسل کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک رسول کا ذکر اوسطاً ایک رکوع میں آیا ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سات آٹھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورتیں ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہوئی تھیں اور ہجرت کے فوراً بعد قرآن کی یہ دعوت براہِ راست اہلِ کتاب (یہودِ مدینہ) تک پہنچنے والی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ مدینہ پہنچنے سے پہلے یہود سے مکالمہ کرنے کے لیے ذہنی اور علمی طور پر پوری طرح تیار ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات ان سورتوں میں بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

آیات ۱۰۳ تا ۱۲۶

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ ۚ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوۡسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱۰۴﴾

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ؑ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۚ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ؑ﴿۱۲۶﴾

آیت ۱۰۳ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ ”پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف“

اب تک جن پانچ قوموں کا ذکر ہوا ہے وہ جزیرہ نمائے عرب ہی کے مختلف علاقوں میں بستی تھیں‘ لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا جو مصر کے باسی تھے۔ مصر براعظم افریقہ کے شمال مشرقی کونے میں واقع ہے۔ اس قصے میں صحرائے سینا کا بھی ذکر آئے گا‘ جو مثلث شکل میں ایک جزیرہ نما (Sinai Peninsula) ہے‘ جو مصر اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ مصر میں اُس وقت ”فراعنہ“ (”فرعون“ کی جمع) کی حکومت تھی۔ جس طرح عراق کے قدیم بادشاہ ”نمرود“ کہلاتے تھے اسی طرح مصر میں اُس دور کے بادشاہ کو ”فرعون“ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست اپنے وقت کے بادشاہ (فرعون) کے پاس بھیجا گیا تھا۔

﴿فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ”تو انہوں نے ان (نشانیوں) کے ساتھ ظلم کیا‘ تو دیکھ لو کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا!“

یعنی ہماری نشانیوں کا انکار کر کے ان کی حق تلفی کی اور انہیں جادوگری قرار دے کر ٹالنے کی کوشش کی۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ”اور موسیٰ نے کہا: اے

فرعون! میں رسول ہوں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے۔‘‘

آیت ۱۰۵ ﴿حَقِيقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ﴾ ’’میں اس پر قائم ہوں کہ حق کے سوا کوئی بات اللہ سے منسوب نہ کروں۔‘‘

فرعون کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی اجنبی آدمی نہیں تھے۔ آپؑ اس کے ساتھ ہی شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو فرعون برسرِ اقتدار تھا وہ اس فرعون کا باپ تھا اور اُسی نے حضرت موسیٰؑ کو بچپن میں بچایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ وہ صندوق فرعون کے محل کے پاس ساحل پر آ لگا تھا اور محل کے ملازمین نے اسے اٹھا لیا تھا۔ فرعون کو پتا چلا تو وہ اسرائیلی بچہ سمجھ کر آپؑ کے قتل کے درپے ہوا' مگر اُس کی بیوی نے اسے یہ کہہ کر باز رکھا تھا کہ ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے' یہ ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا: ﴿قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ﴾ (القصص:۹) کیونکہ اس وقت تک اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ بعد میں اُس کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا بیٹا تقریباً ہم عمر تھے' وہ دونوں اکٹھے محل میں پلے
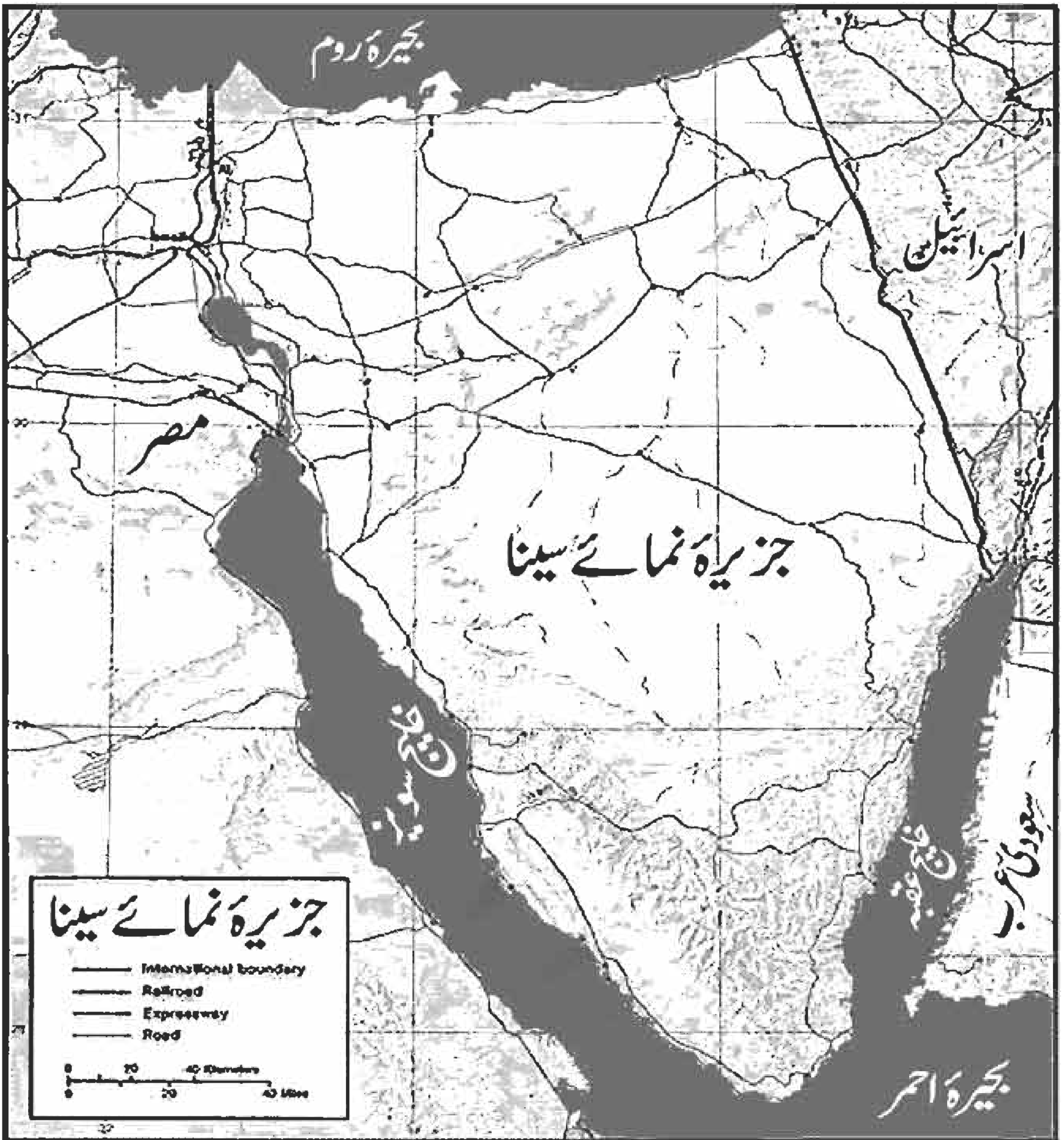
بڑھے تھے اور اُن کے درمیان حقیقی بھائیوں جیسی محبت تھی' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت بڑے بھائی کی تھی۔ جب بڑا فرعون بوڑھا ہو گیا تو اس نے اپنی زندگی میں ہی اقتدار اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ جس فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا یہ وہی تھا جس کے ساتھ آپؑ شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ ابھی کچھ ہی برس پہلے آپؑ یہاں سے مدین گئے تھے اور پھر مدین سے واپس آ رہے تھے تو آپؑ کو نبوت اور رسالت ملی (اس کی پوری تفصیل آگے جا کر سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں آئے گی)۔ اس پس منظر میں فرعون کے ساتھ آپؑ کا بات کرنے کا انداز بھی کسی عام آدمی جیسا نہیں تھا۔ آپؑ نے بڑے واضح اور بے باک انداز میں فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو! میرا یہ منصب نہیں اور یہ بات میرے شایانِ شان نہیں کہ میں تم سے کوئی لایعنی اور جھوٹی بات کروں۔

﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''میں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کھلی نشانی' تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔''

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے آ کر مصر میں اس وقت آباد ہوئے تھے جب یہاں ایک عربی النسل خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے بادشاہ ''چرواہے بادشاہ'' (Hiksos Kings) کہلاتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے احترام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو معاشرے میں ایک خصوصی مقام حاصل رہا اور وہ صدیوں تک عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ اس کے بعد کسی دور میں مصر کے اندر قوم پرست عناصر کے زیر اثر انقلاب آیا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں حکمران خاندان کو ملک بدر کر دیا گیا اور یہاں قبطی قوم کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے تھے۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ تبدیلی بڑی منحوس ثابت ہوئی۔ سابق شاہی خاندان کے چہیتے ہونے کی وجہ سے وہ قبطی حکومت کے زیر عتاب آ گئے اور ان کی حیثیت اور زندگی بتدریج پست سے پست اور سخت سے سخت ہوتی چلی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ لوگ مصر میں غلامانہ زندگی گزار رہے تھے' بلکہ فرعونوں کی طرف سے آئے روز ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر واپس فلسطین لائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیا جائے۔

آیت ۱۰۶ ﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اُس (فرعون) نے کہا: اچھا اگر تم (واقعی) کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو' اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔''

آیت ۱۰۷ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''تو (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنا عصا پھینکا' تو اسی وقت وہ ایک حقیقی اژدھا بن گیا۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو اچانک وہ تھا دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکدار)۔''

آیت ۱۰۹ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو واقعتاً کوئی بہت ماہر جادوگر ہے۔''

انہوں نے کہا ہوگا کہ یہ جو یہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور کئی سال بعد واپس آیا ہے تو کہیں سے بہت بڑا جادو سیکھ کر آیا ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے' تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟''

یہ تو چاہتا ہے کہ جادو کے زور پر تمہیں اس ملک سے نکال کر یہاں خود اپنی حکومت قائم کر لے۔ اس نازک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے؟

آیت ۱۱۱ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''(پھر مشورہ دیتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ (فی الحال) موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو مؤخر رکھیں اور مختلف شہروں میں ہرکارے بھیج دیں۔''

یعنی ابھی فوری طور پر ان کے خلاف کوئی ردِّعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ انہیں مناسب انداز میں ٹالتے ہوئے مؤثر جوابی حکمت عملی اپنانے کے لیے وقت حاصل کیا جائے اور اس دوران ملک کے تمام علاقوں کی طرف اپنے اہلکار روانہ کر دیے جائیں۔

آیت ۱۱۲ ﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''جو آپ کے پاس لے آئیں تمام ماہر جادوگروں کو۔''

ملک کے کونے کونے سے چوٹی کے جادوگروں کو بلا کر ایک عوامی اجتماع کے سامنے مقابلے میں انہیں شکست سے دوچار کیا جائے تا کہ لوگوں کے ذہنوں میں جنم لینے والے خوف کے اثرات زائل ہو سکیں۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے' انہوں نے کہا یقیناً ہمیں اجر تو ملے گا ہی' اگر ہم غالب آ گئے!''

یہاں پر غیر ضروری تفاصیل کو چھوڑ کر رسالت کے مقام و منصب اور دنیاداروں کے مادہ پرستانہ کردار کے فرق کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مطالبے کے مطابق انہیں نشانیاں دکھائیں مگر آپؑ کو اس سے کوئی مفاد مطلوب نہیں تھا۔ آپؑ نے فرعون اور اہلِ دربار کو مرعوب کر کے کسی انعام و اکرام کا مطالبہ نہیں کیا۔ جب کہ دوسری طرف جادوگروں کا کردار خالص مادہ پرستانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے آتے ہی جو مطالبہ کیا وہ مالی منفعت سے متعلق تھا۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اس نے کہا ہاں اور (انعام کے علاوہ) تم مقربین میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے۔''

تمہیں مالی فوائد اور انعام و اکرام سے بھی نوازا جائے گا اور دربار میں بڑے بڑے مراتب و مناصب بھی

عطا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک کھلے میدان میں بہت بڑے عوامی اجتماع کے سامنے یہ مقابلہ شروع ہوا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تو:

آیت ۱۱۵ ﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ﴾ ''(جادوگر) کہنے لگے: اے موسیٰ! اب تم پہلے ڈالو گے یا ہم ہو جائیں پہلے ڈالنے والے؟''

آیت ۱۱۶ ﴿قَالَ اَلْقُوْا ۚ﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: تم ڈالو!''

جادوگروں نے اپنی جادو کی چیزیں زمین پر پھینک دیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں کسی جگہ پر رسیوں کا ذکر آیا ہے اور کہیں چھڑیوں کا۔ یعنی اپنی جادو کی وہ چیزیں زمین پر پھینک دیں جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھیں تھیں۔

﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ﴾ ''تو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا''

انہوں نے جادو کے زور سے حاضرین کی نظر بندی کر دی جس کے نتیجے میں لوگوں کو رسیوں اور چھڑیوں کے بجائے زمین پر سانپ اور اژدھے رینگتے ہوئے نظر آنے لگے۔

﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ﴾ ''اور انہوں نے اُن (حاضرین) پر دہشت طاری کر دی اور ظاہر کر دیا بہت بڑا جادو۔''

واقعتاً انہوں نے بھی اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہاں اس قصے کی کچھ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے، مگر قرآن حکیم کے بعض دوسرے مقامات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے اس مظاہرے کے بعد عارضی طور پر ڈر سے گئے تھے کہ جو معجزہ میرے پاس تھا اسی نوعیت کا مظاہرہ انہوں نے کر دکھایا ہے، تو پھر فرق کیا رہ گیا! تب اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں، بلکہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے زمین پر پھینک دو!

آیت ۱۱۷ ﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالو (تو سہی ذرا) اپنا عصا، تو دفعتہً وہ (اژدھا بن کر) نگلنے لگا ان سب کو جو وہ گھڑ لائے تھے۔''

موسیٰ علیہ السلام کا عصا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔

آیت ۱۱۸ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ ''پس حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ باطل ہو کر رہ گیا۔''

آیت ۱۱۹ ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ﴾ ''تو یہ (جادوگر) اُسی وقت مغلوب ہو گئے اور وہ (فرعون اور اس کے سردار) ذلیل ہو کر رہ گئے۔''

یعنی فرعون کے بلائے ہوئے بڑے بڑے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مغلوب ہو گئے اور نتیجتاً فرعون اور اس کی قوم کے سردار ذلیل ہو کر رہ گئے۔

آیت ۱۲۰ ﴿ وَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ ﴾ ”اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔“

یعنی ایسے لگا جیسے جادوگروں کو کسی نے سجدے میں گرا دیا ہے۔ ان پر یہ کیفیت حق کے منکشف ہو جانے کے بعد طاری ہوئی۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی کہ جب کسی باضمیر انسان کے سامنے حق کو مان لینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ (option) رہ ہی نہیں جاتا۔

آیت ۱۲۱ ﴿ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ﴾ ”وہ (فوراً) پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے تمام جہانوں کے رب پر۔“

آیت ۱۲۲ ﴿ رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾ ”موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔“

آخر کیا وجہ تھی کہ جادوگر مغلوب ہوئے تو فوراً ایمان لے آئے اور وہ بھی انتہائی پختہ‘ یقین اور استقامت والا ایمان! کہاں وہ فرعون سے انعام کی بھیک مانگ رہے تھے اور کہاں اب اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے نتائج سے بے پروا ہو کر ڈنکے کی چوٹ پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ جادوگروں کے اس رویے کی منطقی توجیہہ یہ ہے کہ جو شخص کسی فن کا ماہر ہو اسے اس فن کے ممکنات کی انتہا اور اس کے حدود و قیود (limitations) کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے فن کے مخصوص میدان (field of specialization) میں کسی چیز کی قدر‘ اہمیت‘ معیار وغیرہ کو صحیح پہچان سکتا ہے۔ جادوگر جو اپنے فن کے منجھے ہوئے ماہرین تھے وہ فوراً پہچان گئے تھے کہ ان کے جادو کے مقابلے میں جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا ہے وہ جادو سے ماوراء کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس حقیقت کا ادراک فرعون اور اس کے امراء نہ کر سکے وہ بجلی کی ایک کوند (flash) کی مانند آناً فاناً جادوگروں کے دلوں کے تاریک گوشوں کو روشن کر گئی اور ان کو ایسا ایمان نصیب ہوا جس کی جراَتِ اظہار اور استقامت نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو پریشان کر دیا۔

آیت ۱۲۳ ﴿ قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ۚ ﴾ ”فرعون نے کہا (تمہاری یہ جراَت کہ) تم ایمان لے آئے ہو اس پر اس سے قبل کہ میں تمہیں اجازت دوں!“

﴿ اِنَّ ہٰذَا لَمَکۡرٌ مَّکَرۡتُمُوۡہُ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ ﴾ ”یہ تمہاری ایک (سوچی سمجھی) سازش ہے جو تم سب نے مل کر چلی ہے شہر کے اندر“

اب فرعون کی جان پر بن گئی کہ لوگوں پر جادوگروں کی اس شکست کا کیا اثر پڑے گا‘ عوام کو کیسے مطمئن کیا جا سکے گا؟ لیکن وہ بڑا ذہین اور genius شخص تھا‘ فوراً پینترا بدلا اور بولا مجھے سب پتا چل گیا ہے‘ یہ موسیٰ بھی تمہارا ہی ساتھی ہے‘ تمہارا گروگھنٹال ہے۔ یہ سب تمہاری آپس کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے اور تم سب نے مل کر ہمارے خلاف ایک سازش کا جال بنا ہے۔

﴿ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡہَاۤ اَہۡلَہَا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ ﴾ ”تاکہ نکال دو اس (شہر) میں سے اس کے باسیوں کو‘ تو تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا۔“

آیت ۱۲۴ ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے اور پھر میں سولی پر چڑھا دوں گا تم سب کو۔''

آیت ۱۲۵ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا (ٹھیک ہے) ہمیں تو اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

جادوگروں پر انکشافِ حق سے حاصل ہونے والی یقین کی پختگی اور گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی اتنی بڑی دھمکی ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لرزش پیدا نہ کر سکی۔ ان کے اس جواب کے ایک ایک لفظ سے ان کے دل کا اطمینان جھلکتا اور چھلکتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ﴾ ''اور تم ہم سے کس بات کا انتقام لے رہے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لے آئے اپنے رب کی آیات پر جب وہ ہمارے پاس آ گئیں!''

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات دیجیو مسلم ہی کی حیثیت سے۔''

یعنی ایمان کے راستے میں جو آزمائش آنے والی ہے اس کی سختیوں کو جھیلتے ہوئے کہیں دامنِ صبر ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے اور ہم کفر میں دوبارہ لوٹ نہ جائیں۔ اے اللہ! ہمیں صبر اور استقامت عطا فرما' اور اگر ہمیں موت آئے تو تیری اطاعت اور فرمانبرداری کی حالت میں آئے۔

اس واقعے کے بعد بھی فرعون عملی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام نہ کر سکا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اب بھی شہر میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے اور بنی اسرائیل کو منظّم کرنے میں مصروف رہے۔ قوم کے نوجوانوں نے آپؑ کی دعوت پر لبیک کہا اور وہ آپؑ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپؑ کی اس طرح کی سرگرمیوں سے حکومتی عہدیداروں کے اندر بجا طور پر تشویش پیدا ہوئی اور بالآخر انہوں نے فرعون سے اس بارے میں شکایت کی۔

آیات ۱۲۷ تا ۱۴۱

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع
وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا

جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ
اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ
لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ
وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ
عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ
لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤی اَجَلٍ هُمْ
بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا
عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا
الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا
مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ
فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ
اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ
اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

آیت ۱۲۷ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ ''اور کہا قومِ فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھیں گے کہ وہ زمین کے اندر فساد مچائیں''

﴿وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ﴾ ''اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں!''

جس نئے نظریے کا پرچار وہ کر رہے ہیں اگر وہ لوگوں میں مقبول ہوتا گیا اور اس نظریے پر لوگ اکٹھے اور منظم ہو گئے تو ہمارے خلاف بغاوت پھوٹ پڑے گی۔ اس طرح ملک میں فساد پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے۔

یہاں یہ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ قومِ فرعون کے معبود بھی تھے۔ ان کا سب سے بڑا الٰہ تو سورج تھا۔ لہٰذا معاملہ یہ نہیں تھا کہ وہ خدا صرف فرعون کو مانتے تھے۔ فرعون کی خدائی سیاسی تھی' اس کا دعویٰ تھا کہ حکومت میری ہے' اقتدار و اختیار (sovereignty) کا مالک میں ہوں۔ نمرود کی خدائی کا دعویٰ بھی اسی طرح کا تھا۔ باقی پوجا پاٹ کے لیے کچھ معبود فرعون اور اس کی قوم نے بھی بنا رکھے تھے جن کے چھوٹ جانے کا انہیں خدشہ تھا۔

﴿قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ﴾ ''اس نے کہا ہم عنقریب قتل کریں گے ان کے

بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیں گے ان کی بیٹیوں کو۔''

یہ آزمائش ان پر ایک دفعہ پہلے بھی آ چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل جو فرعون برسرِ اقتدار تھا اُس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر میں اس کے نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچے کی پیدائش ہونے والی ہے جو بڑا ہو کر آپ کی حکومت ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس خدشے کے پیشِ نظر فرعون نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ تقریباً چالیس' پینتالیس سال بعد اب پھر یہ مرحلہ آ گیا کہ جب موجودہ فرعون کے سرداروں نے اس کی توجہ اس طرف دلائی کہ جسے تم مشتِ غبار سمجھ رہے ہو وہ بڑھتے بڑھتے اگر طوفان بن گیا تو پھر کیا کرو گے؟ اگر اس (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے اپنی قوم کو تمہارے خلاف ایک تحریک کی شکل میں منظّم کر لیا تو پھر ان کو دبانا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ ''nip the evil in the bud'' کے اصول کے تحت حضرت موسیٰ ؑ کو قتل کر دیا جائے' لیکن فرعون کے دل میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے محبت ڈالی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ وہی فرعون تھا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کا سا رشتہ تھا' جس کی وجہ سے اس کے دل میں آپ ؑ کے لیے طبعی محبت ابھی بھی موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آپ ؑ کو قتل کرنے کے بارے میں نہیں سوچا' بلکہ اس کے بجائے اس نے بنی اسرائیل کو دبانے کے لیے پھر سے اپنے باپ کا پرانا حکم نافذ کرانے کا عندیہ دے دیا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کرتے رہیں گے تاکہ موسیٰ ؑ کو اپنی قوم سے اجتماعی افرادی قوت مہیا نہ ہو سکے۔

﴿وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ۝۱۲۷﴾ ''اور یقیناً ہم ان پر پوری طرح غالب ہیں۔''

گویا اب درباریوں اور امراء کا حوصلہ بڑھانے کے انداز میں کہا جا رہا ہے کہ تم کیوں گھبراتے ہو' ہم پوری طرح ان پر چھائے ہوئے ہیں' یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

آیت ۱۲۸ ﴿قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ﴾ ''موسیٰ ؑ نے اپنی قوم (اہلِ ایمان) سے کہا کہ اب تم لوگ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو؟''

﴿اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۟ۙ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ۝۱۲۸﴾ ''یقیناً یہ زمین اللہ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے' لیکن عاقبت (آخرت) تو تقویٰ والوں کے لیے ہی ہے۔''

یعنی اتنی بڑی آزمائش میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ سے مدد کی دعا کرتے رہو اور صبر کا دامن تھامے رکھو۔ انجام کار کی کامیابی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کا مقدر ہے۔

آیت ۱۲۹ ﴿قَالُوۡۤا اُوۡذِيۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِيَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ﴾ ''وہ کہنے لگے (اے موسیٰ ؑ) ہمیں تو ایذا پہنچی آپ ؑ کے آنے سے قبل بھی اور آپ ؑ کے آنے کے بعد بھی۔''

ان الفاظ سے اس مظلوم قوم کی بے بسی اور بے چارگی ٹپک رہی ہے' کہ پہلے بھی ہمارا یہی حال تھا کہ ہم بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے' اور اب آپ ؑ کے آنے کے بعد بھی ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکی۔

﴿قَالَ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّهۡلِکَ عَدُوَّکُمۡ وَیَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۲۹﴾﴾
''(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا (گھبراؤ نہیں!) ہوسکتا ہے عنقریب اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں خلافت عطا کر دے زمین میں' پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!''

یہ آیت مسلمانانِ پاکستان کے لیے بھی خاص طور پر لمحۂ فکریہ ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان بھی غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ متحدہ ہندوستان اگر ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوا تو کثرتِ آبادی کی وجہ سے ہندو ہمیشہ ہم پر غالب رہیں گے' کیونکہ جدید دنیا کا جمہوری اصول ''one man one vote'' ہے۔ اس طرح ہندو ہمیں دبالیں گے' ہمارا استحصال کریں گے' ہمارے دین و مذہب' تہذیب وتمدن' سیاست و معیشت اور زبان و معاشرت ہر چیز کو برباد کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک الگ آزاد وطن حاصل کرنے کے لیے تحریک چلائی۔ اس تحریک کا نعرہ یہی تھا کہ مسلمان قوم کو اپنے دین و مذہب' ثقافت اور معاشرت وغیرہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت ہے۔ اس تحریک میں اللہ نے انہیں کامیابی دی اور انہیں ایک آزاد خود مختار ملک کا مالک بنا دیا۔ ابھی اس حوالے سے اس آیت کا دوبارہ مطالعہ کیجیے: ﴿وَیَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ۝﴾ کہ وہ تمہیں زمین میں طاقت اور اقتدار عطا کرے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم لوگ کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو! اس ملک میں اللہ کی حکومت قائم کر کے دین کو غالب کرتے ہو یا اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے اپنی خواہشات کے مطابق نظام چلاتے ہو۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَلَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ بِالسِّنِیۡنَ وَنَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور ہم نے پکڑا آلِ فرعون کو لگاتار قحط سالی اور فصلوں کی تباہی سے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

یہ وہی قانون ہے جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ۹۴ میں ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خوابِ غفلت سے جاگیں اور دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آلِ فرعون کی طرف مبعوث ہوئے اور آپؑ نے اپنی دعوت شروع کی تو اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون پر بھی چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجنے شروع کیے تاکہ وہ ہوش میں آجائیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ﴾ ''تو جب بھی حالات بہتر ہو جاتے تو وہ لوگ کہتے یہ ہمارے لیے ہے۔''

﴿وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوۡا بِمُوۡسٰی وَمَنۡ مَّعَهٗ﴾ ''اور جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے وہ نحوست سمجھتے موسیٰؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کی۔''

﴿اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴿۱۳۱﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ ان کی شومئ قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔''

جب ان کے حالات قدرے بہتر ہوتے یعنی فصلیں وغیرہ ٹھیک ہو جاتیں' خوشحالی آتی اور ان کو آسائش

حاصل ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ ہماری محنت' منصوبہ بندی اور کوشش کا نتیجہ ہے' یہ ہمارا استحقاق ہے۔ اور جب ان کو فصلوں میں نقصان ہوتا یا کسی اور قسم کے مالی نقصانات کا انہیں سامنا کرنا پڑتا تو وہ اس سب کچھ کی ذمہ داری حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں پر ڈال دیتے کہ ہمارا یہ نقصان ان کی نحوست کی وجہ سے ہوا ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور وہ کہتے کہ (اے موسیٰ) تم ہمارے اوپر خواہ کوئی بھی نشانی لے آؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو' مگر ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

وہ تحدّی کے انداز میں کہتے کہ اے موسیٰ! یہ جو تم اپنے جادو کے زور سے ہم پر مصیبتیں لا رہے ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم تمہارے جادو کے زیر اثر اپنے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں!

آیت ۱۳۳ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾ ''پھر ہم نے بھیجے ان کے اوپر طوفان اور ٹڈی دَل' اور چچڑیاں اور مینڈک اور خون''

ان پر طوفانِ بادوباراں بھی آیا۔ ٹڈی دل ان کی فصلوں کو چٹ کر جاتی تھیں۔ چچڑیاں' جوئیں' کھٹمل اور پسّو ان کو کاٹتے تھے اور ان کا خون چوستے تھے اور ان کے اناج میں کثرت سے سُرسریاں پڑ جاتیں۔ مینڈک ان کے گھروں' بستروں اور برتنوں وغیرہ میں ہر جگہ پیدا ہو جاتے تھے۔ اسی طرح ان پر خون کی بارش بھی ہوتی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں بھی خون شامل ہو جاتا تھا۔

﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ ''(ہم نے بھیجیں یہ) نشانیاں وقفے وقفے سے''

یہ ساری مصیبتیں اور آزمائشیں یکبارگی ان پر مسلّط نہیں ہو گئی تھیں' بلکہ وقفے وقفے سے یکے بعد دیگرے آتی رہیں' کہ شاید کسی ایک مصیبت کو دیکھ کر وہ راہِ راست پر آ جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیں۔

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ ''(اس کے باوجود) وہ تکبّر پر اڑے رہے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔''

اگلی آیت سے پتا چل رہا ہے کہ بعد میں ان کی یہ اکڑ ختم ہو گئی تھی اور عذاب کو ختم کرانے کے لیے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کرنے پر بھی تیار ہو گئے تھے۔

آیت ۱۳۴ ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ﴾ ''اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تھا تو وہ کہتے کہ اے موسیٰؑ اپنے ربّ سے دعا کرو اس عہد کے واسطہ سے جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے۔''

﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ﴾ ''اگر تم نے ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے''

آمَنَ کے ساتھ جب ''ل'' کا صلہ آتا ہے (جیسے لَکَ) تو اس سے مراد عقیدہ والا ''ایمان'' نہیں ہوتا' بلکہ اس طرح کسی کی بات کو سَرسَری انداز میں ماننے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ''لَنُؤْمِنَنَّ لَکَ'' کا مطلب ہے کہ ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ جب ''ب'' کا صلہ آئے' جیسا کہ ''آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلآئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ'' میں ہے تو اس کے معنی پورے وثوق' یقین اور گہرے اعتماد کے ساتھ ماننے کے ہوتے ہیں' یعنی ایمان لانا۔

﴿وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَکَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور ہم بنی اسرائیل کو بھی لازماً تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔''

مصر میں بنی اسرائیل کی حیثیت حکمران خاندان کے غلاموں کی سی تھی۔ فراعنہ ان سے مشکل اور بھاری کام بیگار میں کرواتے تھے۔ اہرامِ مصر کی تعمیر کے دوران نہ جانے کتنے ہزار اسرائیلی اس بے رحم مشقت کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کی ہڈیاں اہرامِ مصر کی بنیادوں میں دفن ہو گئیں۔ اہراموں کی تعمیر کے دوران سینکڑوں من وزنی چٹانیں اوپر کھینچی جاتی تھیں۔ اس دوران اگر کوئی چٹان نیچے گر جاتی تو اس کے نیچے سینکڑوں اسرائیلی پس جاتے۔ چونکہ وہ لوگ فرعون کے مفت کے کارندے تھے لہٰذا وہ ان کو آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا۔ لیکن ان آیات سے پتا چلتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آنے والے عذاب سہہ سہہ کر فرعون اور اُس کے امراء کا غرور و تکبر کچھ کم ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ لوگ زیادہ عاجز آ جاتے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی کرتے تھے کہ اگر یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم آپؑ کی بات مان لیں گے اور آپؑ کی قوم کو آپؑ کے ساتھ بھیج دیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓی اَجَلٍ ھُمْ بٰلِغُوْہُ اِذَا ھُمْ یَنْکُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ ''لیکن جب ہم ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتے تھے ایک خاص مدت کے لیے کہ جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفعتہً عہد توڑ دیتے تھے۔''

آیت ۱۳۶ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْھُمْ فَاَغْرَقْنٰھُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾﴾ ''پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا' اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان (آیات) سے تغافل برتتے رہے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا ط﴾ ''اور جن لوگوں کو دبا لیا گیا تھا (اب) ہم نے انہیں وارث بنا دیا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس کو ہم نے بابرکت بنایا تھا۔''

یہاں پر مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا کی ترکیب کی خاص ادبی (literary) اہمیت ہے جو فقرے میں ایک خوبصورت rhythm پیدا کر رہی ہے۔ اس آیت کا سادہ مفہوم یہی ہے کہ بنی اسرائیل جو مصر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کو وہاں سے اٹھا کر پورے فلسطین کا وارث بنا دیا۔ ارضِ فلسطین کی خصوصی برکت کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ کے الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ سرزمین اس لیے بھی

متبرک ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ سینکڑوں انبیاء کا مسکن و مدفن رہی ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک امتیازی نوعیت کی زرخیزی سے نوازا ہے۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ﴾ ''اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا اس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے۔''

ان میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے انہوں نے واقعتاً سخت ترین آزمائشوں پر صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا۔

﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝﴾ ''اور ہم نے تباہ و برباد کر ڈالا وہ سب کچھ جو فرعون اور اس کی قوم (اونچے محلات) بناتے تھے اور (باغات میں انگور کی بیلوں وغیرہ کے لیے چھتریاں) چڑھاتے تھے۔''

یعنی فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات اور ان کے سارے باغ و چمن ملیامیٹ کر دیے گئے۔

اب اگلی آیات میں بنی اسرائیل کے مصر سے صحرائے سینا تک کے سفر کا تذکرہ ہے۔ یہ واقعات مدنی سورتوں میں بھی متعدد بار آ چکے ہیں۔ Old Testament کی کتاب الخروج (Exodus) میں بھی اس سفر کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ﴾ ''اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے''

بنی اسرائیل خلیج سویز کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے تھے۔

﴿فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ﴾ ''تو ان کا گزر ہوا ایک ایسی قوم پر جو اعتکاف کر رہی تھی اپنے بُتوں کا۔''

بُتوں کا اعتکاف کرنے سے مراد بُتوں کے سامنے پوری توجہ اور یکسوئی سے بیٹھنا ہے جو بُت پرستوں کا طریقہ ہے۔ بت پرستی کے اس فلسفے پر ڈاکٹر رادھا کرشنن (۱۸۸۸ء تا ۱۹۷۵ء) نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن ساٹھ کی دہائی میں ہندوستان کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعے ہندوستان کے فلسفے کو زندہ کیا۔ یہ برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء تا ۱۹۷۰ء) کے ہم عصر تھے اور یہ دونوں اپنے زمانے میں چوٹی کے فلسفی تھے۔ برٹرینڈ رسل ملحد تھا جبکہ ڈاکٹر رادھا کرشنن مذہبی تھا۔ اتفاق سے ان دونوں نے کم و بیش 90 سال کی عمر پائی۔ بُت پرستی کے بارے میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جو کسی دیوی یا دیوتا کے نام کے بُت بناتے ہیں تو ہم ان بتوں کو اپنے نفع یا نقصان کا مالک نہیں سمجھتے' بلکہ ہمارا اصل مقصد ایک مجسّم چیز کے ذریعے سے توجہ مرکوز کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ تصوراتی انداز میں ان دیوتاؤں کے بارے میں مراقبہ کرنا اور پوری توجہ کے ساتھ ان کی طرف دھیان کرنا بہت مشکل ہے' جبکہ مجسّمہ یا تصویر سامنے رکھ کر توجہ مرکوز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی انسانی کمزوری کو علامہ اقبال نے اپنی نظم ''شکوہ'' میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر!

بہرحال بنی اسرائیل نے اس بت پرست قوم کو اپنے بتوں کی عبادت میں مشغول پایا تو ان کا جی بھی للچانے لگا اور انہیں ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی۔

﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اے موسیٰؑ ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دو جیسے اُن کے معبود ہیں۔''

اس قوم کی حالت دیکھ کر بنی اسرائیل کا بھی جی چاہا کہ ہمارے لیے بھی کوئی اس طرح کا معبود ہو جس کو سامنے رکھ کر ہم اس کی پوجا کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی اسی خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی:

﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو!''

تم کتنی بڑی نادانی اور جہالت کی بات کر رہے ہو!

آیت ۱۳۹ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''یہ لوگ جس چیز میں پڑے ہیں وہ سب کچھ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ سب باطل ہے۔''

آیت ۱۴۰ ﴿قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں، جب کہ اس نے تمہیں فضیلت دی ہے تمام جہان والوں پر!''

آیت ۱۴۱ ﴿وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے، جو تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں۔''

﴿يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''وہ قتل کر ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری بیٹیوں کو، اور یقیناً اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

تقریباً یہی الفاظ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۹) میں بھی گزر چکے ہیں۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى

صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

آیت ۱۴۲ ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾ ’’اور ہم نے بلایا موسیٰ کو تیس راتوں کے لیے‘‘
یعنی کوہِ سینا (طور) پر طلب کیا۔ عام طور پر اس طرح کہنے سے دن رات ہی مراد ہوتے ہیں‘ لیکن عربی محاورہ میں رات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

﴿وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ﴾ ’’اور مکمل کر دیا ہم نے اس مدت کو دس (مزید راتوں) سے‘ تو مدت پوری ہوگئی اس کے رب کی چالیس راتوں کی۔‘‘
اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر ’’چلّہ‘‘ مکمل کیا‘ جس کے دوران آپ نے لگاتار روزے بھی رکھے۔ ہمارے ہاں صوفیاء نے چلّہ کاٹنے کا تصوّر غالباً یہیں سے لیا ہے۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾
’’اور (جاتے ہوئے) کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہ میری قوم کے اندر میری نیابت کے فرائض ادا کرنا‘ اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔‘‘

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ﴾ ’’اور جب موسیٰؑ پہنچے ہمارے وقتِ مقرّرہ پر اور ان سے کلام کیا ان کے رب نے‘‘

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۗ قَالَ لَنْ تَرٰىنِىْ﴾ ’’انہوں نے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے‘‘

﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِىْ ۚ﴾ ’’لیکن ذرا اس پہاڑ کو دیکھو‘ اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہ جائے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔‘‘

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ ’’تو جب اُس کے رب نے اپنی تجلّی ڈالی پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ‘‘

جَلَا یَجْلُو جَلَاءً کے معنی ہیں ظاہر کرنا‘ روشن کرنا۔ اس سے ’’تَجَلّی‘‘ باب تفعل ہے‘ یعنی کسی چیز کا خود روشن ہو جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی تھی جو پہاڑ پر ڈالی گئی جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

﴿وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ﴾ ’’اور موسیٰؑ گر پڑے بے ہوش ہو کر‘‘

تجلیٔ باری تعالیٰ کے اس بالواسطہ مشاہدے کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ پہاڑ پر تجلّی کا پڑنا تھا کہ آپؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳﴾ ’’پھر جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو کہا کہ (اے اللہ!) تو پاک ہے‘ میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں ہوں پہلا ایمان لانے والا!‘‘

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سوال کی جسارت پر توبہ کی اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں تجھے دیکھے بغیر سب سے پہلے تجھ پر ایمان لانے والا ہوں۔

آیت ۱۴۴ ﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ﴾ ’’(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰؑ میں نے تمہیں منتخب کیا ہے لوگوں پر (ترجیح دے کر) اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے لیے۔‘‘

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتیازی مقام تھا‘ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝۱۶۴﴾۔

﴿فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴﴾ ’’تو لے لو جو میں تمہیں دے رہا ہوں اور ہو جاؤ شکر کرنے والوں میں۔‘‘

یعنی یہ الواح جو ہم آپؑ کو دے رہے ہیں انہیں لے لو اور ان میں جو احکام لکھے ہوئے ہیں ان کا حق ادا کرو۔

آیت ۱۴۵ ﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ﴾ ’’اور ہم نے لکھ دی اُسؑ کے لیے تختیوں پر ہر طرح کی نصیحت اور ہر طرح (کے احکام) کی تفصیل۔‘‘

یعنی شریعت کے تمام بنیادی احکام ان الواح میں درج کر دیے گئے تھے۔ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے بنیادی احکام شاہراہِ حیات پر انسان کے لیے گویا danger signals کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے کسی پُر پیچ پہاڑی سڑک پر سفر کو محفوظ بنانے کے لیے جگہ جگہ danger cautions نصب کیے جاتے ہیں اسی طرح انسانی تمدّن کے پیچیدہ راستے پر آسمانی شریعت اپنے احکامات کے ذریعے caution نصب کر کے انسانی تگ و دو کے لیے ایک محفوظ دائرہ مقرّر کر دیتی ہے تاکہ انسان اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے‘ اپنی عقل کو بروئے کار لا کر اپنی مرضی اور پسند ناپسند کے مطابق زندگی گزارے۔ اس دائرے کے باہر ’’محرّمات‘‘ ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ ان کے قریب بھی مت جانا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)۔

﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ﴾ ’’تو (اے موسیٰ علیہ السلام) اس کو تھام لو مضبوطی کے ساتھ اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ وہ اس کو پکڑیں اس کی بہترین صورت پر۔‘‘

کسی بھی حکم پر عمل درآمد کے لیے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ یہ عمل درآمد ادنیٰ درجے میں بھی ہو سکتا ہے‘ اوسط درجے میں بھی اور اعلیٰ درجے میں بھی۔ لہٰذا یہاں مطلب یہ ہے کہ آپؑ اپنی قوم کو ترغیب دیں کہ وہ احکامِ شریعت پر عمل کرتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہی نکتہ ہم مسلمانوں کو بھی قرآن میں بتایا گیا: ﴿الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ ؕ﴾ (الزمر:۱۸) یعنی وہ لوگ کلام اللہ کو سنتے ہیں پھر جو اس کی بہترین بات ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں ڈھیل اور رعایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ امتیازی پوزیشن نہ سہی‘ فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن بھی نہ سہی‘ بس pass marks کافی ہیں‘ لیکن یہ معاملہ ’’دین‘‘ میں نہیں ہونا چاہیے۔ دینی امور میں عمل کا اچھے سے اچھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی کوشش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ المائدۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾۔ دُنیوی اُمور میں تو ہر شخص ع ’’ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!‘‘ کے نظریے کا حامل نظر آتا ہی ہے‘ لیکن دین کے سلسلے میں بھی ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیے کہ اس کا آج اس کے کل سے بہتر ہو۔ دینی امور میں بھی وہ ترقی کے لیے حتی الامکان ہر گھڑی کوشاں رہے۔

﴿سَاُورِیۡکُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ ’’عنقریب میں تمہیں گھر دکھاؤں گا (جس پر اس وقت قبضہ ہے) فاسقوں کا۔‘‘

اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جس پر حملہ آور ہونے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والا تھا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ مصر سے نکلنے کے بعد خلیج سویز کو عبور کر کے صحرائے سینا میں داخل ہوا تو خلیج سویز کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا‘ یہاں تک کہ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی کونے میں پہنچ گیا جہاں کوہِ طور واقع ہے۔ یہاں پر اس قافلے کا طویل عرصے تک قیام رہا۔ یہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر طلب کیا گیا اور جب آپؑ تورات لے کر واپس آئے تو آپؑ کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم ملا۔ چنانچہ یہاں سے یہ قافلہ خلیج عقبیٰ کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ بنی اسرائیل سات آٹھ سو سال قبل حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر فلسطین چھوڑ کر مصر میں آ بسے تھے۔ اب فلسطین میں وہ مشرک اور فاسق قوم قابض تھی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ سخت اور زورآور لوگ ہیں۔ چنانچہ جب ان کو حکم ملا کہ جا کر اس قوم سے جہاد کرو تو انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ ایسے طاقتور لوگوں سے جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہیں: ﴿قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡہَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ ٭ۖ﴾ (المائدۃ: ۲۲) اس واقعے کی تفصیل سورۃ المائدۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسی مہم کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں عنقریب تم لوگوں کو اس سرزمین کی طرف لے جاؤں گا جو تمہارا اصل وطن ہے لیکن ابھی اس پر فاسقوں کا قبضہ ہے۔ ان نافرمان لوگوں کے ساتھ جنگ کر کے تم نے اپنے وطن کو آزاد کرانا ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ﴾ ’’میں پھیر دوں گا اپنی آیات سے ان لوگوں (کے رُخ) کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔‘‘

یہاں ایک اصول بیان فرما دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر تکبّر ہوتا ہے ہم خود ان کا رخ اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیتے ہیں' چنانچہ وہ ہماری آیات کو سمجھ ہی نہیں سکتے' ان پر غور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ))(۱) یعنی تکبّر میری چادر ہے' اگر کوئی انسان تکبر کرتا ہے تو وہ گویا میری چادر میرے شانے سے گھسیٹ رہا ہے' لہٰذا ایسے ہر انسان کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ))(۲) ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہے''۔ چنانچہ آیت زیر نظر کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہے ہم خود انہیں اپنی آیات سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم اس لائق ہی نہیں سمجھتے کہ وہ ہماری آیات کو دیکھیں اور سمجھیں۔ ایسے مغرور لوگوں کو ہم سیدھی راہ کی طرف توجہ مرکوز کرنے ہی نہیں دیتے۔

﴿وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ﴾ ''اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ساری نشانیاں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

﴿وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ﴾ ''اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ہدایت کا راستہ تب بھی اس راستے کو اختیار نہیں کریں گے۔''

﴿وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ط﴾ ''اور اگر وہ دیکھیں برائی کا راستہ تو اسے وہ (فوراً) اختیار کر لیں گے۔''

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تغافل برتتے رہے۔''

آیت ۱۴۷ ﴿وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ط﴾ ''اور جو لوگ بھی جھٹلائیں گے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو' ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔''

ایسے لوگ اپنے تئیں بڑی بڑی نیکیاں کما رہے ہوں گے' مگر اللہ کے ہاں ان کی ان نیکیوں کا کوئی صلہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قریشِ مکہ خود کو ''خادمینِ کعبہ'' سمجھتے تھے' وہ کعبہ کی صفائی اور ستھرائی کا خصوصی اہتمام کرتے' حاجیوں کی خدمت کرتے' ان کے لیے دودھ اور پانی کی سبیلیں لگاتے' مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر ایمان لائے بغیر ان کے ان سارے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔

﴿هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ''اور ان کو نہیں دیا جائے گا بدلے میں مگر وہی کچھ جو وہ کرتے رہے تھے۔''

---

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب ما جاء فی الکبر۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم الکبر وبیانه۔ وسنن الترمذی' ابواب البر والصلة' باب ماجاء فی الکبر' واللفظ له۔

آیات ۱۴۸ تا ۱۵۳

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ع ۸
اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

آیت ۱۴۸ ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ﴾ ''اور بنالیا موسیٰ کی قوم نے آپؑ کے بعد اپنے زیورات سے بچھڑے کا سا ایک جسم جس سے گائے کی سی آواز آتی تھی۔''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے گئے تو آپؑ کی قوم کے ایک فرد نے یہ فتنہ اٹھایا' جس کا نام سامری تھا۔ اس نے سونے کا ایک مجسّمہ بنانے کا منصوبہ بنایا اور اس غرض سے اس نے سب لوگوں سے زیورات اکٹھے کر لیے۔ روایات کے مطابق یہ زیورات زیادہ تر مصر کے مقامی لوگوں (قبطیوں) کے تھے جو انہوں نے بنی اسرائیل کے لوگوں کے پاس امانتاً رکھوائے ہوئے تھے۔ فرعونیوں کے ہاتھوں اپنی تمام تر ذلّت و خواری کے باوجود معاشرے میں بنی اسرائیل کی اخلاقی ساکھ ابھی تک کسی نہ کسی سطح پر اس وجہ سے موجود تھی کہ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے مقامی لوگ اپنی قیمتی چیزیں ان کے ہاں بطور امانت رکھ دیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو اس وقت بھی ان کے بہت سے لوگوں کے پاس قبطیوں کے بہت سے زیورات امانتوں کے طور پر موجود تھے۔ چنانچہ وہ زیورات ان کے مالکوں کو واپس کرنے کی بجائے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ سامری نے ایک منصوبے کے تحت سارے قافلے سے وہ زیورات اکٹھے کیے۔ باقاعدہ ایک بھٹی بنا کر ان زیورات کو گلایا اور بچھڑے کی شکل اور جسامت کا ایک مجسّمہ تیار کر دیا۔ اس نے ایک ماہر کاریگر کی طرح اس مجسّمے کو بنایا' سنوارا اور اس میں کچھ سوراخ اس طرح سے رکھے کہ جب ان میں سے ہوا گزرتی تھی تو گائے کے ڈکارنے جیسی آواز سنائی دیتی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد سامری نے اعلان کر دیا کہ یہ بچھڑا تم لوگوں کا خدا ہے اور موسیٰؑ کو دراصل مغالطہ ہو گیا ہے جو خدا سے ملنے کوہِ طور پر چلے گئے ہیں۔

اس میں ایک اور نکتہ قابل توجہ ہے' وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام محبت اور جذبہ اشتیاق میں وقتِ مقررہ سے پہلے ہی کوہِ طور پر چلے گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب طلبی بھی ہوئی تھی' جس کے بارے میں ہمیں کچھ اشارہ سورۂ طٰہٰ میں ملتا ہے: ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾﴾ ''اے موسیٰ! تم اپنی قوم کو چھوڑ کر قبل از وقت کیوں آ گئے ہو؟'' اس پر آپؑ نے جواب دیا: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾﴾ کہ پروردگار! میں تو تیری محبت اور تجھ سے گفتگو کرنے کے شوق میں اس لیے جلدی آیا تھا کہ تو اس سے خوش ہوگا۔ گویا آپؑ تو فرطِ اشتیاق میں شاباش کی توقع رکھتے تھے۔ لیکن یہاں ڈانٹ پڑ گئی: ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو (آپؑ کی اس عجلت کی وجہ سے) آپؑ کے بعد ہم نے آپؑ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے''۔ گویا خیر اور بھلائی کے معاملے میں بھی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے اور ہر کام قاعدے' کلیے کے مطابق ہی کرنا چاہیے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے: ''سہج پکے سو میٹھا ہو!''

﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ نہ وہ ان سے کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں راستہ بتا سکتا ہے!''

اگرچہ اس مجسمے سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ کوئی بامعنی بات کرنے کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی کسی انداز میں وہ ان کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود:

﴿اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اسی کو وہ (معبود) بنا بیٹھے اور وہ تھے بہت ظالم!''

بنی اسرائیل نے اسی بچھڑے کو اپنا معبود مان کر اس کی پرستش شروع کر دی اور اس طرح شرک جیسے ظلمِ عظیم کے مرتکب ہوئے۔ ظالم سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ اپنے اوپر بڑے ظلم ڈھانے والے تھے۔

آیت ۱۴۹ ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ﴾ ''اور جب ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے (ان کو پچھتاوا ہوا) اور انہیں احساس ہوا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں''

﴿قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے ربّ نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمیں بخش نہ دیا تو ہم ہو جائیں گے بہت خسارہ پانے والوں میں سے۔''

اس معاملے میں وہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ قوم کا ایک بڑا حصہ وہ تھا جو اس گناہ میں بالکل شریک نہیں ہوا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو کچھ دیر کے لیے اس گناہ میں شریک ہوئے' لیکن فوراً انہیں احساس ہو گیا کہ اُن سے غلطی ہو گئی ہے۔ تیسرا گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس شرک پر اَڑا رہا۔ یہاں درمیانی گروہ کے لوگوں کا ذکر ہے کہ غلطی کے بعد وہ نادم ہوئے اور انہیں سمجھ آ گئی کہ وہ گمراہی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔

آیت ۱۵۰ ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ﴾ ''اور جب موسیٰؑ لوٹے اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک ہو کر افسوس میں''

غَضْبَانَ' رَحْمٰن کی طرح فَعلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی آپؑ نہایت غضبناک تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی جلالی تھا اور قوم کے جرم اور گمراہی کی نوعیت بھی بہت شدید تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر ہی بتا دیا تھا کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ چکی ہے لہٰذا ان کا غم و غصہ اور رنج و افسوس بالکل بجا تھا۔

﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ ''آپؑ نے فرمایا بہت بری ہے میری نیابت جو تم نے کی ہے میرے بعد۔''

یہ خطاب حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی ہو سکتا ہے اور اپنی پوری قوم سے بھی۔

﴿اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ ''کیا تم نے اپنے رب کے معاملے میں جلدی کی؟''

یعنی اگر سامری نے فتنہ کھڑا کر ہی دیا تھا تو تم لوگ اس قدر جلد بغیر سوچے سمجھے اس کے کہنے میں آ گئے؟ کم از کم میرے واپس آنے کا ہی انتظار کر لیتے!

﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ ''اور آپؑ نے وہ تختیاں (ایک طرف) ڈال دیں''

کوہِ طور سے جو تورات کی تختیاں لے کر آئے تھے وہ ابھی تک آپؑ کے ہاتھ میں ہی تھیں' تو آپؑ نے ان تختیوں کو ایک طرف زمین پر رکھ دیا۔

﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ﴾ ''اور (غصے میں) اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ میں تمہیں اپنا خلیفہ بنا کر گیا تھا' میرے پیچھے تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے قوم کے لوگوں کو اس بچھڑے کی پوجا کرنے سے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

﴿قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ﴾ ''(ہارون علیہ السلام نے) کہا کہ اے میرے ماں جائے' حقیقت میں قوم نے مجھے دبا لیا تھا اور وہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے''

میں نے تو ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا' لیکن انہوں نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اس معاملے میں ان لوگوں نے اس حد تک جسارت کی تھی کہ وہ میری جان کے درپے ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ﴾ ''تو (دیکھیں اب) دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں''

''شماتتِ اعداء'' کا محاورہ ہمارے ہاں اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے' یعنی کسی کی توہین اور بے عزتی پر اس کے دشمنوں کا خوش ہونا اور ہنسنا۔ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے درخواست کی کہ اب اس طرح میرے بال کھینچ کر آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔

﴿وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰﴾ ''اور مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیے۔''

آپ مجھے ان ظالموں کے ساتھ شمار نہ کیجیے۔ میں اس معاملے میں ہرگز ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں تو انہیں اس حرکت سے منع کرتا رہا تھا۔

آیت ۱۵۱ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱﴾

”(تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کرتے ہوئے) کہا کہ اے میرے پروردگار! بخش دے مجھے بھی اور میرے بھائی کو بھی اور ہمیں داخل فرما اپنی رحمت میں‘ اور تو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔“

اس دُعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

آیت ۱۵۲ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَیَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ﴾

”یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا‘ عنقریب ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذِلّت دنیا کی زندگی میں۔“

”غضب“ سے آخرت کا غضب بھی مراد ہے اور قتلِ مرتد کی وہ سزا بھی جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿وَکَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ”اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔“

آیت ۱۵۳ ﴿وَالَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهَا وَاٰمَنُوۡۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۵۳﴾﴾ ”البتہ جن لوگوں نے (کچھ دیر کے لیے) برے کام کیے پھر توبہ کر لی اس کے بعد اور ایمان لے آئے‘ تو یقیناً اس کے بعد آپؐ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

وہ لوگ جن سے اس غلطی کا ارتکاب تو ہوا مگر انہوں نے اس سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کر لی‘ ایسے تمام لوگوں کا معاملہ اُس اللہ کے سپرد ہے جو بخشنے والا اور انسانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ البتہ جو لوگ اُس جرم پر اَڑے رہے ان پر آخرت سے پہلے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کا غضب مسلّط ہوا۔ اس کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ کے تحت گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ہر قبیلہ کے مؤمنین مخلصین کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے ان مجرمین کو قتل کر دیں جنہوں نے گوسالہ پرستی کا ارتکاب کیا۔ صرف وہ لوگ قتل سے بچے جنہوں نے توبہ کر لی تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے سورۃ المائدۃ میں آیاتِ محاربہ (آیات ۳۳ اور ۳۴) میں ہم نے پڑھا کہ اگر ڈاکو‘ راہزن وغیرہ ملک میں فساد مچا رہے ہوں‘ لیکن متعلقہ حکام کے قابو میں آنے سے پہلے وہ توبہ کر لیں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ہو سکتا ہے بلکہ انہیں معاف بھی کیا جا سکتا ہے‘ لیکن اگر انہیں اسی بغاوت کی کیفیت میں گرفتار کر لیا جائے تو پھر ان کی سزا بہت سخت ہے۔

آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷

وَلَمَّا سَکَتَ عَنۡ مُّوۡسَی الۡغَضَبُ اَخَذَ الۡاَلۡوَاحَ ۚۖ وَفِیۡ نُسۡخَتِهَا هُدًی وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِیۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ یَرۡهَبُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخۡتَارَ مُوۡسٰی قَوۡمَهٗ سَبۡعِیۡنَ رَجُلًا لِّمِیۡقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ قَالَ رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَکۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهۡلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ

اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۡ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع

آیت ۱۵۴ ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''اور جب موسیٰؑ کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا تو انہوں نے وہ تختیاں اٹھا لیں' اور اس کی تحریر میں تھی رحمت اور ہدایت ان لوگوں کے لیے جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں۔''

آیت ۱۵۵ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ﴾ ''اور انتخاب کیا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستّر افراد کا ہمارے وقت مقررہ کے لیے۔''

وہ لوگ جو آخری وقت تک اس مشرکانہ فعل پر قائم رہے انہیں قتل کر دیا گیا۔ اب اس تطہیر (purge) کے بعد اجتماعی توبہ کا مرحلہ تھا' جس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کے ستّر (۷۰) سر کردہ افراد کو ساتھ لے کر کوہِ طور پر حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔

﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ ''پھر جب انہیں آپکڑا زلزلے نے''

کوہِ طور پر یا اس کے مضافات میں ان لوگوں کے لیے جسمانی کپکپی یا زمینی زلزلے جیسی خوفناک کیفیت پیدا کر دی گئی۔

﴿قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ﴾ ''(موسیٰ علیہ السلام نے) نے عرض کیا کہ اے پروردگار! اگر تُو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھے بھی۔''

﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ ''تو کیا تُو ہمیں ہلاک کر دے گا ہم میں سے کچھ بے وقوف لوگوں کی حرکت کی وجہ سے؟''

قوم کے کچھ جاہل لوگوں نے جو حرکت کی تھی انہیں اس کی سزا بھی مل گئی ہے۔ ہم نے اتنا بڑا کفارہ دے دیا ہے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل بھی کر دیا ہے۔ تو کیا ان کی وجہ سے تو پوری قوم کو ہلاک کر دے گا؟

﴿اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ﴾ ''مگر یہ تیری طرف سے ایک

آزمائش ہے، تو گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

﴿اَنۡتَ وَلِیُّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡغٰفِرِیۡنَ﴿۱۵۵﴾﴾ "تُو ہمارا پشت پناہ ہے، پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور یقیناً تمام بخشنے والوں میں تُو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔"

آیت ۱۵۶ ﴿وَاکۡتُبۡ لَنَا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ﴾ "اور تُو ہمارے لیے اس دُنیا (کی زندگی) میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے جو دعا کی، یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴿۲۰۱﴾﴾۔

﴿اِنَّا ہُدۡنَاۤ اِلَیۡکَ ؕ﴾ "ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں۔"

یعنی ہم سے جو خطا ہو گئی ہے اس کا اعتراف کرتے ہوئے ہم معافی چاہتے ہیں۔

﴿قَالَ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ﴾ "(اللہ نے) فرمایا کہ میں عذاب میں مبتلا کروں گا جس کو چاہوں گا، اور میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔"

یعنی میری ایک رحمت تو وہ ہے جو ہر شے کے شامل حال ہے، ہر شے پر محیط ہے۔ ہر شے کا وجود اور بقا میری رحمت ہی سے ممکن ہے۔ یہ پوری کائنات اور اس کا تسلسل میری رحمت ہی کا مرہونِ منت ہے۔ میری اس رحمتِ عامہ سے میری تمام مخلوقات حصہ پا رہی ہیں، لیکن جہاں تک میری رحمتِ خاصہ کا تعلق ہے جس کے لیے تم لوگ ابھی سوال کر رہے ہو:

﴿فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۱۵۶﴾﴾ "تو اسے میں لکھ دوں گا ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو لوگ ہماری آیات پر پختہ ایمان رکھیں گے۔"

آیت ۱۵۷ ﴿اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ﴾ "جو اتباع کریں گے رسولِ نبی اُمّی (ﷺ) کا"

یعنی ہمارے نبی اُمّی ﷺ کا اتباع کریں گے جن کو رسول بنا کر بھیجا جائے گا۔ محمد عربی ﷺ نے دُنیوی اعتبار سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ آپ دُنیوی معیار کے مطابق پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ بھی اُمّی تھے اور جن لوگوں میں آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا وہ بھی اُمّی تھے، کیونکہ اُن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کوئی کتاب تھی نہ کوئی شریعت۔

﴿الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ ۫﴾ "جسے پائیں گے وہ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں"

یعنی آخری نبی ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں، آپ ﷺ کے حالات، اور آپ ﷺ کے بارے میں واضح علامات اُن کو تورات اور انجیل دونوں میں ملیں گی۔

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ﴾ ''وہ انہیں نیکی کا حکم دیں گے' تمام برائیوں سے روکیں گے اور ان کے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دیں گے''

بنی اسرائیل پر کچھ چیزیں ان کی شرارتوں کی وجہ سے بھی حرام کر دی گئی تھیں' جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۰) میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ نبی اُمی ﷺ ان پر سے ایسی تمام بندشیں اٹھا دیں گے اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دیں گے۔

﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''اور حرام کر دیں گے ان پر ناپاک چیزوں کو' اور ان سے اتار دیں گے ان کے بوجھ اور طوق جو ان (کی گردنوں) پر پڑے ہوں گے۔''

یہ بوجھ اور طوق وہ بے جا اور خود ساختہ پابندیاں اور رسومات بھی ہیں جو معاشرے کے اندر کسی خاص طبقہ کے مفادات یا نمود ونمائش کی خواہش کی وجہ سے رواج پاتی ہیں' بعد میں غریب لوگوں کو انہیں نبھانا پڑتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب ان کی وجہ سے ایک عام آدمی کی زندگی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کی بلند ترین سطح پر بھی بڑی بڑی قباحتیں اور لعنتیں جنم لیتی ہیں جن کے بوجھ تلے مختلف اقوام بری طرح پس جاتی ہیں۔ مثلاً بادشاہت کا جبر' جاگیرداری کا استحصالی نظام' سیاسی ومعاشی غلامی' رنگ ونسل کی بنیاد پر انسانیت میں تفریق وغیرہ۔ تو اس آیت میں بشارت دی جا رہی ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ آئیں گے اور انسانیت کو غلط رسومات' خود ساختہ عقائد اور نظام ہائے باطلہ کے بوجھوں سے نجات دلا کر عدل اور قسط کا نظام قائم کریں گے۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کی شرائط مذکور ہیں جن میں سے ہر شرط پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لیے میرے کتابچے بعنوان: ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ﴾ ''تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے''

یہ پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے دو بنیادی تقاضے ہیں' پہلا تقاضا ہے آپ ﷺ کی اطاعت اور دوسرا تقاضا ہے آپ ﷺ کی محبت۔ ان دونوں تقاضوں کے بارے میں دو احادیث ملاحظہ کیجیے۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ))[1] ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہے جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس تابع نہ ہو جائے اس چیز کے جو میں (ﷺ) لے کر آیا ہوں''۔ یعنی جو احکام اور شریعت حضور ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں' اگر کوئی شخص ایمان رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اس سب کچھ کو تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا ہو گا۔ دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے راوی حضرت انس بن

(۱) الاربعون النوویة' ح:۴۱۔ قال النووی: حدیث حسن صحیح رویناه فی کتاب الحجة باسناد صحیح۔ ومشکاة المصابیح' کتاب الایمان' باب الاعتصام بالکتاب والسُّنة' الفصل الثانی۔

مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ))(۱) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے باپ' بیٹے اور تمام انسانوں سے''۔ چنانچہ یہ دونوں تقاضے پورے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ حقیقت بنے گا۔ ایک غایت درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور اطاعت' دوسرے غایت درجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

﴿وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے''

جب مذکورہ بالا دو تقاضے پورے ہوں گے تو ان کے لازمی نتیجے کے طور پر دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پیدا ہوگی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دلوں پر راج کرے گی۔ جب اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنائی دے گا بے ساختہ زبان پر درود و سلام آ جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سامنے آنے پر منطق و دلائل کا سہارا چھوڑ کر سرِ تسلیم خم کر دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے سلسلے میں یہ اصول ذہن نشین کر لیجیے کہ اگر کہیں کسی مسئلے پر بحث ہو رہی ہو' دونوں طرف دلائل کو دلائل کاٹ رہے ہوں اور ایسے میں اگر کوئی کہہ دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں یوں فرمایا ہے تو حدیث کے سنتے ہی فوراً زبان بند ہو جانی چاہیے۔ ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن لینے کے بعد بھی کسی معاملے میں رائے زنی کرے۔ بعد میں تحقیق کی جا سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے جو فرمان سنایا گیا ہے درحقیقت وہ حدیث ہے بھی یا نہیں اور اگر حدیث ہے تو روایت و درایت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام ہے۔ حدیث صحیح ہے یا ضعیف! یہ سب بعد کی باتیں ہیں' لیکن حدیث سن کر وقتی طور پر چپ ہو جانا اور سرِ تسلیم خم کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا تقاضا ہے۔

''وَنَصَرُوْهُ'' کے ضمن میں یہ نکتہ اہم ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کام میں مدد درکار ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے مدد چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ذاتی سلطنت و حکومت تو قائم نہیں کی' جس کے قیام و استحکام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کی ضرورت ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ذاتی جاگیر یا جائیداد بھی نہیں تھی' جس کو سنبھالنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد درکار ہوتی۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے مدد چاہیے تھی جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے اور وہ تھا غلبۂ حق اور اقامتِ دین: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصّف:۹)۔ دینِ حق کے غلبے کے لیے کی جانے والی جاں گسل جدّوجُہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مددگاروں کی ضرورت تھی اور اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ''مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ؟'' کی صلائے عام تھی' کہ مجھے اللہ کا دین غالب کرنا ہے' یہ میرا فرضِ منصبی ہے' کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے اور میرا مددگار بنے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محنت' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور اللہ کی نصرت سے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر کے اپنے مشن کی تکمیل کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کچھ عرصہ دین

(۱) صحيح البخاری' كتاب الايمان' باب حب الرسول من الايمان۔ وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب وجوب محبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اكثر من الاهل والولد والوالد والناس اجمعين......

غالب رہا، پھر مغلوب ہو گیا اور آج تک مغلوب ہے۔ آج دنیا میں کہیں بھی دین غالب نہیں ہے۔ لہٰذا اب دین کو ساری دنیا میں غالب کرنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے حوالے سے آپ ﷺ کا مشن آج بھی زندہ ہے، یہ میدان اب بھی کھلا ہے۔ آج بھی حضور ﷺ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ﴾ (الصّف:۱۴) کا قرآنی حکم آج بھی ہمیں پکار رہا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ﴾ ''اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپ ﷺ کے ساتھ نازل کیا جائے گا''

یہ گویا اس کٹھن مشن کی تکمیل کا راستہ بتایا گیا ہے۔ دین کے غلبے کی تکمیل قرآن کے ذریعے سے ہو گی، یعنی تذکیر بالقرآن، تبشیر بالقرآن، تبلیغ بالقرآن، انذار بالقرآن، تعلیم بالقرآن وغیرہ۔ جیسے محمد عربی ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے لوگوں کا تزکیہ کیا: ﴿یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ﴾ (الجمعہ:۲) اس طرح آج بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو ترغیب دی جائے، ان کے دلوں کی صفائی کی جائے، انہیں جہالت کے اندھیروں سے ہدایت کے اُجالے کی طرف لایا جائے، تاریک دلوں کے اندر ایمان کی شمعیں روشن کی جائیں۔ پھر ان لوگوں کو ایک مشن پر اکٹھا کیا جائے، انہیں منظم کیا جائے، ان میں منزل کی تڑپ پیدا کی جائے اور پھر باطل سے ٹکرا کر اس کو پاش پاش کر دیا جائے۔ یہ ہے آپ ﷺ کی مدد کرنے کا صحیح طریقہ، اور یہ ہے اس نور (قرآن) کی پیروی کرنے کا معروف راستہ۔ اور جو لوگ اس راستے پر چلیں گے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

آیات ۱۵۸ تا ۱۶۲

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰھُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰىہُ قَوْمُہٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَیْھِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْھِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ۭ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قِیْلَ لَھُمُ اسْکُنُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ وَکُلُوْا مِنْھَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّۃٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطِیْٓئٰتِکُمْ ۭ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۝

اب اگلی آیت کا مطالعہ کرنے سے پہلے دو باتیں اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ ایک تو گزشتہ آیات کے مضمون کا اس آیت کے ساتھ ربط کا معاملہ ہے۔ اس ربط کو یوں سمجھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد انباء الرسل کے اس سلسلے کو نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت تک لانے میں بہت تفصیل درکار تھی۔ اس تفصیل کو چھوڑ کر اب براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ لوگوں کو بتا دیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام بنی نوع انسان کی طرف۔ چنانچہ پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر اور تورات و انجیل میں نبی آخر الزماں کے بارے میں بشارتوں کے حوالے سے اس آیت کا سیاق و سباق گویا یوں ہو گا کہ اے محمد ﷺ اب آپ علی الاعلان کہہ دیجیے کہ میں ہی وہ رسول ہوں جس کا ذکر تھا تورات اور انجیل میں؛ مجھ پر ہی ایمان لانے کی تاکید ہوئی تھی موسیٰؑ کے پیروکاروں کو؛ میری ہی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے لیے وعدہ ہے اللہ کی خصوصی رحمت کا؛ اور اب میری ہی نصرت اور اطاعت کا حق ادا کرنے والوں کو ضمانت ملے گی ابدی و اخروی فلاح کی!

دوسری اہم بات یہاں یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ اس سورۃ میں ہم نے اب تک جتنے رسولوں کا تذکرہ پڑھا ہے، ان کا خطاب ''یٰقَوْمِ'' (اے میری قوم کے لوگو!) کے الفاظ سے شروع ہوتا تھا، مگر محمد عربی ﷺ کی یہ امتیازی شان ہے کہ آپؐ کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپؐ کی رسالت آفاقی اور عالمی سطح کی رسالت ہے اور آپؐ پوری بنی نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱ میں ''عبادتِ رب'' کا حکم جس آفاقی انداز میں دیا گیا ہے اس میں بھی اسی حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾۔ اس پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم اس آیت کا مطالعہ کرتے ہیں:

آیت ۱۵۸ ﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''

یہ بات مختلف الفاظ اور مختلف انداز میں قرآن حکیم کے پانچ مقامات پر دہرائی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ ان میں سورۃ سبا کی آیت ۲۸ سب سے نمایاں ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ ''ہم نے نہیں بھیجا ہے (اے محمد ﷺ) آپ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر۔''

﴿الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠﴾ ''(اُس اللہ کا) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔''

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾

''تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر جو نبی اُمّی ہے، جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اُس کے سب کلاموں

پڑ اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

یہ گویا اعلانِ عام ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہ میری بعثت اُس وعدے کے مطابق ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد کی یہ آیات گویا اس خطاب کی تمہید ہے جو یہودِ مدینہ سے ہونے والا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ سورت ہجرت سے قبل نازل ہوئی تھی اور اس کے نزول کے فوراً بعد ہجرت کا حکم آنے کو تھا' جس کے بعد دعوت کے سلسلے میں حضور ﷺ کا مدینہ کے یہودی قبائل سے براہِ راست سابقہ پیش آنے والا تھا۔ مکی قرآن میں ابھی تک یہود سے براہِ راست خطاب نہیں ہوا تھا' ابھی تک یا تو اہلِ مکہ مخاطب تھے یا حضور ﷺ یا پھر آپ ﷺ کی وساطت سے اہلِ ایمان۔ لیکن اب اندازِ بیان میں جو تبدیلی آ رہی ہے اس کا اصل محل ہجرت کے بعد کا ماحول تھا۔

آیت ۱۵۹ ﴿وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤی اُمَّۃٌ یَّہۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ وَبِہٖ یَعۡدِلُوۡنَ﴾ ''اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جو حق کی ہدایت دیتے تھے اور حق ہی کے ساتھ عدل وانصاف بھی کرتے تھے۔''

اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل تھی مگر آپؑ کے پیروکاروں میں حق پرست اور انصاف پسند افراد بھی موجود تھے جو لوگوں کو حق بات کی تلقین کرتے تھے اور ان کے فیصلے بھی عدل وانصاف پر مبنی ہوتے تھے۔

آیت ۱۶۰ ﴿وَقَطَّعۡنٰہُمُ اثۡنَتَیۡ عَشۡرَۃَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا ؕ﴾ ''اور ہم نے ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا بارہ قبیلوں کی جماعتوں میں۔''

ان کی نسل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے چلی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لحاظ سے ان میں ایک مضبوط قبائلی نظام کو قائم رکھا۔ ہر بیٹے کی اولاد سے ایک قبیلہ وجود میں آیا اور یہ الگ الگ بارہ جماعتیں بن گئیں۔

﴿وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اِذِ اسۡتَسۡقٰىہُ قَوۡمُہٗۤ اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ ۚ﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی طرف' جب پانی طلب کیا آپؑ سے آپؑ کی قوم نے' کہ اپنی لاٹھی سے چٹان پر ضرب لگایئے۔''

﴿فَانۡۢبَجَسَتۡ مِنۡہُ اثۡنَتَا عَشۡرَۃَ عَیۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَہُمۡ ؕ﴾ ''پس اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' تو ہر قبیلے نے جان لیا اپنے اپنے گھاٹ کو۔''

مَشرب اسمِ ظرف ہے' یعنی پانی پینے کی جگہ۔ ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ معین کر لیا تا کہ پانی کی تقسیم میں کسی قسم کا کوئی تنازعہ جنم نہ لے۔

﴿وَظَلَّلۡنَا عَلَیۡہِمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی ؕ﴾ ''اور ہم نے ان کے اوپر بادل کا سائبان بنائے رکھا' اور اتارا ہم نے ان پر مَن اور سلویٰ۔''

﴿کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ ؕ﴾ ''(اور ان سے کہا کہ) کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق میں دی ہیں۔''

﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۰﴾ ''اور انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا' بلکہ وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔''

وہ اللہ کا کچھ نقصان کر بھی کیسے سکتے تھے۔ اللہ کا کیا بگاڑ سکتے تھے؟ ایک حدیث قدسی کا مفہوم اس طرح سے ہے:

''اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّلین بھی اور آخرین بھی' انسان بھی اور جن بھی' سب کے سب اتنے متقی ہو جائیں جتنا کہ تم میں کوئی بڑے سے بڑا متقی ہو سکتا ہے' تب بھی میری سلطنت اور میرے کارخانۂ قدرت میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا —— اور اگر تمہارے اوّلین و آخرین اور انس و جن سب کے سب ایسے ہو جائیں جتنا کہ تم میں کوئی زیادہ سے زیادہ سرکش و نافرمان ہو سکتا ہے' تب بھی میری سلطنت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''(۱)

آیت ۱۶۱ ﴿وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ ''اور یاد کرو جب ان سے کہا گیا تھا کہ آباد ہو جاؤ اس بستی میں اور اس میں سے کھاؤ (پیو) جہاں سے بھی چاہو''

اس شہر کا نام ''اریحا'' تھا' جو آج بھی جریکو (Jericho) کے نام سے موجود ہے۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں باقاعدہ جنگ کر کے فتح کیا تھا۔

﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ''اور استغفار کرتے رہو' اور شہر کے دروازے میں سر جھکا کر داخل ہونا''

انہیں حکم دیا گیا تھا کہ جب شہر میں داخل ہوں تو 'حِطَّةٌ' کا وِرد کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اس لفظ کے معنی استغفار کرنے کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں دوسرا حکم یہ تھا کہ جب تم فاتح کی حیثیت سے شہر کے دروازے سے داخل ہو تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس وقت تکبر سے تمہاری گردنیں اکڑی ہوئی ہوں۔

﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۶۱﴾ ''ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے' اور ہم محسنین کو اور بھی زیادہ عطا کریں گے۔''

اس طرح سے ہم نہ صرف یہ کہ تمہاری خطائیں لغزشیں اور فروگزاشتیں معاف کر دیں گے' بلکہ تم میں سے مخلص اور نیک لوگوں کو مزید نوازیں گے' ان کے درجات بلند کریں گے اور ان کو اونچے اونچے مراتب عطا کریں گے۔

آیت ۱۶۲ ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ ''تو بدل دی ان لوگوں نے جو ان میں سے ظالم تھے اس بات کے بجائے جو ان سے کہی گئی تھی ایک (دوسری) بات''

یعنی ان کو حِطَّةٌ 'حِطَّةٌ' کا ورد کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا' جبکہ انہوں نے اس کے

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم الظلم۔ راوی: ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

بجائے حِنطَۃٌ، حِنطَۃٌ کہنا شروع کر دیا' جس کا مطلب تھا کہ ہمیں گیہوں چاہیے' ہمیں گیہوں چاہیے!

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ﴿۱۶۲﴾﴾ ''تو ہم نے بھیج دیا ان پر ایک عذاب آسمان سے بسبب اس ظلم کے جو وہ اپنے اوپر کرتے تھے۔''

جن لوگوں نے وہ لفظ بدلنے کی حرکت کی تھی ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۷۱

وَسْئَلْھُمْ عَنِ الْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ حَاضِرَۃَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْھِمْ حِیْتَانُھُمْ یَوْمَ سَبْتِھِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْھِمْ ۚ کَذٰلِکَ ۚ نَبْلُوْھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّۃٌ مِّنْھُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰہُ مُھْلِکُھُمْ اَوْ مُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِیْسٍۭ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُھُوْا عَنْہُ قُلْنَا لَھُمْ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْھُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْھُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ ۫ وَبَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُہٗ یَاْخُذُوْہُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْھِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْہِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَھُمْ کَاَنَّہٗ ظُلَّۃٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّہٗ وَاقِعٌۢ بِھِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

آیت ۱۶۳ ﴿وَسْئَلْھُمْ عَنِ الْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ حَاضِرَۃَ الْبَحْرِ ۘ﴾ ''اور ان سے ذرا پوچھئے اس بستی کے بارے میں جو ساحل سمندر پر تھی۔''

اب یہ اصحابِ سبت کا واقعہ آ رہا ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بستی اس مقام پر واقع تھی جہاں آج کل ''ایلات'' کی بندرگاہ ہے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مصر نے اسی بندرگاہ کا گھیراؤ کیا تھا' جس

کے خلاف اسرائیل نے شدید ردِّعمل کا اظہار کرتے ہوئے مصر‘ شام اور اردن پر حملہ کر کے ان کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مصر سے جزیرہ نمائے سینا‘ شام سے جولان کی پہاڑیاں اور اردن سے پورا مغربی کنارہ‘ جو فلسطین کا زرخیز ترین علاقہ ہے‘ ہتھیا لیا تھا۔ بہرحال ایلات کی اس بندرگاہ کے علاقے میں مچھیروں کی وہ بستی آباد تھی جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔

﴿اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ﴾ ’’جب کہ وہ سبت کے قانون میں حد سے تجاوز کرنے لگے‘‘

﴿اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ ’’جب کہ آتی تھیں اُن کی مچھلیاں اُن کے پاس ہفتے کے دن چھلانگیں لگاتی ہوئی‘‘

شُرَّع کے معنی ہیں سیدھے اٹھائے ہوئے نیزے۔ یہاں یہ لفظ مچھلیوں کے لیے آیا ہے تو اس سے منہ اٹھائے ہوئے مچھلیاں مراد ہیں۔ کسی جگہ مچھلیوں کی بہتات ہو اور وہ بے خوف ہو کر بہت زیادہ تعداد میں پانی کی سطح پر ابھرتی ہیں‘ چھلانگیں لگاتی ہیں۔ اس طرح کے منظر کو یہاں شُرَّعًا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی مچھلیوں کی اس بے خوف اچھل کود کا منظر ایسے تھا جیسے کہ نیزے چل رہے ہوں۔ دراصل تمام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے چھٹی حس سے نواز رکھا ہے۔ ان مچھلیوں کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ہفتے کے دن خاص طور پر ہمیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔ اس لیے اس دن وہ بے خوف ہو کر ہجوم کی صورت میں اٹھکیلیاں کرتی تھیں‘ جبکہ وہ لوگ جن کا پیشہ ہی مچھلیاں پکڑنا تھا وہ ان مچھلیوں کو بے بسی سے دیکھتے تھے‘ ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے‘ کیونکہ یہود کی شریعت کے مطابق ہفتے کے دن ان کے لیے کاروبارِ دنیوی کی ممانعت تھی۔

﴿وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۚ﴾ ’’اور جس دن سبت نہیں ہوتا تھا وہ ان کے قریب نہیں آتی تھیں‘‘

ہفتے کے باقی چھ دن مچھلیاں ساحل سے دور گہرے پانی میں رہتی تھیں‘ جہاں سے وہ انہیں پکڑ نہیں سکتے تھے‘ کیونکہ اس زمانے میں ابھی ایسے جہاز اور آلات وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے کہ وہ لوگ گہرے پانی میں جا کر مچھلی کا شکار کر سکتے۔

﴿كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ ’’اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔‘‘

آئے دن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو اس آزمائش میں ڈالا گیا کہ شریعت کے حکم پر قائم رہتے ہوئے فاقے برداشت کرتے ہیں یا پھر نافرمانی کرتے ہوئے شریعت کے ساتھ تمسخر کی صورت نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اس قانون میں چور دروازہ نکال لیا۔ وہ ہفتے کے روز ساحل پر جا کر گڑھے کھودتے اور نالیوں کے ذریعے سے انہیں سمندر سے ملا دیتے۔ اب وہ سمندر کا پانی ان گڑھوں میں لے کر آتے تو پانی کے ساتھ مچھلیاں گڑھوں میں آ جاتیں اور پھر وہ ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیتے۔ اگلے روز اتوار کو جا کر ان مچھلیوں کو آسانی سے پکڑ لیتے اور کہتے کہ ہم ہفتے کے روز تو مچھلیوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس طرح شریعت کے حکم کے ساتھ انہوں نے یہ مذاق کیا کہ اس حکم کی اصل روح کو مسخ کر دیا۔ حکم کی

اصل روح تو یہ تھی کہ چھ دن دنیا کے کام کرو اور ساتواں دن اللہ کی عبادت کے لیے وقف رکھو' جبکہ انہوں نے یہ دن بھی گڑھے کھودنے' پانی کھولنے اور بند کرنے میں صَرف کرنا شروع کر دیا۔

اب اس آبادی کے لوگ اس معاملے میں تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ تو براہِ راست اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔ جب کہ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جو اس گناہ میں ملوث تو نہیں تھے مگر گناہ کرنے والوں کو منع بھی نہیں کرتے تھے' بلکہ اس معاملے میں یہ لوگ خاموش اور غیر جانبدار رہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو گناہ سے بچے بھی رہے اور پہلے گروہ کے لوگوں کو ان حرکتوں سے منع کر کے باقاعدہ نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ اب اگلی آیت میں دوسرے اور تیسرے گروہ کے افراد کے درمیان مکالمہ نقل ہوا ہے۔ غیر جانبدار رہنے والے لوگ نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کے نافرمان لوگ تو تباہی سے دوچار ہونے والے ہیں' انہیں سمجھانے اور نصیحتیں کرنے کا کیا فائدہ؟

آیت ۱۶۴ ﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ﴾

''اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ کیوں نصیحت کر رہے ہو ان لوگوں کو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا پھر انہیں عذاب دینے والا ہے بہت سخت عذاب۔''

دوسرے گروہ کے لوگ تیسرے گروہ کے لوگوں سے کہتے کہ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ان مجرموں کے لیے ہلکان کر رہے ہو۔ اب یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ اللہ کا عذاب اور تباہی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

﴿قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت پیش کرنے کے لیے''

تیسرے گروہ کے لوگ جواب دیتے کہ اس طرح ہم اللہ کے سامنے عذر پیش کر سکیں گے کہ اے پروردگار! ہم آخری وقت تک نافرمان لوگوں کو ان کی غلط حرکتوں سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے' نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہے۔ ہم نہ صرف خود اس گناہ سے بچے رہے بلکہ ان ظالموں کو خبردار بھی کرتے رہے کہ وہ اللہ کے قانون کے سلسلے میں حد سے تجاوز نہ کریں۔

﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۶۴﴾ ''اور شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کر ہی لیں۔''

پھر اس بات کا امکان بھی بہرحال موجود ہے کہ ہماری نصیحت ان پر اثر کرے اور اس طرح سمجھانے بجھانے سے کسی نہ کسی کے دل کے اندر خدا خوفی کا جذبہ پیدا ہو ہی جائے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ))(۱)

''(اے علیؓ) اگر اللہ تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ دولت تمہارے لیے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب فضل من اسلم علی یدیه رجل ' وکتاب المناقب' باب مناقب علی بن ابی طالب ...... وکتاب المغازی' باب غزوة خیبر۔ وصحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب من فضائل علی بن ابی طالب۔

سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ ''پھر جب انہوں نے نظرانداز کر دیا اس نصیحت کو جو انہیں کی جا رہی تھی' تو ہم نے بچا لیا ان کو جو برائی سے روکتے تھے''

﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ ''اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جو ظلم کے مرتکب ہوئے تھے بہت ہی برے عذاب میں' ان کی نافرمانی کے سبب۔''

آیت ۱۶۶ ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ﴾ ''تو جب وہ بہت بڑھ گئے اس میں جس سے ان کو روکا گیا تھا' تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ جاؤ ذلیل بندر بن جاؤ!''

آخر کار ان پر عذاب اس صورت میں آیا کہ ان کی انسانی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا اور پھر انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ اس واقعہ کی تفصیل ہے جس کا اجمالی ذکر سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدۃ میں بھی آ چکا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عذاب ان گروہوں میں سے صرف اس گروہ پر آیا تھا جو گناہ میں براہِ راست ملوث تھا۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ نہی عن المنکر کرنے والے لوگوں کے بارے میں واضح طور پر بتا دیا گیا: ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ کہ ہم نے ان کو بچا لیا جو بدی سے روک رہے تھے اور جو گناہگار تھے ان کے بارے میں بھی صراحت سے بتا دیا گیا: ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍ﴾ کہ ہم نے پکڑ لیا اُن لوگوں کو جو گناہ میں ملوث تھے ایک بہت ہی برے عذاب میں۔ جب کہ تیسرے گروہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی شخص براہِ راست کسی گناہ کا ارتکاب کرنے سے بچا رہتا ہے تو فریضہ نہی عن المنکر میں کوتاہی ہونے کی صورت میں بھی وہ دنیا میں اس گناہ کی پاداش میں آنے والے عذاب سے بچ جائے گا۔ یہ نظریہ دراصل بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے اور اس کے پیچھے وہ انسانی نفسیات کارفرما ہے جس کے تحت انسان ذمہ داری سے فرار چاہتا ہے اور پھر اس کے لیے دلیلیں ڈھونڈتا اور بہانے تراشتا ہے۔ اسی طرح کی بات کا تذکرہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۵ کی تشریح کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے۔ اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی خطبہ ارشاد فرمانا پڑا تھا کہ لوگو! تم ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ کا بالکل غلط مفہوم سمجھ رہے ہو۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ دعوت و تبلیغ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہاری ذمہ داری نہیں ہے' بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی پوری کوشش کرو' اپنا فرض ادا کرو' لیکن اس کے باوجود بھی اگر لوگ کفر یا گناہ پر اڑے رہیں تو پھر ان کا وبال تم پر نہیں ہو گا۔

یہاں اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ نہی عن المنکر نصِ قرآنی کے مطابق فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس ماحول میں اللہ تعالیٰ کے کسی واضح حکم کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہو تو ان حالات میں گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کو نہ روکنا' نہی عن المنکر کا فرض ادا نہ کرنا' بذاتِ خود ایک جرم ہے۔ لہٰذا اس واقعہ میں ''اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا'' کے زمرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اگرچہ براہِ راست تو گناہ میں ملوث نہیں تھے' لیکن مجرموں کو گناہ کرتے

ہوئے دیکھ کر خاموش تھے۔ اس طرح یہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو نہ روکنے کے جرم کے مرتکب ہو رہے تھے۔
اس ضمن میں نصِ قطعی کے طور پر ایک حدیث قدسی بھی موجود ہے اور ایک بہت واضح قرآنی حکم بھی۔ پہلے حدیث ملاحظہ فرمائیں' یہ حدیث مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرتب کردہ خطباتِ جمعہ میں شامل کی ہے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا وَکَذَا بِاَھْلِھَا۔ قَالَ: ''یَا رَبِّ اِنَّ فِیْھِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ)) قَالَ: ((فَقَالَ: اِقْلِبْھَا عَلَیْہِ وَ عَلَیْھِمْ' فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَۃً قَطُّ))[1]

''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو وحی کی کہ فلاں فلاں شہر کو اس کے باسیوں پر اُلٹ دو۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ پروردگار' اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کی دیر بھی تیری معصیت میں نہیں گزاری''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُلٹو اس بستی کو پہلے اس پر اور پھر دوسروں پر' اس لیے کہ اس کے چہرے کا رنگ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی میری غیرت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوا۔''

یعنی اس کے سامنے میرے احکام پامال ہوتے رہے' شریعت کی دھجیاں بکھرتی رہیں اور یہ اپنی ذاتی پرہیزگاری کو سنبھال کر ذکر اذکار' نوافل اور مراقبوں میں مصروف رہا۔ یہ دوسروں سے بڑھ کر مجرم ہے!
اب اس سلسلے میں نص قرآنی کے طور پر سورۃ الانفال کی آیت ۲۵ کا یہ واضح حکم بھی ملاحظہ کر لیجیے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً ۚ﴾ ''اور ڈرو اس فتنہ (عذاب) سے جو خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں سے گنہگار ہیں''۔ یعنی جب کسی قوم میں بحیثیت مجموعی منکرات پھیل جائیں اور اس وجہ سے ان کے لیے اس دنیا میں کسی اجتماعی سزا کا فیصلہ ہو جائے تو پھر ایسی سزا کی لپیٹ میں صرف گنہگار لوگ ہی نہیں آئیں گے۔ اس لحاظ سے یہ بہت تشویش ناک بات ہے۔ مگر آیت زیر مطالعہ میں ﴿اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ کے الفاظ میں امید دلائی گئی ہے کہ جو لوگ اپنی استطاعت کے مطابق' آخری وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں بچا لے گا۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط﴾ ''اور (یاد کرو) جب آپؐ کے ربّ نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ لازماً مسلّط کرتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو جو انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے۔''

﴿اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚ وَ اِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾﴾ ''یقیناً آپ کا رب سزا دینے میں بہت جلدی کرتا ہے اور یقیناً وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔''

اللہ تعالیٰ کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَام اور سَرِیْعُ الْعِقَاب ہے اور اس کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ غَفُوْرٌ رَّحِیْم ہے۔ اب اس کا دارومدار انسانوں کے طرزِ عمل پر ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کی کس شان

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح' کتاب الآداب' باب الامر بالمعروف' الفصل الثالث۔

کا مستحق بناتے ہیں۔ اس آیت میں یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس قانون اور فیصلے کا ذکر ہو رہا ہے وہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کی صورت میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

آیت ۱۶۸ ﴿وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ﴾ ''اور ہم نے انہیں زمین کے اندر منتشر کر دیا فرقوں کی صورت میں۔''

بنی اسرائیل کا یہ دورِ انتشار (Diaspora) ۷۰ عیسوی میں شروع ہوا' جب رومن جنرل ٹائٹس نے ان کے معبدِ ثانی (2nd Temple) کو شہید کیا (جو حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں دوبارہ تعمیر ہوا تھا)۔ ٹائٹس کے حکم سے یروشلم میں ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودیوں کو ایک دن میں قتل کیا گیا اور بچ جانے والوں کو فلسطین سے نکال باہر کیا گیا۔ چنانچہ یہاں سے ملک بدر ہونے کے بعد یہ لوگ مصر' ہندوستان' روس اور یورپ کے مختلف علاقوں میں جا بسے۔ پھر جب امریکہ دریافت ہوا تو بہت سے یہودی خاندان وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اس آیت میں ان کے اسی ''انتشار'' کی طرف اشارہ ہے کہ پوری دنیا میں انہیں منتشر کر دیا گیا اور اس طرح ان کی اجتماعیت ختم ہو کر رہ گئی۔ دوسری طرف وہ جہاں کہیں بھی گئے وہاں ان سے شدید نفرت کی جاتی رہی' جس کے باعث ان پر یورپ میں بہت ظلم ہوئے۔ عیسائیوں کی ان سے نفرت اور شدید دشمنی کا ذکر قرآن میں بھی ہے: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۴) ''پس ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا''۔ یہ دشمنی یہودیوں کے اُن گستاخانہ عقائد کی وجہ سے تھی جو وہ حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔

پھر جنگ عظیم دوم میں ہٹلر کے ہاتھوں تو یہودیوں پر ظلم کی انتہا ہو گئی۔ اس کے حکم پر پورے مشرقی یورپ سے یہودیوں کو اکٹھا کر کے concentration camps میں جمع کیا گیا اور اِن کے اجتماعی قتل کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی' جس کے لیے لاکھوں لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے جدید آٹو میٹک پلانٹ نصب کیے گئے۔ چنانچہ مردوں' عورتوں اور بچوں کو اجتماعی طور پر ایک بڑے ہال میں جمع کیا جاتا' وہاں ان کے کپڑے اتروائے جاتے اور بال مونڈ دیے جاتے (بعد میں ان بالوں سے قالین تیار کیے گئے جو نازیوں نے اپنے دفتروں میں بچھائے)' اور پھر انہیں وہاں سے بڑے بڑے گیس چیمبرز میں داخل کر دیا جاتا۔ وہاں مرنے کے بعد مشینوں کے ذریعے سے لاشوں کا چورا کیا جاتا اور پھر خاص قسم کے کیمیکلز کی مدد سے انسانی گوشت کو ایک سیاہ رنگ کے سیال مادے میں تبدیل کر کے کھیتوں میں بطور کھاد استعمال کیا جاتا۔ یہ سب کچھ بیسویں صدی میں آج کے اس مہذب دور میں ہوا۔ اس طریقے سے ہٹلر کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ یہودی قتل ہوئے۔ یہود کے اس قتل عام کو ''Holocaust'' کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ساٹھ لاکھ کی تعداد مبالغے پر مبنی ہے' اصل تعداد چالیس لاکھ تھی۔ چالیس لاکھ ہی سہی' اتنی بڑی تعداد میں قتل عام قومی سطح پر کتنا دردناک عذاب ہے! یہ ان کی تاریخ کے اب تک کے حالات و واقعات میں سے ﴿مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۭ﴾ کی ایک جھلک ہے۔ اور اس سلسلے میں قیامت تک مزید کیا کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر ابھی پردۂ غیب میں ہے۔

بہر حال یہودیوں کا آخری وقت بہت جلد آنے والا ہے‘ مگر جیسے چراغ کا شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے‘ بالکل اسی انداز سے آج کل ہمیں ان کی حکومت اور طاقت نظر آ رہی ہے۔ اور شاید یہ سب کچھ اس لیے بھی ہو رہا ہے کہ عربوں (جو حضور اکرم ﷺ کے مخاطبِ اول اور وارثِ اوّل ہونے کے باوجود دین سے پیٹھ پھیرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں) کو ایک ”مغضوب علیھم“ قوم کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار کر کے سزا دینا اور ”to add insult to injury“ کے مصداق اس ذلیل قوم کے ہاتھوں عربوں کی تذلیل مقصود ہے۔ اندریں حالات ایسا نظر آتا ہے کہ وہ دن اب زیادہ دور نہیں جب مسجدِ اقصیٰ شہید کر دی جائے گی اور اس کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ میں جو طوفان اٹھے گا وہ یہودیوں کا سب کچھ بہا کر لے جائے گا‘ لیکن ان کے اس سلسلۂ عذاب کی آخری شکل حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد سامنے آئے گی۔ جیسے پہلے تمام رسولوں کے منکرین ان کی موجودگی میں ختم کر دیے گئے تھے (چھ رسولوں اور ان کی قوموں کے واقعات تکرار کے ساتھ قرآن میں آئے ہیں) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کو بھی ان کی موجودگی میں ختم کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف اللہ کے رسول تھے: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ....﴾ (آلِ عمران: ۴۹)۔ یہودی نہ صرف آپؑ کے منکر ہوئے بلکہ (بزعمِ خویش) انہوں نے آپؑ کو قتل بھی کر دیا۔ لہٰذا بحیثیت قوم ان کا اجتماعی استیصال بھی حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے ہاتھوں ہوگا۔

﴿مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ ”ان میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو دوسری طرح کے ہیں۔“

﴿وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾﴾ ”ہم انہیں بھلائی اور برائی سے آزماتے رہے ہیں کہ شاید یہ لوگ لوٹ آئیں۔“

آیت ۱۶۹ ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ ”لیکن ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین کتاب (تورات) کے وارث ہو گئے جو اس حقیر دنیا کے ساز و سامان ہی کو حاصل کرتے ہیں“

وہ ایسے لوگ ہیں جو حلال اور حرام سے بے نیاز ہو کر دُنیاوی مفادات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو آخرت کے بارے میں کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ ”اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا۔“

ان کا کہنا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں‘ پیغمبروں کی اولاد ہیں‘ اللہ کے چہیتے ہیں‘ ہماری بخشش تو یقینی ہے۔ ہمارے لیے سب معاف کر دیا جائے گا۔

﴿وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ﴾ ”اگر ایسا ہی اور سامان بھی ان کو دے دیا جائے تو (وہ بھی) لے لیں گے۔“

﴿اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡهِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِیۡهِ﴾ ''کیا ان سے عہد نہیں لیا گیا تھا کتاب (تورات) کی نسبت' کہ نہیں منسوب کریں گے اللہ سے کوئی بات مگر حق' اورانہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں تھا۔''

﴿وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۱۷۰ ﴿وَالَّذِیۡنَ یُمَسِّکُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ ''اور جن لوگوں نے کتاب کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا اور نماز قائم کی' تو یقیناً ایسے مصلحین کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔''

بنی اسرائیل میں نیک لوگ آخری وقت تک ضرور موجود رہے ہوں گے۔ ان کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا اجر ہم کسی صورت میں ضائع نہیں کریں گے۔

آیت ۱۷۱ ﴿وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ کَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ۚ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر ایسے اٹھا دیا تھا جیسے سائبان ہو اور انہیں لگتا تھا کہ اب یہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔''

﴿خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡکُرُوۡا مَا فِیۡهِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾﴾ ''(ہم نے اس وقت ان سے کہا تھا کہ) تھام لو اس کو مضبوطی سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم (غلط روی سے) بچتے رہو۔''

اب آخری تین رکوعوں میں فلسفۂ دین کے اعتبار سے بہت اہم مضامین آ رہے ہیں۔

آیات ۱۷۲ تا ۱۷۴

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَهِدۡنَا ۚۛ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾

آیت ۱۷۲ ﴿وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ﴾ ''اور یاد کرو جب نکالا آپؐ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو''

یہ واقعہ عالمِ ارواح میں وقوع پذیر ہوا تھا جبکہ انسانی جسم ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اہلِ عرب جو اُس وقت قرآن کے مخاطب تھے اُن کی اُس وقت کی ذہنی استعداد کے مطابق یہ ثقیل مضمون تھا۔ ایک صورت تو یہ تھی کہ

انہیں پہلے تفصیل سے بتایا جاتا کہ انسانوں کی پہلی تخلیق عالمِ ارواح میں ہوئی تھی اور دنیا میں طبعی اجسام کے ساتھ یہ دوسری تخلیق ہے اور پھر بتایا جاتا کہ یہ میثاق عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بجائے اس مضمون کو آسان پیرائے میں بیان کرنے کے لیے عام فہم الفاظ عام فہم انداز میں استعمال کیے گئے کہ جب ہم نے نسلِ آدم کی تمام ذرّیت کو ان کی پیٹھوں سے نکال لیا۔ یعنی قیامت تک اس دنیا میں جتنے بھی انسان آنے والے تھے' ان سب کی ارواح وہاں موجود تھیں۔

﴿وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ﴾ ''اور ان کو گواہ بنایا خود ان کے اوپر' (اور سوال کیا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟''

یعنی پوری طرح ہوش وحواس اور خودشعوری (self conciousness) کے ساتھ یہ اقرار ہوا تھا۔ اس نکتے کی وضاحت اس سے پہلے بھی ہو چکی ہے کہ انسان کی خودشعوری (self conciousness) ہی اسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے جن میں شعور (conscious) تو ہوتا ہے لیکن خودشعوری نہیں ہوتی۔ انسان کی اس خودشعوری کا تعلق اس کی روح سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص صرف انسان میں پھونکی ہے۔ چنانچہ جب یہ عہد لیا گیا تو وہاں تمام ارواح موجود تھیں اور انہیں اپنی ذات کا پورا شعور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواحِ انسانیہ سے یہ سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب' تمہارا مالک' تمہارا آقا نہیں ہوں؟

﴿قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔''

تمام ارواح نے یہی جواب دیا کہ تو ہی ہمارا رب ہے' ہم اقرار کرتے ہیں' ہم اس پر گواہ ہیں۔ اب یہاں نوٹ کیجیے کہ یہ اقرار تمام انسانوں پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ میں آ چکا ہے: ''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس آ چکا ہے ہمارا رسول جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے' رسولوں کے ایک وقفے کے بعد' مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا''۔ تو یہ گویا اتمامِ حجت تھی اہلِ کتاب پر۔ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۶ میں فرمایا: ''مبادا تم یہ کہو کہ کتابیں تو دی گئی تھیں ہم سے پہلے دو گروہوں کو اور ہم تو ان کتابوں کو (غیر زبان ہونے کی وجہ سے) پڑھ بھی نہیں سکتے تھے''۔ تو یہ اتمامِ حجّت کیا گیا بنی اسماعیل پر کہ اب تمہارے لیے ہم نے اپنا ایک رسول (ﷺ) تم ہی میں سے بھیج دیا ہے اور وہ تمہارے لیے ایک کتاب لے کر آیا ہے جو تمہاری اپنی زبان ہی میں ہے۔ لہٰذا اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے اپنی کتابیں تو ہم سے پہلے والی اُمتوں پر نازل کی تھیں' اور یہ کہ اگر ہم پر بھی کوئی ایسی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔ آیت زیرِ نظر میں جس گواہی کا ذکر ہے وہ پوری نوعِ انسانی کے لیے حجّت ہے۔ یہ عہد ہر روحِ انسانی اللہ سے کر کے دنیا میں آئی ہے اور اُخروی مواخذے کی اصل بنیاد یہی گواہی فراہم کرتی ہے۔ نبوت' وحی اور الہامی کتب کے ذریعے جو اتمامِ حجت کیا گیا' وہ تاکیدِ مزید اور تکرار کے لیے اور لوگوں کے امتحان کو مزید آسان کرنے کے لیے کیا گیا۔ لیکن حقیقت میں اگر کوئی ہدایت بذریعہ نبوت' وحی وغیرہ نہ بھی آتی تو روزِ محشر کے عظیم محاسبہ (accountability) کے لیے

عالمِ ارواح میں لیا جانے والا یہ عہد ہی کافی تھا جس کا احساس اور شعور ہر انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا ہے۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾ ''مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔''

آیت ۱۷۳ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ''یا تم یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء واجداد نے کیا تھا' اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں سے تھے۔''

﴿اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ ''تو (پروردگار!) کیا تُو ہمیں ہلاک کرے گا ان باطل پسند لوگوں کے فعل کے بدلے میں؟''

ہمارے بڑے جو راستہ' جو طور طریقے چھوڑ گئے تھے' ہم تو ان پر چلتے رہے' لہٰذا ہمارا کوئی قصور نہیں' اصل مجرم تو وہ ہیں جو ہمیں اس دلدل میں پھنسا کر چلے گئے۔ یہ باطل طور طریقے انہوں نے ہی ایجاد کیے تھے' ہم تو صرف ان کے مقلّد تھے۔

آیت ۱۷۴ ﴿وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ ''اور ہم اسی طرح اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں تاکہ وہ رجوع کریں۔''

اب آئندہ آیات میں ایک شخصیت کا واقعہ تمثیلی انداز میں بیان ہوا ہے' مگر حقیقت میں یہ محض تشبیہہ نہیں ہے بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ یہ قصہ دراصل ہمارے لیے درسِ عبرت ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت بدنصیب ہے وہ فرد یا قوم جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بیش بہا انعام واکرام اور قربِ خاص سے نوازے' مگر وہ اس کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے خود کو ان تمام فضیلتوں سے محروم کر لے اور اللہ کی بندگی سے نکل کر شیطان کا چیلہ بن جائے۔

آیات ۱۷۵ تا ۱۷۸

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

آیت ۱۷۵ ﴿وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا﴾ ''اور سنایئے انہیں خبر اُس شخص کی جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں''

یہاں پر اس واقعے کے لیے لفظ ''نبأ'' استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ''خبر'' کے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کوئی تمثیل نہیں بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ دوسرے جو یہ فرمایا گیا کہ اس شخص کو ہم نے اپنی آیات عطا کی

تھیں‘ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص صاحبِ کرامت بزرگ تھا۔ اس واقعے کی تفصیل ہمیں تورات میں بھی ملتی ہے جس کے مطابق یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس کا نام بلعم بن باعوراء تھا اور یہ ایک بہت بڑا عابدٗ زاہد اور عالم تھا۔

﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ ﴾ ’’تو وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا‘‘

یہاں پر یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ پہلے انسان خود غلطی کرتا ہے‘ شیطان اسے کسی برائی پر مجبور نہیں کر سکتا‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴿۴۲﴾﴾ (الحجر) شیطان کو کسی بندے پر کوئی اختیار حاصل نہیں‘ لیکن جب بندہ اللہ کی نافرمانی کی طرف لپکتا ہے اور برائی کر بیٹھتا ہے تو وہ شیطان کا آسان شکار بن جاتا ہے۔ شیطان ایسے شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کر کے رجوع نہ کرے تو اسے تدریجاً دُور سے دُور لے جاتا ہے یہاں تک کہ اسے برائی کی آخری منزل تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔

﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴿۱۷۵﴾﴾ ’’تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔‘‘

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ ’’اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کے ذریعے سے اسے اور بلند کرتے مگر وہ تو زمین کی طرف ہی دھنستا چلا گیا‘‘

یعنی اللہ کی آیات اور جو بھی علم اس کو عطا ہوا تھا اس کے ذریعے سے اس کو بڑا بلند مقام مل سکتا تھا مگر وہ تو زمین ہی کی طرف دھنستا چلا گیا۔ یہاں پر زمین کی طرف دھنسنے کے استعارے کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسان دراصل حیوانی جسم اور ملکوتی روح سے مرکب ہے۔ جسم کے اجزائے ترکیبی کا تعلق زمین سے ہے‘ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۵ میں فرمایا گیا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ یعنی ہم نے تمہیں اس زمین سے پیدا کیا۔ اس کے برعکس انسانی روح کا تعلق عالمِ بالا سے ہے اور وہ اللہ سے ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ﴾ والا عہد کر کے آئی ہے۔ چنانچہ اصل کے اس تضاد کی بنیاد پر جسم اور روح میں متواتر کشمکش رہتی ہے۔ ’’كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ‘‘ (ہر چیز اپنے منبع کی طرف لوٹتی ہے) کے مصداق رُوح اُوپر اٹھنا چاہتی ہے تاکہ اللہ سے قرب حاصل کر سکے‘ جبکہ جسم کی ساری کشش زمین کی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ جسم کی تقویت کا سارا سامان‘ غذا وغیرہ زمین ہی کے مرہونِ منت ہے‘ اس لیے زمینی اور دنیاوی لذّتوں میں ہی اسے سکون ملتا ہے اور ع ’’بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست‘‘ کا نعرہ اسے اچھا لگتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص فیصلہ کر لیتا ہے کہ جسمانی ضرورتوں اور لذتوں کے حصول کے لیے اس نے زمین کے ساتھ ہی چمٹ کر رہنا ہے تو گویا اب اس نے اپنے آپ کو اللہ کی توفیق سے محروم کر لیا۔ اب اس کی روح سسکتی رہے گی‘ احتجاج کرتی رہے گی اور اگر زیادہ مدت تک اس کی روحانی غذا کا بندوبست نہیں کیا جائے گا تو روح کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر کسی انسان کے جیتے جی اس کی روح کے ساتھ یہ حادثہ ہو جائے‘ یعنی اس کی روح کی موت واقع ہو جائے تو گویا وہ چلتا پھرتا حیوان بن جاتا ہے‘ جو اپنے سارے حیوانی تقاضے حیوانی انداز میں پورے کرتا رہتا ہے۔ پھر زمینی غذائیں‘ سِفلی آرزوئیں اور مادی امنگیں ہی اس کی زندگی کا مقصد و محور قرار پاتی ہیں۔ نتیجتاً اسے فیضانِ سماوی اور توفیق الٰہی سے کُلّی طور پر محروم کر دیا جاتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ﴾ ''اور اس نے پیروی کی اپنی خواہشات کی۔''

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ﴾ ''تو اس کی مثال کُتّے کی سی ہے' اگر تم اس کے اوپر بوجھ رکھو تب بھی ہانپے گا اور اگر چھوڑ بھی دو تب بھی ہانپتا رہے گا۔''

یعنی اس شخص نے اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے خود کو کتے سے مشابہ کر لیا' جو ہر وقت زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے اور حرص وطمع کے غلبے کی وجہ سے ہر وقت زمین کو سونگھتے رہنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔

﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ﴾ ''یہی مثال ہے اُس قوم کی (بھی) جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔''

اوپر تفصیل کے ساتھ یہود کی جو سرگزشت بیان ہوئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قوم شروع سے ہی بلعم بن باعوراء بنی رہی ہے۔ آج اس کی سب سے بڑی مثال پاکستانی قوم ہے۔ پاکستان کا بن جانا اور اس کا قائم رہنا ایک معجزہ تھا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کو یقین تھا کہ پاکستان کی بقا بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار ملک کے ممکن نہیں ہے' اس لیے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ ملک نہ صرف قائم رہا بلکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ جیسی بڑی بڑی آزمائشوں سے بھی سرخرو ہو کر نکلا۔ اس لیے کہ ہم نے اس ملک کو حاصل کیا تھا اسلام کے نام پر کہ اسے اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنائیں گے' تا کہ پوری دنیا اسلامی نظام کے عملی نمونے اور اس کی برکات کا مشاہدہ کر سکے۔ قائد اعظم نے بھی فرمایا تھا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ ہم عہدِ حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں' لیکن عملی طور پر آج ہمارا طرزِ عمل ''فَانْسَلَخَ مِنْهَا'' کی عبرتناک تصویر بن چکا ہے۔ ہم ان تمام وعدوں سے پیچھا چھڑا کر نکل بھاگے اور شیطان کی پیروی اختیار کی۔ پھر ہمارا جو حال ہوا اور مسلسل ہو رہا ہے وہ سامنے رکھیں اور اس پس منظر میں اس آیت کو دوبارہ پڑھیں۔

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۷۶﴾ ''سو (اے نبی ﷺ!) آپ یہ واقعات سنا دیجیے شاید کہ یہ تفکر کریں۔''

آیت ۱۷۷ ﴿سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝۱۷۷﴾ ''کیا ہی بُری مثال ہے اُس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' اور وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۱۷۸ ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۷۸﴾ ''جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے' اور جنہیں وہ گمراہ کر دے تو وہی لوگ تباہ ہونے والے ہیں۔''

''عہدِ الست'' کے حوالے سے ہم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان کا ایک وجود روحانی ہے اور دوسرا مادی یعنی حیوانی۔ اگر انسان کی توجہ اور ساری دلچسپیاں حیوانی وجود کی ضروریات پوری کرنے تک محدود رہیں گی تو پھر وہ بلعم بن باعوراء کی مثال بن جائے گا۔ یہ انفرادی سطح پر بھی ہو سکتا ہے اور قومی و اجتماعی سطح پر بھی۔ اس ضمن میں حکمتِ قرآنی کا تیسرا نکتہ اگلی آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ انسانوں میں سے اکثر وہ ہیں جو صرف اپنے حیوانی جسم

کی پرورش میں مصروف ہیں۔ وہ اگرچہ بظاہر تو انسان ہی نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آیات ۱۷۹ تا ۱۸۳

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

آیت ۱۷۹ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ﴾ ’’اور ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں بہت سے جن اور انسان۔‘‘

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ﴾ ’’ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے غور نہیں کرتے‘ ان کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں‘ اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔‘‘

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾ ’’یہ چوپایوں کی مانند ہیں‘ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔‘‘

یعنی جب انسان ہدایت سے مُنہ موڑتا ہے اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے تو نتیجتاً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ان کے دل تفقّہ سے یکسر خالی ہو جاتے ہیں‘ اُن کی آنکھیں انسانی آنکھیں نہیں رہتیں اور نہ اُن کے کان انسانی کان رہتے ہیں۔ اب اُن کا دیکھنا حیوانوں جیسا دیکھنا رہ جاتا ہے اور اُن کا سننا حیوانوں جیسا سننا۔ جیسے کُتّا بھی دیکھ لیتا ہے کہ گاڑی آ رہی ہے مجھے اس سے بچنا ہے۔ جبکہ انسانی دیکھنا تو یہ ہے کہ انسان کسی چیز کو دیکھے‘ اس کی حقیقت کو سمجھے اور پھر درست نتائج اخذ کرے۔ اسی فلسفے کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن ——— جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں ع ’’دیدن دگر آموز‘ شنیدن دگر آموز!‘‘ یعنی دوسری طرح کا دیکھنا سیکھو‘ دوسری طرح کا سننا سیکھو! وہ دیکھنا جو دل کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ سننا جو دل سے سنا جاتا ہے۔ لیکن جب ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر ہو گئی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے گئے تو اب ان کا حال یہ ہے

کہ یہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

ایسے لوگوں کو چوپایوں سے بدتر اس لیے کہا گیا ہے کہ چوپایوں کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی کم تر سطح پر کیا ہے' جبکہ انسان کا تخلیقی مقام بہت اعلیٰ ہے' لیکن جب انسان اس اعلیٰ مقام سے گرتا ہے تو پھر وہ نہ صرف شرفِ انسانیت کو کھو دیتا ہے بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ یہی مضمون ہے جو سورۃ التین میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝﴾ یعنی انسان کو پیدا کیا گیا بہترین اندازے پر' بلند ترین سطح پر' یہاں تک کہ اپنے تخلیقی معیار کے مطابق وہ مسجودِ ملائک ٹھہرا' لیکن جب وہ اس مقام سے نیچے گرا تو کم ترین سطح کی مخلوق سے بھی کم ترین ہو گیا۔ پھر اس کی زندگی محض حیوانی زندگی بن کر رہ گئی' حیوانوں کی طرح کھایا پیا' دنیا کی لذتیں حاصل کیں اور مر گیا۔ نہ زندگی کے مقصد کا ادراک' نہ اپنے خالق و مالک کی پہچان' نہ اللہ کے سامنے حاضری کا ڈر اور نہ آخرت میں احتساب کی فکر۔ یہ وہ انسانی زندگی ہے جو انسان کے لیے باعثِ شرم ہے۔ بقولِ سعدی شیرازیؒ ؎

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی!

آیت ۱۸۰ ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠﴾ ''اور تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں' تو پکارو اُسے اُن (اچھے ناموں) سے۔''

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اعتبار سے اس کے بے شمار نام ہیں۔ ان میں سے کچھ قرآن میں آئے ہیں اور کچھ احادیث میں۔ ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' اس میں حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام گنوائے ہیں۔ ان ناموں میں ''اللہ'' سب سے بڑا اور اہم ترین نام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں' ان ناموں کے حوالے سے اُس کو پکارا کرو' ان ناموں کے ذریعے سے دعا کیا کرو۔ جیسے یا سَتَّارُ' یَا غَفَّارُ' یَا کَرِیْمُ' یَا عَلِیْمُ۔ ضمنی طور پر یہاں ایک نکتہ نوٹ کر لیں کہ قرآن مجید میں اللہ کے لیے لفظ ''صفت'' کہیں استعمال نہیں ہوا' البتہ حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔ قرآن میں اللہ کے لیے اس حوالے سے اسماء (نام) کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔

﴿وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ﴾ ''اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں کجی نکالتے ہیں۔''

'لحد' کہتے ہیں ٹیڑھ کو۔ 'لحد' بمعنی قبر کا مفہوم یہ ہے کہ قبر کے لیے ایک سیدھا گڑھا کھود کر اس کے اندر ایک بغلی گڑھا کھودا جاتا ہے۔ اس گڑھے کو سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے ''لحد'' کہتے ہیں۔ اسمائے الٰہی کے سلسلے میں 'الحاد' ایک تو یہ ہے کہ ان کا غلط استعمال کیا جائے۔ اللہ کے ہر نام کی اپنی تاثیر ہے' اس لحاظ سے مراقبوں وغیرہ کے ذریعے سے اللہ کے ناموں کی تاثیر سے کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام جوڑوں کی شکل میں ہیں' کسی صفت کے دو رُخ ہیں تو اس صفت سے نام بھی دو ہوں گے' جیسے اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ' اَلرَّافِعُ اور اَلْخَافِضُ' اَلْحَیُّ اور اَلْمُمِیْتُ وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے جو اسماء اس طرح کے جوڑوں کی شکل میں ہیں ان میں سے اگر ایک ہی نام بار بار پکارا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا

جائے تو یہ بھی الحاد ہوگا۔ مثلاً اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ دو نام ایک جوڑے میں ہیں، یعنی وہی عزت دینے والا اور وہی ذلت دینے والا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یَا مُذِلُّ، یَا مُذِلُّ، یَا مُذِلُّ کا ورد شروع کر دے تو یہ الحاد ہو جائے گا۔ کیونکہ ''اے ذلیل کرنے والے! اے ذلیل کرنے والے!'' مناسب ورد نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے تمام نام جب پکارے جائیں تو ہمیشہ جوڑوں ہی کی صورت میں پکارے جائیں۔

﴿سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴿۱۸۰﴾﴾ ''عنقریب وہ بدلہ پائیں گے اپنے اعمال کا۔''

آیت ۱۸۱ ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ﴿۱۸۱﴾﴾ ''اور جو انسان ہم نے پیدا کیے ہیں ان میں کچھ لوگ وہ ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔''

یقیناً ہر دور میں کچھ لوگ حق کے علمبردار رہے ہیں اور ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ جیسے حضور ﷺ نے ضمانت دی ہے:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَى الْحَقِّ))[۱]

''میری اُمت میں ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا۔''

آیت ۱۸۲ ﴿وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۱۸۲﴾﴾ ''رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، تو ہم رفتہ رفتہ انہیں ایسے پکڑیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ایک شخص کفر کے راستے پر بڑھتا جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی دنیاوی کامیابیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، ٹھیک کر رہا ہے اور یہ دُنیاوی کامیابیاں اس کی اسی روش کا ہی نتیجہ ہیں۔ لہٰذا وہ کفر اور معصیت کے راستے میں مزید آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ کیفیت کسی انسان کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے اور اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔ یعنی کوئی انسان جو پوری دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض اور اس کے احکام سے نافرمانی کرتا ہے تو اللہ اس کو ڈھیل دیتا ہے اور اس کی رسی دراز کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

آیت ۱۸۳ ﴿وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾﴾ ''اور میں ان کو ڈھیل دوں گا، یقیناً میری چال بہت مضبوط ہے۔''

ایسے مجرموں کو ڈھیل دینے کی مثال مچھلی کے شکار کی سی ہے۔ جب کانٹا مچھلی کے حلق میں پھنس جائے تو اب وہ کہیں جا نہیں سکتی، جتنی ڈور چاہیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ جب آپ چاہیں گے اسے کھینچ کر قابو کر لیں گے۔

آیات ۱۸۴ تا ۱۸۸

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله لا تزال طائفة من اُمتی ظاهرین علی الحق......

اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ۧ

آیت ۱۸۴ ﴿اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ﴾ ”کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو کوئی جنون نہیں ہے۔“

یعنی رسول اللہ ﷺ پر کسی طرح کے جنوں کے اثرات یا کسی جن کا سایہ وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہ بھی متجسّسانہ سوال (searching question) کا انداز ہے کہ ذرا غور کرو‘ کبھی تم نے سوچا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمہاری نگاہوں کے سامنے پلے بڑھے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت‘ شخصیت‘ طہارت‘ نظافت اور آپؐ کا کردار‘ کیا یہ سب کچھ آپ لوگوں کے سامنے نہیں ہے؟ اس کے باوجود تمہارا اس قدر بھونڈا دعویٰ کہ آپؐ پر جنوّن کے اثرات ہیں! کبھی تم نے اپنے اس دعوے کے بودے پن پر بھی غور کیا ہے؟

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝﴾ ”وہ نہیں ہیں مگر واضح طور پر خبردار کر دینے والے۔“

آیت ۱۸۵ ﴿اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ﴾ ”اور کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور اللہ نے جو چیزیں بنائی ہیں (ان میں)“

﴿وَّاَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ﴾ ”اور یہ (نہیں سوچا) کہ ہوسکتا ہے ان کا مقررہ وقت قریب پہنچ گیا ہو۔“

اس سے پہلے اسی سورت میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ﴾ (آیت ۳۴) ”اور ہر قوم کے لیے ایک وقت معیّن ہے“۔ جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لہٰذا یہ لوگ کیونکر بے فکر ہو سکتے ہیں!

﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ”اور اب اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟“

آیت ۱۸۶ ﴿مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ﴾ ”جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہرِ تصدیق ثبت ہو جائے‘ پھر اس کے بعد اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

﴿وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝﴾ ”اور وہ چھوڑ دے گا ان کو اُن کی سرکشی میں‘ اندھے ہو کر

آگے بڑھتے ہوئے۔''

آیت ۱۸۷ ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرۡسٰہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ) یہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ کہیے کہ اس کا علم تو میرے ربّ ہی کے پاس ہے۔''

یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب لنگر انداز ہوگی؟ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اس کے بارے میں سوائے میرے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ کسی کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ ''مُرۡسٰی'' جہاز کے لنگر انداز ہونے کو کہا جاتا ہے۔ جیسے ''بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖہَا وَ مُرۡسٰہَا''۔

﴿لَا یُجَلِّیۡہَا لِوَقۡتِہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ﴾ ''وہی ظاہر کرے گا اسے اس کے وقت پر۔''

﴿ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''وہ آسمانوں اور زمین کے اندر بڑا بھاری بوجھ ہے۔''

آسمان وزمین اس سے بوجھل ہیں۔ جیسے ایک مادہ اپنا حمل لیے پھرتی ہے' اسی طرح یہ کائنات بھی قیامت کو یعنی اپنی فنا کو لیے لیے پھرتی ہے۔ ہر شے جو تخلیق کی گئی ہے اس کی ایک ''اجلِ مسمّیٰ'' اس کے اندر موجود ہے۔ گویا ہر مخلوق کی موت اس کے وجود کے اندر سمودی گئی ہے۔ چنانچہ ہر انسان اپنی موت کو ساتھ ساتھ لیے پھر رہا ہے اور اسی لحاظ سے پوری کائنات بھی۔

﴿لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَۃً ؕ﴾ ''وہ نہیں آئے گی تم پر مگر اچانک۔''

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡہَا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) آپ سے تو یہ اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔''

آپ ﷺ سے تو وہ ایسے پوچھتے ہیں جیسے سمجھتے ہوں کہ آپ کو تو بس قیامت کی تاریخ ہی کے بارے میں فکر دامن گیر ہے اور آپ اس کی تحقیق وجستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ آپ کا اس سے کوئی سروکار نہیں' یہ تو ہمارا معاملہ ہے۔

﴿قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ اللّٰہِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے' لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۱۸۸ ﴿قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ مجھے کوئی اختیار نہیں ہے اپنی جان کے بارے میں بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

آپ ﷺ انہیں بتائیں کہ میرے پاس علم غیب نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۵۰ میں فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے خزانے میرے قبضۂ قدرت میں ہیں' نہ میں علم غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

﴿وَ لَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ ۚۖۛ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوۡٓءُ ۚۛ﴾ ''اور اگر مجھے علم

غیب حاصل ہوتا تو میں بہت سا خیر جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ آتی۔"

﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ "نہیں ہوں میں مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا' ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہوں۔"

آیات ۱۸۹ تا ۲۰۲

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ ۚ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ۚ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

آیت ۱۸۹ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ﴾ "وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا' تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔"

اس نکتے کی وضاحت سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ ﴿وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠﴾ کے مطالعے کے دوران گزر چکی ہے۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات میں جہاں اولاد کا معاملہ ہے وہاں تسکین اور سکون کا پہلو بھی ہے۔

﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ﴾ "تو جب وہ (شوہر) ڈھانپ لیتا ہے اس

(اپنی بیوی) کو تو اسے حمل ہو جاتا ہے ہلکا سا حمل' تو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہتی ہے۔''

ابتدا میں حمل اتنا خفیف ہوتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ کوئی حمل ٹھہر گیا ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّہُمَا لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۸۹﴾﴾ ''پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں اپنے رب کو پکارتے ہیں' کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عطا کر دے گا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔''

آیت ۱۹۰ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰہُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیۡمَآ اٰتٰہُمَا ۚ﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں عطا کر دیا صحیح سالم بچہ' تو ٹھہرا لیے انہوں نے اس کے شریک اس میں جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔''

کہ ہم فلاں بزرگ کے مزار پر گئے تھے' ان کی نگاہِ کرم ہوئی ہے' یا فلاں دیوی یا دیوتا کی کرپا کی وجہ سے ہمیں اولاد مل گئی ہے۔

﴿فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''اللہ بہت بلند و بالا ہے ان کے اس شرک سے۔''

آیت ۱۹۱ ﴿اَیُشۡرِکُوۡنَ مَا لَا یَخۡلُقُ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ﴿۱۹۱﴾﴾ ''کیا وہ ان کو شریک کر رہے ہیں (اللہ کے ساتھ) جو کوئی شے تخلیق کرتے ہی نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔''

فرشتے' جِنّات' انبیاء اور اولیاء اللہ سب کے سب خود اللہ کی مخلوق ہیں۔

آیت ۱۹۲ ﴿وَ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ لَہُمۡ نَصۡرًا وَّ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾﴾ ''اور نہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔''

وہ تو سب کے سب خود اللہ کے بندے ہیں۔ اب یہاں بات تدریجاً بتوں کی طرف لائی جا رہی ہے۔ نظریاتی طور پر تو ان کے فلسفی بُت پرستی کا جواز یہ بتاتے ہیں کہ وہ ان پتھر کے بتوں کی پوجا نہیں کرتے بلکہ ان مورتیوں کی حیثیت علامتی ہے۔ اصل دیوتا اور دیویاں چونکہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں اس لیے ان کے بارے میں توجہ کے ارتکاز کے لیے ہم بتوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ اس فلسفہ کا خلاصہ ہے جو انڈیا کے ڈاکٹر رادھا کرشنن وغیرہ بیان کرتے رہے ہیں' مگر ان کے عوام تو ان بُتوں ہی کو معبود مانتے ہیں' ان ہی کی پوجا کرتے ہیں' بتوں ہی کے آگے جھکتے ہیں' نذرانے دیتے ہیں اور انہی سے اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

آیت ۱۹۳ ﴿وَ اِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی لَا یَتَّبِعُوۡکُمۡ ؕ﴾ ''اور اگر تم انہیں پکارو راہنمائی کے لیے (کہ تمہیں راستہ دکھا دیں) تو وہ تمہاری طرف توجہ ہی نہیں کر سکیں گے۔''

﴿سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡہُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾﴾ ''برابر ہے تمہارے لیے کہ تم انہیں پکارو یا خاموش رہو۔''

آیت ۱۹۴ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ﴾ ''یقیناً جنہیں تم پکارتے ہو اللہ کے ماسوا وہ بھی تمہاری طرح کے بندے ہیں''

وہ فرشتے ہوں یا جنات‘ دیوی دیوتا ہوں یا اولیاء اللہ‘ سب تمہاری طرح اللہ ہی کے بندے ہیں۔

﴿فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ ’’ان کو پکار دیکھو‘ پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔‘‘

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ وہ لائق پرستش ہیں اور کچھ اختیار بھی رکھتے ہیں تو تمہاری پکار یا دعا پر ان کی طرف سے کچھ نہ کچھ جواب تو ضرور ملنا چاہیے۔ بلکہ سورۂ یونس میں تو یہاں تک واضح کیا گیا ہے کہ روزِ محشر وہ کہیں گے کہ ہمیں تو خبر ہی نہیں تھی کہ تم لوگ ہماری پوجا پاٹ کرتے رہے ہو: ﴿اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ﴾ یعنی ہم تو اس سب کچھ سے غافل تھے کہ تم لوگ ہمیں پکارتے رہے ہو‘ ہماری دہائیاں دیتے رہے ہو۔ ’’یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا لِلّٰہ‘‘ جیسے مشرکانہ ورد کرتے رہے ہو۔ اب اگلی آیت میں خاص طور پر بتوں کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۱۹۵ ﴿اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَآ﴾ ’’کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہوں؟‘‘

تم نے ان کے پاؤں اگر بنا بھی دیے ہیں تو کیا وہ ایک قدم چلنے کی سکت بھی رکھتے ہیں؟

﴿اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَآ﴾ ’’یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑتے ہوں؟‘‘

﴿اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَآ﴾ ’’یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھتے ہوں؟‘‘

﴿اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا﴾ ’’یا ان کے کان ہیں جن سے یہ سنتے ہوں؟‘‘

﴿قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ پکار لو اپنے سب شریکوں کو‘ پھر میرے خلاف چالیں چلو (جو چل سکتے ہو) اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔‘‘

رسول اللہ ﷺ سے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کرایا جا رہا ہے کہ میں تم سے کوئی درخواست نہیں کرتا کہ میرے ساتھ نرمی کرو یا مجھے مہلت دے دو۔ تم اپنے تمام معبودوں کو بلا لو اور میرے خلاف جو بھی اقدام کر سکتے ہو کر گزرو۔ یہ اسی طرح کا قولِ فیصل ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اعلانِ براءت کرایا گیا تھا: ﴿اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ﴾ (الانعام)۔

آیت ۱۹۶ ﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ ‌ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيۡنَ﴾ ’’یقیناً میرا مددگار تو وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی‘ اور صالح بندوں کا وہی پشت پناہ ہے۔‘‘

آیت ۱۹۷ ﴿وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَـصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ﴾ ’’اور جنہیں تم پکار رہے ہو اُس (اللہ) کو چھوڑ کر وہ تمہاری مدد کی استطاعت ہی نہیں رکھتے‘ اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۹۸ ﴿وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَسۡمَعُوۡا﴾ ’’اور اگر تم انہیں راہنمائی کے لیے پکارو تو وہ سن نہ سکیں گے۔‘‘

﴿وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾۱۹۸ ’’اور تمہیں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔‘‘

آیت ۱۹۹ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ ’’(اے نبیﷺ!) آپ درگزر کو تھام لیجیے اور بھلی بات کا حکم دیتے رہیے‘‘

جیسا کہ مکی سورتوں کے آخر میں اکثر حضورﷺ سے خطاب اور التفات ہوتا ہے یہاں بھی وہی انداز ہے کہ آپؐ ان لوگوں سے بہت زیادہ بحث مباحثہ میں نہ پڑیں‘ ان کے رویّے سے درگزر کریں اور اپنی دعوت جاری رکھیں۔

﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾۱۹۹ ’’اور جاہلوں سے اعراض کریں۔‘‘

یہ جاہل لوگ آپؐ سے الجھنا چاہیں تو آپؐ ان سے کنارہ کشی کر لیں۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان میں فرمایا: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾۶۳ ’’اور جب جاہل لوگ ان (رحمٰن کے بندوں) سے الجھنا چاہتے ہیں تو وہ ان کو سلام کہتے (ہوئے گزر جاتے) ہیں‘‘۔ سورۃ القصص میں بھی اہل ایمان کا یہی طریقہ بیان کیا گیا ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴾۵۵ ’’تمہیں سلام ہو‘ ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے‘‘۔ آیت زیر نظر میں ایک داعی کے لیے تین بڑی بنیادی باتیں بتائی گئی ہیں۔ عفو درگزر سے کام لینا‘ نیکی اور بھلائی کی بات کا حکم دیتے رہنا‘ اور جاہل یعنی جذباتی اور مشتعل مزاج لوگوں سے اعراض کرنا۔

آیت ۲۰۰ ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾۲۰۰ ’’اور اگر کبھی آپ کو کوئی چوک لگ ہی جائے شیطان کی طرف سے تو اللہ کی پناہ طلب کریں‘ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

نزع اور نزغ ملتے جلتے حروف والے دو مادے ہیں‘ ان میں صرف ’’ع‘‘ اور ’’غ‘‘ کا فرق ہے۔ نزع کھینچنے کے معنی دیتا ہے جبکہ نزغ کے معنی ہیں کچوکا لگانا‘ اکسانا‘ وسوسہ اندازی کرنا۔ یعنی اگر بر بنائے طبع بشری کبھی جذبات میں اشتعال اور غصہ آ ہی جائے تو فوراً بھانپ لیں کہ یہ شیطان کی جانب سے ایک چوک ہے‘ چنانچہ فوراً اللہ کی پناہ مانگیں۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد میں حضورﷺ کو غصہ آ گیا تھا اور آپؐ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے: ((كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ))[1] ’’یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!‘‘

یہ آیت آگے چل کر سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں ایک لفظ (هُوَ) کے اضافے کے ساتھ دوبارہ آئے گی: ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾۳۶ کہ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا۔

آیت ۲۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا﴾ ’’جن لوگوں کے اندر تقویٰ

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الفتن‘ باب الصبر علی البلاء۔ ومسند احمد: ۱۲۷۷۵۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

ہے ان کو جب کوئی برا خیال چھو جاتا ہے شیطان کے اثر سے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں''

یعنی جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ جاگزیں ہوتا ہے وہ ہر گھڑی اپنے فکر و عمل کا احتساب کرتے رہتے ہیں اور اگر کبھی عارضی طور پر غفلت یا شیطانی وسوسوں سے کوئی منفی اثرات دل و دماغ میں ظاہر ہوں تو وہ فوراً سنبھل کر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسے خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))(۱) ''میرے دل پر بھی کبھی کبھی حجاب سا آ جاتا ہے اور میں روزانہ سو سو مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں''۔ لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ ہمارے دل پر حجاب اور شے ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک پر حجاب بالکل اور شے ہے۔ یہ حجاب بھی اُس حضوری کے درجے میں ہو گا جو ہماری لاکھوں حضوریوں سے بڑھ کر ہے۔ یہاں صرف بات کی وضاحت کے لیے اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ جس حجاب کا ذکر حضور ﷺ نے فرمایا ہے ہم نہ تو اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی نوعیت کیا ہو گی اور نہ ہی اس کی مشابہت ہماری کسی بھی قسم کی قلبی کیفیات کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ ہم نہ تو حضور ﷺ کے تعلق مع اللہ کی کیفیت کا تصور کر سکتے ہیں اور نہ ہی مذکورہ حجاب کی کیفیت کا۔ بس اس تعلق مع اللہ کی شدت (intensity) میں کبھی ذرا سی بھی کمی آ گئی تو حضور ﷺ نے اسے حجاب سے تعبیر فرمایا۔

﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱﴾ ''اور دفعتہً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

جب وہ چوکنے ہو جاتے ہیں تو ان کی وقتی غفلت دور ہو جاتی ہے' عارضی منفی اثرات کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے اور حقائق پھر سے واضح نظر آنے لگتے ہیں۔

آیت ۲۰۲ ﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲﴾ ''اور جو اُن (شیطانوں) کے بھائی ہیں انہیں وہ گھسیٹ کر لے جاتے ہیں دور تک گمراہی میں' پھر وہ کچھ کمی نہیں کرتے۔''

شیطان کا جو دوست بنے گا پھر اس پر شیطان کا حکم تو چلے گا۔ شیاطین اپنے بھائی بندوں کو گمراہی میں گھسیٹتے ہوئے دور تک لے جاتے ہیں اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ یعنی گمراہی کی آخری حد تک پہنچا کر رہتے ہیں۔ جیسے بلعم بن باعوراء کو شیطان نے اپنا شکار بنایا تھا اور اسے گمراہی کی آخری حد تک پہنچا کر دم لیا' لیکن جو اللہ کے مخلص اور متقی بندے ہیں ان پر شیطان کا اختیار نہیں چلتا۔ ان کی کیفیت وہ ہوتی ہے جو اس سے پچھلی آیت میں بیان ہوئی ہے' یعنی جونہی منفی اثرات کا سایہ ان کو اپنی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ یکدم چونک کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

آیات ۲۰۳ تا ۲۰۶

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

(۱) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب استحباب الاستغفار والاستکثار منه۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب فی الاستغفار۔

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

آخر میں ان دونوں سورتوں کے مضامین کے عمود کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ جس زمانے میں یہ دو سورتیں نازل ہوئیں اس وقت کفارِ مکہ کی طرف سے یہ مطالبہ تکرار کے ساتھ کیا جا رہا تھا کہ کوئی نشانی لاؤ' کوئی معجزہ دکھاؤ۔ جس طرح کے حسّی معجزات حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو ملے تھے' اسی نوعیت کے معجزات اہلِ مکہ بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ جیسے جیسے اُن کی طرف سے مطالبات آتے رہے' ساتھ ساتھ ان کے جوابات بھی دیے جاتے رہے۔ اب اس سلسلے میں آخری بات ہو رہی ہے۔

آیت ۲۰۳ ﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) جب آپ ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کیوں نہ اسے چُن کر لے آئے؟''

کفارِ مکہ کا کہنا تھا کہ جب آپ (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' اُس کے محبوب ہیں تو آپ کے لیے معجزہ دکھانا کون سا مشکل کام ہے؟ آپ ہمارے اطمینان کے لیے کوئی معجزہ چھانٹ کر لے آئیں! اس سلسلے میں تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ایک پھوپھی زاد بھائی تھا' جو اگرچہ ایمان تو نہیں لایا تھا مگر اکثر آپ ﷺ کے ساتھ رہتا اور آپ ﷺ سے تعاون بھی کرتا تھا۔ اس کے اس طرح کے رویے سے امید تھی کہ ایک دن وہ ایمان بھی لے آئے گا۔ ایک دفعہ کسی محفل میں سردارانِ قریش نے معجزات کے بارے میں آپ ﷺ سے بہت بحث و تکرار کی کہ آپ نبی ہیں تو ابھی معجزہ دکھائیں' یہ نہیں تو وہ دکھا دیں' ایسے نہیں تو ویسے کر کے دکھا دیں! (اس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل میں بھی آئے گی) مگر آپ ﷺ نے ان کی ہر بات پر یہی فرمایا کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں ہے' یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے' جب اللہ تعالیٰ چاہے گا دکھا دے گا۔ اس پر انہوں نے گویا اپنے زعم میں میدان مار لیا اور آپ ﷺ پر آخری حجت قائم کر دی۔ اس کے بعد جب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے تو وہاں شور مچ گیا۔ ان لوگوں نے کیا کیا اور کس کس انداز میں باتیں نہیں کی ہوں گی اور اس کے عوام پر کیا اثرات ہوئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے اُس پھوپھی زاد بھائی نے کہا کہ آج تو گویا آپ کی قوم نے آپ پر حجت قائم کر دی ہے' اب میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ موضوع اس ماحول میں کس قدر اہمیت اختیار کر گیا تھا اور اس طرح کی صورتِ حال میں آپ ﷺ کس قدر دل گرفتہ ہوئے ہوں گے۔ اس کا کچھ نقشہ سورۃ الانعام آیت ۳۵ میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) اگر آپ پر بہت شاق گزر رہا ہے ان کا اعراض تو اگر آپ میں طاقت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ بنا لیجیے یا آسمان پر سیڑھی لگا لیجیے اور ان کے لیے کہیں سے کوئی نشانی لے آئیے!'' (ہم تو نہیں دکھائیں گے!)۔ یہ پس منظر ہے ان حالات کا جس میں فرمایا جا رہا ہے کہ معجزات کے مطالبات میں آپ ﷺ ان کو بتائیں کہ معجزہ دکھانے یا نہ دکھانے کا فیصلہ اللہ نے کرنا ہے' مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو صرف پیروی کرر ہا ہوں اُس کی جو میری طرف وحی کی جارہی ہے میرے ربّ کی طرف سے۔''

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرت افروز باتیں ہیں' اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے حق میں جو ایمان لے آئیں۔''

میں آپ لوگوں کے سامنے جو پیش کر رہا ہوں' یہ وہی کچھ ہے جو اللہ نے مجھ پر وحی کیا ہے اور میں خود بھی اسی کی پیروی کرر ہا ہوں۔ اس سے بڑھ کر میں نے کبھی کوئی دعویٰ کیا ہی نہیں۔

آیت ۲۰۴ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو اسے پوری توجہ کے ساتھ سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سَمِعَ' یَسْمَعُ کے معنی ہیں سننا' جبکہ اِسْتِمَاع کے معنی ہیں پوری توجہ کے ساتھ سننا' کان لگا کر سننا۔ جو حضرات جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے قائل ہیں وہ اسی آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' کیونکہ اس آیت کی رو سے تلاوتِ قرآن کو پوری طرح ارتکازِ توجہ کے ساتھ سننا فرض ہے اور ساتھ ہی خاموش رہنے کا حکم بھی ہے۔ جبکہ نماز کے دوران خود تلاوت کرنے کی صورت میں سننے کی طرف توجہ نہیں رہے گی اور خاموش رہنے کے حکم پر بھی عمل نہیں ہوگا۔

آیت ۲۰۵ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً﴾ ''اور اپنے رب کو یاد کرتے رہا کرو اپنے جی ہی جی میں' عاجزی اور خوف کے ساتھ''

اس عاجزی کی انتہا اور عبدیت کاملہ کا مظہر تو وہ دعائے ماثور ہے جو میں نے نقل کی ہے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' نامی اپنے کتابچے کے آخر میں۔ ان دونوں آیات (قرآن کی عظمت اور دعا میں عاجزی) کے حوالے سے اس دعا کے مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتارنے کی کوشش کریں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ ''اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں!''

وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ ''تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں!''

وَفِیْ قَبْضَتِكَ ' نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ ''اور مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے' میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ ہے۔''

مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ ' عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُكَ ''نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم' اور عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ۔''

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَكَ' سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ ''میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں تیرے ہر اُس اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذاتِ مقدس کو موسوم فرمایا''

اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ ''یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا''

اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ ''یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا''

اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ ''یا اسے اپنے مخصوص خزانۂ غیب ہی میں محفوظ رکھا''

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَ ذَھَابَ ھَمِّیْ وَ غَمِّیْ[1] ''کہ تو بنا دے قرآن مجید کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے رنج و حزن کی جلا اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب!''

آمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ! ''ایسا ہی ہوا ے تمام جہانوں کے پروردگار!''

﴿وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور بلند آواز سے نہیں (پست آواز سے)''

البتہ جب آدمی دُعا مانگے تو اس طرح مانگے کہ خود سن سکے تاکہ اس کی سماعت بھی اس سے استفادہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو قراءت ایسے کرے کہ خود سن سکے' اگرچہ سِرّی نماز ہی کیوں نہ ہو۔

﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ''(اور اس طرح آپ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے اوقات میں بھی''

جیسے سورۃ الانعام کی پہلی آیت کی تشریح کے ضمن میں ذکر آیا تھا کہ لفظ نُور قرآن میں ہمیشہ واحد آتا ہے جبکہ ظُلُمات ہمیشہ جمع ہی آتا ہے' اسی طرح لفظ غُدُوّ (صبح) بھی ہمیشہ واحد اور آصال (شام) ہمیشہ جمع ہی آتا ہے۔ یہ اَصِیل کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ صبح کی نماز تو ایک ہی ہے یعنی فجر' جبکہ سورج ذرا مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہوتا ہے تو پے در پے نمازیں ہیں' جو رات تک پڑھی جاتی رہتی ہیں یعنی ظہر' عصر' مغرب اور عشاء۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۸ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ﴾ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾﴾ ''اور غافلوں میں سے نہ ہو جایئے۔''

آیت ۲۰۶ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ﴾ ''بے شک وہ جو آپ کے ربّ کے پاس ہیں''

یعنی ملأ اعلیٰ جو ملائکہ مقرّبین پر مشتمل ہے' جس کا نقشہ امیر خسروؒ نے اپنے اس خوبصورت شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

خدا خود میرِ محفل بود اندر لامکاں خسروؔ ‍ ‍ ‍ ‍ محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم!

یعنی لامکاں کی وہ محفل جس کا میر محفل خود اللہ تعالیٰ ہے اور جہاں شرکائے محفل ملائکہ مقرّبین ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ (روحِ محمدیؐ) کو اس محفل میں گویا چراغ اور شمع کی حیثیت حاصل ہے۔ امیر خسرو کہتے ہیں کہ رات مجھے بھی اس محفل میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

﴿لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیُسَبِّحُوْنَہٗ وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾﴾ ''وہ اس کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے' اور اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' اور اُس کے لیے سجدے کرتے رہتے ہیں۔''

بارك اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم ٥٥

---

(۱) رواہ احمد ورزین ۔ مشکاۃ المصابیح' کتاب الدعوات' باب الدعوات فی الاوقات' الفصل الثالث ۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

سُورۃُ الانفال

تمہیدی کلمات

سورۃ الانفال مدنی سورت ہے اور اس کا سورۃ التوبہ (مدنی) کے ساتھ جوڑا ہونے کا تعلق ہے۔ اس گروپ کی چاروں سورتوں میں معنوی ربط یوں ہے کہ پہلی دو مکی سورتوں (الانعام اور الاعراف) میں مشرکینِ عرب پر رسول اللہ ﷺ کی مسلسل دعوت کے ذریعے اتمامِ حجت ہوا' اور بعد کی دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں اس اتمامِ حجت کے جواب میں ان لوگوں پر عذاب کا تذکرہ ہے۔ موضوع کی اس مناسبت کی بنا پر یہ چاروں سورتیں دو دو کے دو جوڑوں کے ساتھ ایک گروپ بناتی ہیں۔

سورۃ الانفال غزوۂ بدر کے متصلاً بعد اور سورۂ آلِ عمران کے اکثر حصے سے پہلے نازل ہوئی۔ چنانچہ اس سورت کے مطالعے سے پہلے غزوۂ بدر کے پس منظر کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے۔ اور اس پس منظر کے مطالعہ سے بھی پہلے نبی اکرم ﷺ کی دعوتی و انقلابی تحریک کے منہج و مراحل کے حوالے سے غزوۂ بدر کی خصوصی اہمیت اور حیثیت کا تعین بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جب ہم غزوۂ بدر کو قرآن کے فلسفۂ تذکیر بایام اللہ اور سورۃ الانفال کے خصوصی تناظر میں دیکھتے ہیں تو اس کے مندرجہ ذیل دو بہت اہم پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) مشرکینِ مکہ پر عذاب کا پہلا کوڑا: اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق رسولوں کا انکار کرنے والی اقوام پر اجتماعی طور پر عذابِ استیصال نازل ہوتا رہا ہے۔ اسی قانونِ قدرت کا اطلاق ہجرت کے بعد مشرکینِ مکہ پر بھی ہونے والا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بارہ تیرہ برس تک مختلف انداز میں دعوت دے کر اپنی قوم پر اتمامِ حجت کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ کے لیے ہجرت کا حکم گویا ایک واضح اشارہ تھا کہ مشرکینِ مکہ اپنے مسلسل انکار کے باعث اب عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں' لیکن حکمتِ الٰہی کے پیش نظر قریش کا معاملہ اپنی نوعیت میں اس لحاظ سے منفرد رہا کہ ان پر عذاب یکبارگی ٹوٹ پڑنے کے بجائے بالاقساط نازل ہوا۔ لہٰذا اس عذاب کی قسط اوّل اُن پر بدر کے میدان میں نازل ہوئی۔ انہیں حرمِ مکہ سے نکال کر میدانِ بدر میں بالکل اسی طرح سے لایا گیا جیسے آلِ فرعون کو اُن کے محلات سے نکالا گیا تھا اور سمندر میں لا کر غرق کر دیا گیا تھا۔

میدانِ بدر میں قریش کے ستّر سردار مارے گئے' ستّر افراد قیدی بنے اور متعدد زخمی ہوئے۔ یہ انجام ان جنگجوؤں کا ہوا جو فنِ حرب کی مہارت اور بہادری میں پورے عرب میں مشہور تھے' اپنے دور کے جدید ترین اسلحہ سے لیس اور تعداد میں اپنے حریف لشکر سے تین گنا تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ تین سو تیرہ میں سے صرف آٹھ افراد کے پاس تلواریں تھیں۔ ان نہتّے تین سو تیرہ مجاہدین کے ہاتھوں ایک

ہزار کے مسلّح لشکر کی یہ ذلّت اور ہزیمت دراصل قریشِ مکہ کے لیے عذابِ الٰہی کی پہلی قسط تھی‘ جس کا ذکر سورۃ الانفال میں ہوا ہے۔ (اس عذاب کا آخری مرحلہ سن ۹ ہجری میں آیا‘ جس کا ذکر سورۃ التوبہ میں ہے۔)

(۲) غلبۂ دین کی جدّوجُہد کا حتمی اور ناگزیر مرحلہ (اقدام): غزوۂ بدر رسول اللہ ﷺ کی غلبۂ دین کی جدّوجُہد کے پانچویں اور آخری مرحلے یعنی حق و باطل کے درمیان باقاعدہ تصادم کا نقطۂ آغاز تھا اور اس مرحلے کو سَر کرنے کے بعد یہ تحریک بالآخر تاریخ انسانی کے عظیم ترین اور جامع ترین انقلاب پر منتج ہوئی۔ اس تحریک کے ابتدائی چار مراحل یعنی دعوت‘ تنظیم‘ تربیت اور صبرِ محض تو مکہ مکرمہ میں طے ہو گئے تھے۔ اس سلسلے کے چوتھے مرحلے (صبرِ محض) کا تذکرہ سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ کے الفاظ میں کیا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ باندھ کر رکھو‘ یعنی تمہارے ٹکڑے بھی کر دیے جائیں تو بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے‘ حتیٰ کہ مدافعانہ کارروائی کی بھی اجازت نہیں ہے۔

ان چار مراحل کو کامیابی سے طے کرنے کا نتیجہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جاں نثاروں کی ایک مختصر مگر انتہائی مضبوط جماعت تیار ہو گئی تھی‘ جو سرد و گرم چشیدہ تھے‘ ہر طرح کی سختیاں جھیل چکے تھے‘ ہر قسم کی قربانیاں دے چکے تھے اور ان کے اخلاص مع اللہ میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ اس تربیت یافتہ‘ منظم اور مضبوط جماعت کی تیاری کے بعد اب باطل کو للکارنے کا وقت قریب آ چکا تھا۔ لہٰذا مدینہ کی طرف ایک کھڑکی کھول کر دار الہجرت کا انتظام کر دیا گیا‘ تا کہ یہ ساری قوت ایک جگہ مجتمع ہو کر آخری مرحلے (اقدام) کے لیے تیاری کر سکے اور یہی وجہ تھی کہ یہ ہجرت تمام اہلِ ایمان پر فرض کر دی گئی تھی۔ اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ ہجرت فرار (flight) نہیں تھی‘ جیسا کہ مغربی مؤرخین اسے یہ نام دیتے ہیں‘ بلکہ ایک باقاعدہ سوچی سمجھی‘ طے شدہ حکمتِ عملی تھی‘ جس کے تحت اس تحریک کے ہیڈ کوارٹرز کو متبادل base کی تلاش میں مکہ سے مدینہ منتقل کیا گیا‘ تا کہ وہاں سے فیصلہ کن انداز میں اقدام کیا جا سکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس موضوع پر میری کتاب ”منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ“۔)

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ وضاحت طلب ہے اور وہ یہ کہ اٹھارہویں صدی میں مغربی علوم و تہذیب کی شدید یلغار کے سامنے مسلمان ہر میدان میں پسپا ہوتے چلے گئے‘ چنانچہ جب مغرب کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا کہ ع ”بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!“ یعنی یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو اس کے جواب میں ہمارے کچھ بزرگوں کی طرف سے پورے خلوص کے ساتھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا۔ شاید یہ اس وقت کے حالات کی وجہ سے مجبوری بھی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں محکومی و غلامی کی حالت میں مسلمان خصوصی طور پر انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے۔ ان حالات میں کچھ مسلمان رہنما ایک طرف اپنی قوم کے تحفظ کے بارے میں فکرمند تھے تو دوسری طرف وہ اسلام اور سیرت النبی ﷺ کا دفاع بھی کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس الزام کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے خود سے کوئی ایسا جارحانہ اقدام نہیں کیا‘ بلکہ تمام جنگیں آپ ﷺ پر مسلط کی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے تمام جنگیں اپنے دفاع میں لڑیں۔

ہندوستان میں ان خطوط پر سب سے زیادہ کام علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ وہ سر سیّد احمد خان کے

زیر اثر تھے اور یہ سب لوگ مل کر جدید مغربی افکار و خیالات' تہذیب وتمدن اور اقدار و نظریات کے طوفان کا خلوصِ نیت سے مقابلہ کر رہے تھے' جو بہر حال کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں انہیں معذرت خواہانہ (apologetic) انداز اختیار کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلیؒ نے ''سیرت النبی ﷺ'' تحریر کرتے ہوئے غزوۂ بدر سے پہلے کی آٹھ مہمّات (جن میں چار غزوات اور چار سرایہ تھیں) کو تقریباً نظر انداز کر دیا ہے' تاکہ یہ ثابت نہ ہو کہ پہل کا اقدام (initiative) حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا۔

مذکورہ مصلحت آمیز حکمتِ عملی ایک خاص دور کا تقاضا تھی' لیکن اب حالات مختلف ہیں۔ آج اسلام کا یہ فکر و فلسفہ پوری وضاحت کے ساتھ دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے جو انسانی معاشرے میں عملی تنفیذ کے لیے اپنا غلبہ چاہتا ہے اور حضور ﷺ کا مقصدِ بعثت ہی دین کو غالب کرنا تھا۔ اسی طرح دین کو غالب کرنے کی اس انقلابی جدّوجہد کی آج بھی ضرورت ہے۔ یہ جدّوجہد جب بھی اور جہاں بھی شروع کی جائے گی اس کے لیے منظم انداز میں تیاری کی ضرورت ہوگی۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں تیاری کا یہ کٹھن سفر بتدریج پانچ مراحل طے کرتا ہوا نظر آتا ہے' یعنی دعوت' تنظیم' تربیت' صبرِ محض اور اقدام۔ اگر پہلے چار مراحل کامیابی سے طے کر لیے جائیں تو اس کے بعد یہ جدّوجہد آخری اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے جس میں باطل کو للکار کر اس سے ٹکر لی جاتی ہے۔ اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ حق اور باطل دو ایسی متضاد اور متحارب قوتیں ہیں جو متوازی انداز میں نہیں چل سکتیں۔ دونوں میں بقائے باہمی (co-existence) کے اصول پر مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک قوت غالب ہوگی تو دوسری کو لازمی طور پر مغلوب ہونا پڑے گا۔ لہٰذا اگر حق اور اہلِ حق طاقتور ہیں تو وہ کسی قیمت پر باطل سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حالات کی نزاکت کے تحت منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ رعایت کرنے کے مشورے کے جواب میں فرمایا تھا: اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ (کیا دین میں ترمیم کی جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں!)۔ لہٰذا سورۃ الانفال کا مطالعہ کرتے ہوئے اس فلسفے کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھنا اور ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

غزوۂ بدر کا پس منظر: مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے داخلی استحکام پر ترجیحی طور پر توجہ مرکوز فرمائی۔ اس سلسلے میں پہلے چھ ماہ میں آپ ﷺ نے تین انتہائی اہم امور سرانجام دیے۔ اوّلاً آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر مکمل کروائی' جس کی صورت میں آپ ﷺ کو ایک ایسا مرکز میسر آگیا جو بیک وقت ایک گورنمنٹ سیکرٹیریٹ بھی تھا اور پارلیمنٹ ہاؤس بھی' دار العلوم اور خانقاہ بھی تھا اور عبادت گاہ بھی۔ ثانیاً آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات کا رشتہ قائم کرادیا' جس سے نہ صرف مہاجرین کے معاشی و معاشرتی مسائل حل ہو گئے' بلکہ مدینہ میں ان دونوں فریقوں کے افراد پر مشتمل ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جس کے افراد باہمی محبت اور اخلاص کے گہرے رشتہ میں منسلک تھے۔ اس سلسلے کا تیسرا اور اہم ترین کارنامہ میثاقِ مدینہ تھا۔ یعنی یہودی قبائل کے ساتھ مدینہ کے مشترک دفاع کا معاہدہ' جس کے تحت حملے کی صورت میں مدینہ کے یہودی قبائل مسلمانوں کے ساتھ مل کر شہر کا دفاع کرنے کے پابند ہو گئے۔

داخلی محاذ پر ان معاملات سے فارغ ہونے کے بعد ہجرت کے ساتویں ماہ سے آپ ﷺ نے مدینہ کے اطراف و جوانب میں چھاپہ مار دستے بھیجنے شروع کر دیے۔ قریشِ مکہ کی معیشت کا دار و مدار تجارت پر تھا اور مکہ سے یمن اور شام کی طرف اُن کے تجارتی قافلے سارا سال رواں دواں رہتے تھے۔ یہ دونوں تجارتی شاہراہیں قریش مکہ کی معیشت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اِن دونوں شاہراہوں پر اپنے فوجی دستوں کی نقل و حرکت سے قریش کو یہ باور کرا دیا کہ ان کی یہ معاشی شہ رگ اب ہماری زد میں ہے اور ہم جب چاہیں اسے کاٹ سکتے ہیں۔ اپنی معیشت کے بارے میں ایسے خدشات کا تصور قریش کے لیے بہت ہی بھیانک تھا۔ غزوۂ بدر (۲ ہجری) سے پہلے ڈیڑھ سال کے دوران میں ایسی آٹھ مہمات کا بھیجا جانا تاریخ سے ثابت ہے۔ ان میں سے چار مہمات میں رسول اللہ ﷺ کی بنفسِ نفیس شرکت بھی ثابت ہے۔ آپ ﷺ جن جن علاقوں میں تشریف لے گئے وہاں پر آباد قبائل کے ساتھ آپ ﷺ نے دوستی کے معاہدے کر لیے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے اطراف و جوانب میں آباد اکثر قبائل جو پہلے قریش کے دوست تھے اب مسلمانوں کے حلیف بن گئے' جبکہ کچھ قبائل نے غیر جانبدار رہنے کے معاہدے کر لیے' اور یوں آپ ﷺ کی کامیاب حکمتِ عملی سے مدینہ کے مضافاتی علاقوں سے قریش کا دائرۂ اثر سکڑنے لگا۔ قریش کے لیے مکہ کی معاشی ناکہ بندی کا خدشہ ہی کچھ کم پریشان کن نہیں تھا کہ اب انہیں اس علاقے سے اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی بساط بھی لپٹتی ہوئی دکھائی دینے لگی' چنانچہ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق وہ مدینہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے منصوبہ بندی کرنے لگے۔ اسی دوران میں دو ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے حالات تیزی سے خراب ہو کر غزوۂ بدر پر منتج ہوئے۔

پہلا واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا دستہ نخلہ کے مقام پر بھیجا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ ان لوگوں کو یہ مشن سونپا گیا کہ وہ اس علاقے میں موجود رہیں اور قریش کی نقل و حرکت کے بارے میں مطلع کرتے رہیں۔ اتفاق سے اس دستے کی مڈ بھیڑ قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہو گئی۔ مقابلے میں ایک مشرک عبداللہ بن حضرمی مارا گیا جبکہ ایک دوسرے مشرک کو قید کر لیا گیا۔ مالِ غنیمت اور قیدی کے ساتھ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا' کیونکہ ایسا کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ گویا مسلمانوں کی طرف سے قریش کے خلاف پہلا باقاعدہ مسلّح اقدام تھا جس میں ان کا ایک شخص بھی قتل ہوا۔ لہٰذا اس واقعہ سے ماحول کی کشیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

دوسرا واقعہ ابوسفیان کے قافلے سے متعلق ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تھا جو مکّہ سے شام کی طرف جا رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا تعاقب کیا' مگر وہ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب یہ قافلہ پچاس ہزار دینار کی مالیت کے ساز و سامان کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا تو ممکنہ خطرے کے پیش نظر ابوسفیان نے قافلے کی حفاظت کے لیے دوہری حکمت عملی اختیار کی۔ انہوں نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار سوار کو اپنے تحفظ کی خاطر مدد حاصل کرنے کے لیے مکہ روانہ کیا اور دوسری طرف معمول کا راستہ جو بدر کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا' اس کو چھوڑ کر قافلے کو مدینہ سے دور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ نکال کر لے گئے۔ بہر حال اتفاق سے مکہ میں یہ دونوں

اشتعال انگیز خبریں یکے بعد دیگرے پہنچیں۔ ایک طرف نخلہ سے جان بچا کر بھاگنے والے افراد روتے پیٹتے عبداللہ بن حضرمی کے قتل کی خبر لے کر پہنچ گئے اور دوسری طرف ابوسفیان کا ایلچی بھی دہائی دیتے ہوئے آ پہنچا کہ بھاگو! دوڑو! کچھ کر سکتے ہو تو کرو' تمہارا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں لٹنے والا ہے۔ ان خبروں سے مکہ میں تو گویا آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ فوری طور پر ایک ہزار کا لشکر تیار کیا گیا جس کے لیے ایک سو گھوڑوں پر مشتمل رسالہ اور نو سو اونٹ مہیا کیے گئے' وافر مقدار میں سامانِ رسد اور اسلحہ وغیرہ بھی فراہم کیا گیا۔

مشاورت کے بارے میں غلط فہمی کی وضاحت: غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جس مشاورت کا ذکر قرآن حکیم اور تاریخ میں ملتا ہے اس کے بارے میں اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دو مواقع اور دو مقامات پر الگ الگ مشاورت کا انعقاد فرمایا تھا مگر اسے اکثر و بیشتر لوگوں نے ایک ہی مشاورت سمجھا ہے۔

پہلی مجلسِ مشاورت مدینہ میں ہوئی اور اس کا مقصد یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ابوسفیان کے قافلے کو شام سے واپسی پر روکنا چاہیے یا نہیں؟ اور جب مشورہ کے بعد اس سلسلے میں اقدام کرنا طے پایا تو آپ ﷺ کچھ صحابہؓ کو لے کر اس مقصد کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ اس وقت تک جنگ کے بارے میں کوئی گمان تک نہیں تھا اس لیے اس مہم کے لیے کوئی خاص تیاری نہیں کی گئی تھی۔ جس کے ہاتھ میں جو آیا وہ لے کر چل پڑا۔ چنانچہ دو گھوڑوں' آٹھ تلواروں اور کچھ چھوٹے موٹے ہتھیاروں کے ساتھ چند صحابہؓ کی معیت میں جب آپ ﷺ مقامِ صفراء پر پہنچ گئے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوجہل ایک ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے چل پڑا ہے۔ اور اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آ گئی کہ جنوب (مکہ) کی طرف سے ایک لشکر آ رہا ہے جو کیل کانٹے سے لیس ہے جبکہ شمال کی جانب سے قافلہ' اور میرا یہ وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر آپ ﷺ کو ضرور فتح حاصل ہو گی۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو خوشخبری بھی دیں اور ان سے مشورہ بھی کریں۔ چنانچہ اس وحی کے بعد مقامِ صفراء پر آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کرنے کے لیے دوسری مشاورت کا انعقاد فرمایا کہ پہلے لشکر کے مقابلے کے لیے جایا جائے یا قافلے کو روکنے کے لیے؟ چنانچہ جن محققین اور مفسرین سے اس پس منظر کی تحقیق میں کوتاہی ہوئی ہے اور انہوں نے مشاورت کے دو واقعات کو ایک ہی واقعہ سمجھا ہے' انہیں اس سورت کی متعلقہ آیات کو سمجھنے اور ان کا ترجمہ و تشریح کرنے میں بہت خلجان رہا ہے۔

سورت کے اسلوب کا ایک خاص انداز: یہ سورت دس رکوعات پر مشتمل ایک مکمل خطبہ ہے' لیکن اس میں سے ایک خاص مسئلہ کو درمیان سے نکال کر آغاز میں لایا گیا ہے' یعنی مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ۔ اس مسئلہ کی تفصیلات سورت کے اندر اپنی جگہ پر ہی بیان ہوئی ہیں' لیکن اس موضوع کو اتنی اہمیت دی گئی کہ سورت کا آغاز غیر معمولی انداز میں اس کے ذکر سے کیا گیا۔ یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ اس لیے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا کہ غزوۂ بدر جزیرہ نمائے عرب میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ اس سے پہلے عرب میں کہیں بھی کسی باقاعدہ فوج اور اس کے ڈسپلن کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ چنانچہ عسکری نظم و ضبط اور جنگی معاملات کے بارے میں کوئی ضابطہ اور قانون بھی پہلے سے موجود نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ میں فتح کے بعد میدانِ جنگ سے جو چیز جس

کے ہاتھ لگ گئی، اس نے سمجھا کہ بس اب یہ اس کی ہے۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے بہت سنجیدہ نوعیت کے مسائل پیدا ہو گئے۔ بعض لوگوں نے تو بھاگ دوڑ کر کے بہت زیادہ مال جمع کر لیا، جبکہ مختلف وجوہات کی بنا پر کچھ لوگوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔ کچھ لوگ اپنی بزرگانہ حیثیت اور وضع داری کی بنا پر بھاگ دوڑ کر مال اکٹھا نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ لوگ اہم مقامات پر پہرہ دے رہے تھے اور بعض رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھے۔ مالِ غنیمت میں سے ایسے تمام لوگوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس ضمن میں اختلافات پیدا ہوئے۔ چنانچہ سورت کی پہلی آیت میں ہی جتلا دیا گیا کہ اللہ کے ہاں اس معاملے کا خاص نوٹس لیا گیا ہے اور پھر بات بھی اس طرح سے کی گئی کہ مسئلے کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی گئی۔ بالکل دو ٹوک انداز میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے، کسی اور کا اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں۔ سورۃ الانفال کا یہ اسلوب اگر اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے تو اس سے ہمیں سورۃ التوبہ کے مضامین کی ترتیب کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

آیات ۱ تا ۸

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ ④ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ ⑤ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ ⑥ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ ⑦ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ ⑧

آیت ۱ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، آپ کہیے کہ اموالِ غنیمت کُل کے کُل اللہ اور رسولؐ کے ہیں۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①﴾ ''پس

تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور اپنے آپس کے معاملات درست کرو' اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو۔"

یہاں مالِ غنیمت کے لیے لفظ "انفال" استعمال کیا گیا ہے۔ انفال جمع ہے نفل کی اور نفل کے معنی ہیں اضافی شے۔ مثلاً نمازِ نفل' جسے ادا کر لیں تو باعث ثواب ہے اور اگر ادا نہ کریں تو مواخذہ نہیں۔ اسی طرح جنگ میں اصل مطلوب شے تو فتح ہے جب کہ مالِ غنیمت ایک اضافی انعام ہے۔

جیسا کہ تمہیدی گفتگو میں بتایا جا چکا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ سنجیدہ صورت اختیار کر گیا تھا۔ یہاں ایک مختصر قطعی اور دو ٹوک حکم کے ذریعے سے اس مسئلہ کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور بہت واضح انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ انفال کل کے کل اللہ اور اس کے رسولؐ کی ملکیت ہیں۔ اس لیے کہ یہ فتح تمہیں اللہ کی خصوصی مدد اور اللہ کے رسولؐ کے ذریعے سے نصیب ہوئی ہے۔ لہٰذا انفال کے حق دار بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہیں۔ اس قانون کے تحت یہ تمام غنیمتیں اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائیں اور تمام مجاہدین کو حکم دے دیا گیا کہ انفرادی طور جو چیز جس کسی کے پاس ہے وہ اسے لا کر بیت المال میں جمع کرا دے۔ اس طریقے سے سب لوگوں کو zero level پر لا کر کھڑا کر دیا گیا اور یوں یہ مسئلہ احسن طور پر حل ہو گیا۔ اس کے بعد جس کو جو دیا گیا اس نے وہ بخوشی قبول کر لیا۔

اگلی آیات اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں بندۂ مومن کی شخصیت کے کچھ خدوخال بیان ہوئے ہیں۔ مگر ان خدوخال کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ "مؤمن" اور "مسلمان" دو مترادف الفاظ یا اصطلاحات نہیں ہیں۔ قرآن ان دونوں میں واضح فرق کرتا ہے۔ یہ فرق سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ﴾ "(اے نبی ﷺ!) یہ بدو لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں' ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے"۔ اسلام اور ایمان کا یہ فرق اچھی طرح سمجھنے کے لیے "ارکانِ اسلام" کی تفصیل ذہن میں تازہ کر لیجیے جو قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا کا مرحلۂ اولیٰ طے کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ : شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکَاةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

یہ پانچ ارکانِ اسلام ہیں' جن سے ہر مسلمان واقف ہے۔ مگر جب ایمان کی بات ہو گی تو ان پانچ ارکان کے

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام۔ واللفظ للمسلم۔

ساتھ دو مزید ارکان اضافی طور پر شامل ہو جائیں گے' اور وہ ہیں دل کا یقین اور عمل میں جہاد۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سورۃ الحجرات کی اگلی آیت میں بندۂ مؤمن کی شخصیت کا یہ نقشہ: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''مؤمن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر' پھر ان کے دلوں میں شک باقی نہ رہے اور وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ صرف وہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں''۔ یعنی کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد انسان قانونی طور پر مسلمان ہو گیا اور تمام ارکانِ اسلام اس کے لیے لازمی قرار پائے۔ مگر حقیقی مؤمن وہ تب بنے گا جب اُس کے دل کو گہرے یقین ﴿ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا﴾ والا ایمان نصیب ہو گا اور عملی طور پر وہ جہاد میں بھی حصہ لے گا۔

بندۂ مؤمن کی اسی تعریف (definition) کی روشنی میں اہلِ ایمان کی کیفیت یہاں سورۃ الانفال میں دو حصوں میں الگ الگ بیان ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ حقیقی ایمان والے حصے کی کیفیت کو آیت ۲ اور ۳ میں بیان کیا گیا ہے' جبکہ اس کے دوسرے (جہاد والے) حصے کی کیفیات کو سورت کی آخری آیت سے پہلے والی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک پرکار (compass) کو کھول دیا گیا ہو' جس کی ایک نوک سورت کے آغاز پر ہے (پہلی آیت چھوڑ کر) جبکہ دوسری نوک سورت کے آخر پر ہے (آخری آیت چھوڑ کر)۔ اس وضاحت کے بعد اب ملاحظہ ہو بندۂ مؤمن کی تعریف (definition) کا پہلا حصہ:

آیت ۲ ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۲﴾﴾ ''حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے' اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''

آیت ۳ ﴿الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ''جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

اس سے انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ کے دین کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو حقیقی مؤمن ہیں۔''

یہاں پر ایک مؤمن کی تعریف (definition) کا پہلا حصہ بیان ہوا ہے' جب کہ اس کا دوسرا اور تکمیلی حصہ اس سورت کی آیت ۷۴ میں بیان ہو گا' یعنی آخری سے پہلی (second last) آیت میں۔ اُس آیت میں بھی یہی الفاظ ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ﴾ ایک دفعہ پھر آئیں گے۔ ایمان کے ان حقائق کو تقسیم کر کے سورت کے آغاز اور اختتام پر اس طرح رکھا گیا ہے جیسے ساری سورت اس مضمون کی گود میں آ گئی ہو۔

﴿لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۴﴾﴾ ''اُن کے لیے ان کے ربّ کے پاس (اونچے) درجات اور مغفرت اور عزت والا رزق ہے۔''

یہاں سے اب غزوۂ بدر کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔

آیت ۵ ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۵﴾

''جیسے کہ نکالا آپ کو (اے نبی ﷺ) آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ' اور یقیناً اہلِ ایمان میں سے کچھ لوگ اسے پسند نہیں کر رہے تھے۔''

یہ اُس پہلی مشاورت کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مدینہ ہی میں فرمائی تھی۔ لشکر کے میدانِ بدر کی طرف روانگی کو ناپسند کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک تو منافقین تھے جو کسی قسم کی آزمائش میں پڑنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے منصوبے کے تحت اس طرح کی کسی مہم جوئی کی روایت کو ''Nip the evil in the bud'' کے مصداق ابتدا ہی میں ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ان کے دلائل بظاہر بڑے بھلے تھے کہ لڑائی جھگڑا اچھی بات نہیں ہے' ہمیں تو اچھی باتوں اور اچھے اخلاق سے دین کی تبلیغ کرنی چاہیے' اور لڑنے بھڑنے سے بچنا چاہیے' وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف کچھ نیک سرشت سچے مؤمن بھی ایسے تھے جو اپنے خاص مزاج اور سادہ لوحی کے سبب یہ رائے رکھتے تھے کہ ابھی تک قریش کی طرف سے تو کسی قسم کا کوئی اقدام نہیں ہوا' لہٰذا ہمیں آگے بڑھ کر پہل نہیں کرنی چاہیے۔ زیر نظر آیت میں دوٹوک الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا بدر کی طرف روانہ ہونا اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھا۔

آیت ۶ ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ ''وہ لوگ آپؐ سے جھگڑ رہے تھے حق کے بارے میں' اس کے بعد کہ بات (ان پر) بالکل واضح ہو چکی تھی۔''

یہ آیت میرے نزدیک دوسری مشاورت کے بارے میں ہے جو مقامِ صفراء پر منعقد ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے قریش کے تجارتی قافلے کا پیچھا کرنے کے ارادے سے نکلے تھے' اور یہ بظاہر اسی طرح کی ایک مہم تھی جس طرح کی آٹھ مہمات اس علاقے میں پہلے بھی بھیجی جا چکی تھیں۔ اُس وقت تک لشکرِ قریش کے بارے میں نہ کوئی اطلاع تھی اور نہ ہی ایسا کوئی گمان تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ سے نکل کر صفراء کے مقام پر پہنچے تو آپؐ کو اپنے ذرائع سے بھی لشکرِ قریش کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بھی آپ ﷺ کو اس بارے میں مطلع فرما دیا۔ چنانچہ جس طرح حضرت طالوت نے راستے میں اپنے لشکر کی آزمائش کی تھی کہ دریا کو عبور کرتے ہوئے جو شخص سیر ہو کر پانی پیے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا اور اس طرح مخلص ساتھیوں کا خلوص ظاہر ہو گیا' اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے سارا معاملہ مسلمانوں کے سامنے مشاورت کے لیے رکھ دیا اور ان کو واضح طور پر بتا دیا کہ مکہ سے ابوجہل ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکرِ جرار لے کر روانہ ہو چکا ہے۔

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۶﴾ ''(وہ لوگ ایسے محسوس کر رہے تھے) جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اسے دیکھ رہے ہوں۔''

ظاہر بات ہے یہ کیفیت تو پکے منافقین ہی کی ہو سکتی تھی۔

آیت ۷ ﴿وَاِذۡ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَی الطَّآئِفَتَیۡنِ اَنَّهَا لَكُمۡ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ اللہ وعدہ کر رہا تھا تم لوگوں سے کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا''

لشکر یا قافلے میں سے کسی ایک پر مسلمانوں کی فتح کی ضمانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی گئی تھی۔

﴿وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَیۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَكُمۡ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) تم یہ چاہتے تھے کہ جو بغیر کانٹے کے ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے''

تم لوگوں کی خواہش تھی کہ لشکر اور قافلے میں سے کسی ایک کے مغلوب ہونے کی ضمانت ہے تو پھر غیر مسلح گروہ یعنی قافلے ہی کی طرف جایا جائے، کیونکہ اس میں کوئی خطرہ اور خدشہ (risk) نہیں تھا۔ قافلے کے ساتھ بمشکل پچاس یا سو آدمی تھے جبکہ اس میں پچاس ہزار دینار کی مالیت کے سازوسامان سے لدے پھندے سینکڑوں اونٹ تھے، لہٰذا اس قافلے پر بڑی آسانی سے قابو پایا جا سکتا تھا اور بظاہر عقل کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ان لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے پاس تو ہتھیار بھی نہیں ہیں اور سامانِ رسد وغیرہ بھی ناکافی ہے، ہم پوری تیاری کر کے مدینے سے نکلے ہی نہیں ہیں، لہٰذا یہ بہتر ہوگا کہ پہلے قافلے کی طرف جائیں، اس طرح سازوسامان بھی مل جائے گا، اہلِ قافلہ کے ہتھیار بھی ہمارے قبضے میں آ جائیں گے اور اس کے بعد لشکر کا مقابلہ ہم بہتر انداز میں کر سکیں گے۔ تو گویا عقل و منطق بھی اسی رائے کے ساتھ تھی۔

﴿وَیُرِیۡدُ اللّٰهُ اَنۡ یُّحِقَّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَیَقۡطَعَ دَابِرَ الۡكٰفِرِیۡنَ ۝﴾ ''اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فیصلے کے ذریعے سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام (آیت ۴۵) میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ﴾ کہ ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اللہ کا ارادہ کچھ اور تھا۔ یہ سب کچھ دنیا کے عام قواعد وضوابط (physical laws) کے تحت نہیں ہونے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس دن کو ''یوم الفرقان'' بنانا چاہتا تھا۔ وہ تین سو تیرہ نہتے افراد کے ہاتھوں کیل کانٹے سے پوری طرح مسلّح ایک ہزار جنگجوؤں کے لشکر کو ذلّت آمیز شکست دلوا کر دکھانا چاہتا تھا کہ اللہ کی تائید و نصرت کس کے ساتھ ہے اور چاہتا تھا کہ کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔

آیت ۸ ﴿لِیُحِقَّ الۡحَقَّ وَیُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝﴾ ''تا کہ سچا ثابت کر دے حق کو اور جھوٹا ثابت کر دے باطل کو، خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

آیات ۹ تا ۱۹

اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَكُمۡ اَنِّیۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُرۡدِفِیۡنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰی وَلِتَطۡمَئِنَّ بِهٖ قُلُوۡبُكُمۡ ۚ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ۝ اِذۡ یُغَشِّیۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ

ع ۱۵

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١ اِذْ يُوْحِيْ
رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝١٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝١٣ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝١٤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا
تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝١٥ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ
فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٦ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝١٧ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٨ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ
جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ
فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٩ ع ۹ / ۱۶

آیت ۹ ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩﴾
''یاد کرو جبکہ تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے' تو اُس نے تمہاری دُعا قبول کی تھی' کہ میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ جو پے در پے آئیں گے۔''

قریش کے ایک ہزار کے لشکر کے مقابلے میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے آسمانوں سے قطار در قطار اتریں گے۔

آیت ۱۰ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ؕ﴾ ''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر (تمہارے لیے) بشارت' اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔''

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠﴾ ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست' حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ تو ''کُنْ فَیَکُوْن'' کی شان کے ساتھ جو چاہے کر دے۔ وہ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا' لیکن انسانی ذہن کا چونکہ سوچنے کا اپنا ایک انداز ہے' اس لیے اُس نے تمہارے دلوں کی تسکین اور تسلی کے لیے نہ صرف ایک ہزار فرشتے بھیجے بلکہ تمہیں ان کی آمد کی اطلاع بھی دے دی کہ خاطر جمع رکھو' ہم تمہاری مدد کے لیے فرشتے بھیج رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ کے وعدے کے مطابق میدانِ بدر میں فرشتے اترے ضرور ہیں لیکن انہوں نے عملی طور پر لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ عملی طور پر جنگ کفار کے ایک ہزار اور مسلمانوں کے تین سو تیرہ افراد کے درمیان ہوئی اور قوتِ ایمانی سے سرشار مسلمان اس بے جگری اور بے خوفی سے لڑے کہ ایک ہزار پر غالب آ گئے۔

آیت ۱۱ ﴿اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنۡہُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ﴾ ''یاد کرو جبکہ اللہ تمہاری تسکین کے لیے تم پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے''

بدر کی رات تمام مسلمان بہت پُرسکون نیند سوئے اور اسی رات غیر معمولی انداز میں بارش بھی ہوئی۔ مسلمانوں کی یہ پُرسکون نیند اور بارش کا نزول گویا دو معجزے تھے' جن کا ظہور مسلمانوں کی خاص مدد کے لیے عمل میں آیا۔ یہ معجزات اس انداز میں ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے باقاعدہ ان کے بارے میں اعلان فرمایا ہو' یا یہ کہ یہ بالکل خرقِ عادت واقعات ہوں' بلکہ یہ معجزات اس انداز میں تھے کہ اس وقت ان دونوں واقعات سے مسلمانوں کو غیر معمولی طور پر مدد ملی' اور اس لیے بھی کہ ایسی چیزیں محض اتفاقات سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔ حقیقت میں غزوۂ بدر کا یہ معاملہ مسلمانوں کے لیے بہت سخت تھا' جس کی وجہ سے ہر شخص کے لیے بظاہر فکر مندی' تشویش اور اندیشہ ہائے دور دراز کی انتہا ہونی چاہیے تھی' کہ کل جو کچھ ہونے جا رہا ہے اس میں میں زندہ بھی بچ پاؤں گا یا نہیں؟ مگر عملی طور پر یہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ مسلمان رات کو آرام و سکون کی نیند سوئے اور صبح بالکل تازہ دم اور چاق و چوبند ہو کر اٹھے۔ اسی طرح اس رات جو بارش ہوئی وہ بھی مسلمانوں کے لیے اللہ کی تائید و نصرت ثابت ہوئی۔ اس بارش سے دوسرے فوائد کے علاوہ مسلمانوں کو ایک یہ سہولت بھی میسر آ گئی کہ جن لوگوں کو غسل کی حاجت تھی انہیں غسل کا موقع مل گیا۔

﴿وَ یُذۡہِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ وَ لِیَرۡبِطَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الۡاَقۡدَامَ ﴿ؕ۱۱﴾﴾ ''اور تاکہ دُور کر دے تم سے شیطان کی (ڈالی ہوئی) نجاست کو اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جما دے۔''

اس بارش میں مسلمانوں کے لیے اطمینانِ قلوب کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انہیں اس خشک صحرا کے اندر پانی کا وافر ذخیرہ مل گیا' ورنہ لشکرِ قریش پہلے آ کر پانی کے تالاب پر قبضہ کر چکا تھا اور مسلمان اس سے محروم ہو چکے تھے۔ بارش ہوئی تو نشیب کی بنا پر سارا پانی مسلمانوں کی طرف جمع ہو گیا' جسے انہوں نے بند وغیرہ باندھ کر ذخیرہ کر لیا۔ بارش کی وجہ سے مٹی دب گئی' ریت فرش کی طرح ہو گئی اور چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی۔

آیت ۱۲ ﴿اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ﴾ ''یاد کریں جب آپؐ کا ربّ وحی کر رہا تھا فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم (جاؤ اور) اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو۔''

وہی ایک ہزار فرشتے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' انہیں میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ رہنے کی ہدایت کا تذکرہ ہے۔

﴿سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡہُمۡ کُلَّ

بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ”میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں' پس مارو ان کی گردنوں کے اوپر اور مارو ان کی ایک ایک پور پر۔“

اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھرپور مقابلے کے دوران دہشت زدہ کر دیا تھا اور جب کوئی شخص اپنے حریف کے مقابلے میں دہشت زدہ ہو جائے تو اس کے اندر قوتِ مدافعت نہیں رہتی۔ پھر وہ گویا حملہ آور کے رحم و کرم پر ہوتا ہے' وہ جدھر سے چاہے اُسے چوٹ لگائے' جدھر سے چاہے اُسے مارے۔

آیت ۱۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾﴾ ”اور یہ (سزا ان کی) اس لیے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی' اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کرے تو اللہ بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے۔“

اس کے بعد اب قریش سے براہِ راست خطاب ہے۔

آیت ۱۴ ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ﴾ ”(لو) یہ تو چکھو“

ابھی ہماری طرف سے سزا کی پہلی قسط وصول کرو۔

﴿وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾﴾ ”اور یہ (بھی تمہیں معلوم رہے) کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔“

یعنی یہ مت سمجھنا کہ تمہاری یہی سزا ہے' بلکہ اصل سزا تو جہنم ہو گی' اس کے لیے بھی تیار رہو۔

آیت ۱۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ ”اے اہلِ ایمان' جب تمہارا مقابلہ ہو جائے کافروں سے میدانِ جنگ میں“

”زحف“ میں باقاعدہ دو لشکروں کے ایک دوسرے کے مدِّ مقابل آ کر لڑنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علاقے میں آٹھ مہمّات (expeditions) بھیجی گئی تھیں' مگر ان میں سے کوئی مہم بھی باقاعدہ جنگ کی شکل میں نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ انہیں چھاپہ مار مہمات کہا جا سکتا ہے' لیکن بدر میں مسلمانوں کی کفار کے ساتھ پہلی مرتبہ دوبدو جنگ ہوئی ہے۔ چنانچہ ایسی صورتِ حال کے لیے ہدایات دی جا رہی ہیں کہ جب میدان میں باقاعدہ جنگ کے لیے تم لوگ کفار کے مقابل آ جاؤ:

﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾﴾ ”تو تم ان سے پیٹھ مت پھیرنا۔“

مطلب یہ ہے کہ ڈٹے رہو' مقابلہ کرو۔ جان چلی جائے لیکن قدم پیچھے نہ ہٹیں۔

آیت ۱۶ ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ﴾ ”اور جو کوئی بھی اُن سے اُس دن اپنی پیٹھ پھیرے گا“

یعنی اگر کوئی مسلمان میدانِ جنگ سے جان بچانے کے لیے بھاگے گا۔

﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ ”سوائے اس کے کہ وہ کوئی داؤ لگا رہا ہو جنگ کے لیے“

جیسے دو آدمی دوبدو مقابلہ کر رہے ہوں اور لڑتے لڑتے کوئی دائیں' بائیں یا پیچھے کو ہٹے' بہتر داؤ کے لیے

پینترا بدلے تو یہ بھاگنا نہیں ہے' بلکہ یہ تو ایک تدبیراتی حرکت (tactical move) شمار ہوگی۔اسی طرح جنگی حکمتِ عملی کے تحت کمانڈر کے حکم سے کوئی دستہ کسی جگہ سے پیچھے ہٹ جائے اور کوئی دوسرا دستہ اُس کی جگہ لے لے تو یہ بھی پسپائی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

﴿اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ﴾ ''یا کسی (دوسری) جمعیت سے ملنا ہو''

یعنی لڑائی کے دوران اپنے لشکر کے کسی دوسرے حصے سے ملنے کے لیے منظّم طریقے سے پیچھے ہٹنا (orderly retreat) بھی پیٹھ پھیرنے کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ان دو استثنائی صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے بزدلی دکھائی اور بھگدڑ کے اندر جان بچا کر بھاگا:

﴿فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاۡوٰىہُ جَہَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۶﴾﴾ ''تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

اب اگلی آیات میں یہ بات واضح تر انداز میں سامنے آ رہی ہے کہ غزوۂ بدر دُنیوی قواعد وضوابط کے مطابق نہیں' بلکہ اللہ کی خاص مشیت کے تحت وقوع پذیر ہوا تھا۔

آیت ۱۷ ﴿فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ ۪﴾ ''پس (اے مسلمانو!) تم نے انہیں قتل نہیں کیا' بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا''

ویسے تو ہر کام میں فاعلِ حقیقی اللہ ہی ہے' ہم جو کام بھی کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوتا ہے' اور جس شے کے اندر جو بھی تاثیر ہے وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ عام حالات کے لیے بھی اگرچہ یہی قاعدہ ہے: لَا فَاعِلَ فِی الۡحَقِیۡقَۃِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہ'' لیکن یہ تو مخصوص حالات تھے جن میں اللہ کی خصوصی مدد آئی تھی۔

﴿وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ﴾ ''اور جب آپؐ نے (ان پر کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں''

میدانِ جنگ میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور شَاھَتِ الۡوُجُوۡہ (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کفار کی طرف پھینکیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کنکریاں کہاں کہاں تک پہنچی ہوں گی اور اُن کے کیسے کیسے اثرات کفار پر مرتب ہوئے ہوں گے۔ بہر حال یہاں پر آپ ﷺ کے اس عمل کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ) جب وہ کنکریاں آپ نے پھینکی تھیں' تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔اسی بات کو اقبالؔ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ؏ ''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ!''

﴿وَلِیُبۡلِیَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡہُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ﴾ ''تا کہ اللہ اس سے اہلِ ایمان کے جوہر نکھارے خوب اچھی طرح سے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آزمائشیں اپنے بندوں کی مخفی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ بَلَا' یَبۡلُو' بَلَآءً کے معنی ہیں آزمانا' تکلیف اور آزمائش میں ڈال کر کسی کو پرکھنا' لیکن اَبۡلٰی' یُبۡلِی جب بابِ

انفعال سے آتا ہے تو کسی کے جوہر نکھارنے کے معنی دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ⑰﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿ذٰلِكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوۡهِنُ كَيۡدِ الۡكٰفِرِيۡنَ ⑱﴾ ''یہ تو ہو چکا' اور (آئندہ کے لیے بھی سمجھ لو کہ) اللہ کفار کی تمام چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے۔''

یہ گویا اہلِ ایمان اور کفار دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد صرف کفار سے خطاب ہے۔ ابوجہل کو بحیثیتِ سپہ سالار اپنے لشکر کی تعداد' اسلحہ اور ساز و سامان کی فراوانی کے حوالے سے پورا یقین تھا کہ ہم مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے ہی پراپیگنڈا شروع کر دیا تھا کہ معرکہ کا دن ''یوم الفرقان'' ثابت ہو گا اور اُس دن یہ واضح ہو جائے گا کہ اللہ کس کے ساتھ ہے۔ اللہ کو تو کفار بھی مانتے تھے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ابوجہل کی اس دعا کے الفاظ بھی منقول ہیں جو بدر کی رات اس نے خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی۔ اُس رات جب ایک طرف حضور اکرم ﷺ دعا مانگ رہے تھے تو دوسری طرف ابوجہل بھی دعا مانگ رہا تھا۔ اس کی دُعا حیرت انگیز حد تک موحدانہ ہے۔ اس دعا میں لات' منات' عزّیٰ اور ہُبل وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں' بلکہ اس دُعا میں وہ براہِ راست اللہ سے التجا کر رہا ہے: **اللّٰھم اقطعنا للرحم فاحنه الغداۃ** کہ اے اللہ جس شخص نے ہمارے رحمی رشتے کاٹ دیے ہیں' کل تو اسے کچل کر رکھ دے۔ اس دُعا سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ابوجہل کا حضور ﷺ پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ آپ ﷺ کی وجہ سے قریش کے خون کے رشتے کٹ گئے تھے۔ مثلاً ایک بھائی مسلمان ہو گیا ہے اور باقی کافر ہیں' تو نہ صرف یہ کہ ان میں اخوت کا رشتہ باقی نہ رہا' بلکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اسی طرح اولاد ماں باپ سے اور بیویاں اپنے شوہروں سے کٹ گئیں۔ چونکہ اس عمل سے قریش کی یک جہتی' طاقت اور ساکھ بُری طرح متاثر ہوئی تھی' اس لیے سب سے زیادہ انہیں اسی بات کا قلق تھا۔ بہرحال ابوجہل سمیت تمام قریش کی خواہش تھی اور وہ دعا گو تھے کہ اس چپقلش کا واضح فیصلہ سامنے آ جائے۔ ان کی اسی خواہش اور دعا کا جواب یہاں دیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۹ ﴿اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَكُمُ الۡفَتۡحُ ۚ﴾ ''اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے پاس (اللہ کا) فیصلہ آ چکا۔''

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن فتح کے ذریعے بتا دیا کہ اُس کی تائید و نصرت کس گروہ کے ساتھ ہے۔ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا پوری طرح واضح ہو گیا۔

﴿وَاِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ﴾ ''اور اگر اب بھی تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے' اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کچھ دوبارہ کریں گے۔''

﴿وَلَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡكُمۡ فِئَتُكُمۡ شَيۡئًا وَّلَوۡ كَثُرَتۡ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ⑲﴾ ''اور تمہاری یہ جمعیت تمہارے کسی کام نہیں آسکے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو' اور یہ کہ اللہ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔''

آیات ۲۰ تا ۲۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ع

آیت ۲۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝۲۰﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو جبکہ تم سن رہے ہو۔''

یعنی جب اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کی طرف چلنے کا ارادہ کر لیا تو پھر تمہاری طرف سے ردّ و قدح اور بحث و استدلال کیوں ہو رہا تھا؟ تم سب کو تو چاہیے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی پر فوراً سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے اور آپؐ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں خاص طور پر ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اس موقع پر کمزوری دکھائی تھی۔

آیت ۲۱ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۱﴾ ''اور ان لوگوں کی مانند مت ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور حقیقت میں وہ سنتے نہیں ہیں۔''

یعنی صرف زبان سے سَمِعْنَا کہہ دیتے ہیں مگر اُن کے دل اپنے خیالات اور مفادات پر ہی ڈیرے جمائے رہتے ہیں۔ اطاعت پر ان کی طبیعت میں یکسوئی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس طرح کے سننے کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔

آیت ۲۲ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۲۲﴾ ''یقیناً تمام چوپایوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

یہاں پر واضح طور پر منافقین کو بدترین جانور قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر

ہے تو وہ انہیں سنوا دیتا۔‘‘

﴿وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ’’اور اگر وہ انہیں (بھلائی کے بغیر) سنوا بھی دیتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر جاتے۔‘‘

اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اندر کوئی صلاحیت پاتا تو ان کو سننے اور سمجھنے کی توفیق دے دیتا‘ لیکن اگر انہیں بغیر صلاحیت کے تعمیل حکم میں جنگ کے لیے نکل آنے کی توفیق دے بھی دی جاتی تو یہ خطرے کا موقع دیکھتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو کفار کے لشکر کا سامنا کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔

آیت ۲۴ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ﴾ ’’اے اہل ایمان! لبیک کہا کرو اللہ اور رسول (ﷺ) کی پکار پر جب وہ تمہیں پکاریں اُس شے کے لیے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔‘‘

تم جنگ کے لیے جاتے ہوئے سمجھ رہے ہو کہ یہ موت کا گھاٹ ہے‘ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ تو اصل اور ابدی زندگی کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں شہداء کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾۔ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ جس چیز کی طرف تمہیں بلا رہے ہیں‘ حقیقی زندگی وہی ہے۔ اس کے مقابلے میں اس دعوت سے اعراض کر کے زندگی بسر کرنا گویا حیوانوں کی سی زندگی ہے‘ جس کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)۔

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ ’’اور جان رکھو کہ اللہ بندے اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے‘‘

یعنی اگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی پکار سُنی اَن سنی کر دی جائے اور اُن کے احکامات سے بے نیازی کو وطیرہ بنا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ خود ایسے بندے اور ہدایت کے درمیان آڑ بن جاتا ہے‘ جس سے آئندہ وہ ہدایت کی ہر بات سننے اور سمجھنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ﴾ کہ ان کے دلوں اور ان کی سماعت پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔ جبکہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۰ میں اس اصول کو سخت ترین الفاظ میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی حق کے پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جانے پر بھی جو لوگ فوری طور پر اسے مانتے نہیں اور اس سے پہلوتہی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے دل الٹ دیے جاتے ہیں اور ان کی بصارت پلٹ دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بہت حساس اور خوف کھانے والا معاملہ ہے۔ دین کا کوئی مطالبہ کسی کے سامنے آئے‘ اللہ کا کوئی حکم اس تک پہنچ جائے اور اس کا دل اس پر گواہی بھی دے دے کہ ہاں یہ بات درست ہے‘ پھر اگر وہ اس سے اعراض کرے گا‘ کنّی کترائے گا‘ تو اس کی سزا اسے اس دنیا میں یوں بھی مل سکتی

ہے کہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت ہی اس سے سلب کر لی جاتی ہے‘ دل اور سماعت پر مہر لگ جاتی ہے‘ آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں‘ ہدایت اور اس کے درمیان آڑ کر دی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا اٹل قانون ہے۔

﴿وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝۲۴﴾ ’’اور یہ کہ (بالآخر) تم سب کو یقیناً اُسی کی طرف جمع کیا جانا ہے۔‘‘

آیت ۲۵ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ﴾ ’’اور ڈرو اُس فتنے سے جو تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔‘‘

یہ بھی قانونِ خداوندی ہے اور اس سے پہلے بھی اس قانون کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کسی جرم کا براہِ راست ارتکاب کرنا ہی صرف جرم نہیں ہے‘ بلکہ کسی فرض کی عدم ادائیگی کا فعل بھی جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان ذاتی طور پر گناہوں سے بچ کر بھی رہتا ہے اور نیکی کے کاموں میں بھی حتی الوسع حصہ لیتا ہے۔ وہ صدقہ وخیرات بھی دیتا ہے اور نماز‘ روزہ کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ یہ سب کچھ تو وہ کرتا ہے مگر دوسری طرف اللہ اور اس کے دین کی نصرت‘ اقامتِ دین کی جِدّو جُہد اور اس جدّوجہد میں اپنے مال اور اپنے وقت کی قربانی جیسے فرائض سے پہلو تہی کا رویہ اپنائے ہوئے ہے تو ایسا شخص بھی گویا مجرم ہے اور عذاب کی صورت میں وہ اس کی لپیٹ سے بچ نہیں پائے گا۔ اس لحاظ سے یہ دل دہلا دینے والی آیت ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝۲۵﴾ ’’اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔‘‘

اب اگلی آیت کو خصوصی طور پر پاکستان کے مسلمانوں کے حوالے سے پڑھیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ ’’اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے‘‘

﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ ’’تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے‘‘

یہ آیت خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ برصغیر میں مسلمان اقلیت میں تھے‘ ہندوؤں کی اکثریت کے مقابلے میں انہیں خوف تھا کہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرنے میں کمزور ہیں۔ اپنے جان و مال کو درپیش خطرات کے علاوہ انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اکثریت کے ہاتھوں ان کا معاشی‘ سماجی‘ سیاسی‘ لسانی‘ مذہبی وغیرہ ہر اعتبار سے استحصال ہوگا۔

﴿فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۲۶﴾ ’’تو اللہ نے تمہیں پناہ کی جگہ دے دی اور تمہاری مدد کی اپنی خاص نصرت سے اور تمہیں بہترین پاکیزہ رزق عطا کیا‘ تاکہ تم شکر ادا کرو۔‘‘

آیت ۲۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ ’’اے اہلِ ایمان! مت خیانت کرو اللہ سے اور رسول (ﷺ) سے‘‘

اللہ کی امانت میں خیانت یقیناً بہت بڑی خیانت ہے۔ ہمارے پاس اللہ کی سب سے بڑی امانت اس کی

وہ روح ہے جو اس نے ہمارے جسموں میں پھونک رکھی ہے۔ اسی کے بارے میں سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا:
﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾﴾ ''ہم نے (اپنی) امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے' مگر انسان نے اسے اٹھا لیا' یقیناً وہ ظالم اور جاہل تھا''۔ پھر اس کے بعد دین' قرآن اور شریعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بڑی بڑی امانتیں ہیں جو ہمیں سونپی گئی ہیں۔ چنانچہ ایمان کا دم بھرنا' اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنا' لیکن پھر اللہ کے دین کو مغلوب دیکھ کر بھی اپنے کاروبار' اپنی جائیداد' اپنی ملازمت اور اپنے کیریئر کی فکر میں لگے رہنا' اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ اس سے بڑی بے وفائی' غداری اور خیانت اور کیا ہو گی!

﴿وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور نہ ہی اپنی (آپس کی) امانتوں میں خیانت کرو جانتے بوجھتے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ﴾ ''اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں''

فتنہ کے معنی آزمائش اور اس کسوٹی کے ہیں جس پر کسی کو پرکھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مال اور اولاد انسان کے لیے بہت بڑی آزمائشیں ہیں۔ یقیناً مال اور اولاد ہی انسان کے پاؤں کی سب سے بڑی بیڑیاں ہیں جو اُسے نصرتِ دین کی جدّوجہد سے روک کر اس کی عاقبت خراب کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی شعوری اور فعال زندگی کے شب و روز مال کمانے' اُسے سینت سینت کر رکھنے اور اولاد کے مستقبل کو محفوظ بنانے میں اس انداز سے کھپا دیتا ہے کہ اس میں اور کولہو کے بیل میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اس کے بعد اس کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی بچتی ہی نہیں جسے وہ دین کی جدوجہد کے لیے پیش کر کے اپنے اللہ کے حضور سرخرو ہو سکے۔

﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس ہے بڑا اجر۔''

آیات ۲۹ تا ۴۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ

يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۱۸ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

آیت ۲۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ ''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کے تقویٰ پر برقرار رہو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان پیدا کر دے گا''

اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکے بعد دیگرے تمہارے لیے فرقان آتا رہے گا۔ جیسے پہلا فرقان غزوہ بدر میں تمہاری فتح کی صورت میں آ گیا۔

﴿وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں (کمزوریاں) اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور یاد کیجیے جب کفار آپ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے''

﴿لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ﴾ ''کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا (مکہ سے) نکال دیں۔''

یہ ان سازشوں کا ذکر ہے جو قریشِ مکہ ہجرت سے پہلے کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی مخالفت میں اُن کے باقی تمام حربے ناکام ہو گئے تو وہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہو گئے اور اس بارے میں سنجیدگی سے صلاح مشورے کرنے لگے۔

﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''وہ بھی چالیں چل رہے تھے اور اللہ بھی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اللہ بہترین منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور جب انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں بہت سن لیا ہم نے (یہ کلام)' اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ دیں' یہ کچھ نہیں سوائے پچھلے لوگوں کی کہانیوں کے۔''

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ قول نضر بن حارث سے منسوب ہے۔ لیکن ان کی اس طرح کی باتیں صرف کہنے کی حد تک تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بار بار یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر تم لوگ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں سمجھتے تو تم بھی اسی طرح کا کلام بنا کر لے آؤ اور کسی ثالث سے فیصلہ کرالو' مگر وہ لوگ اس چیلنج کو قبول کرنے کی کبھی جرأت نہ کر سکے۔ اسی طرح پچھلی صدی تک عام مستشرقین بھی یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے تورات اور انجیل سے معلومات لے کر قرآن بنایا ہے' مگر آج کل چونکہ تحقیق کا دور ہے' اس لیے اُن کے ایسے بے تکے الزامات خود بخود ہی کم ہو گئے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲﴾ ''اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری ہی طرف سے برحق ہے تو برسا دے ہم پر پتھر آسمان سے یا بھیج دے ہم پر کوئی دردناک عذاب۔''

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ سردارانِ قریش کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ مکہ کے عام لوگوں کو محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے اثرات سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے لیے وہ مختلف قسم کی تدبیریں کرتے رہتے تھے' جن کا ذکر قرآن میں بھی متعدد بار ہوا ہے۔ اس آیت میں ان کی ایسی ہی ایک تدبیر کا تذکرہ ہے۔ اُن کے بڑے بڑے سردار عوام کے اجتماعات میں علی الاعلان اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو ہم پر اللہ کی طرف سے عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ بلکہ وہ اللہ کو مخاطب کر کے دعائیہ انداز میں بھی پکارتے تھے کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیرا ہی کلام ہے تو پھر اس کا انکار کرنے کے سبب ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے' یا کسی بھی شکل میں ہم پر اپنا عذاب نازل فرما دے۔ اور اس کے بعد وہ اپنی اس تدبیر کی خوب تشہیر کرتے کہ دیکھا ہماری اس دعا کا کچھ بھی ردِ عمل نہیں ہوا' اگر یہ واقعی اللہ کا کلام ہوتا تو ہم پر اب تک عذاب آ چکا ہوتا۔ چنانچہ اس طرح وہ اپنے عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

آیت ۳۳ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ﴾ ''اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن کو عذاب دیتا جبکہ (ابھی) آپؐ اُن کے درمیان موجود تھے۔''

اگرچہ وہ لوگ عذاب کے پوری طرح مستحق ہو چکے تھے' لیکن جس طرح کے عذاب کے لیے وہ لوگ دعائیں کر رہے تھے ویسا عذاب سنتِ الٰہی کے مطابق اُن پر اُس وقت تک نہیں آ سکتا تھا جب تک اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں ان کے درمیان موجود تھے' کیونکہ ایسے عذاب کے نزول سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے رسولؑ اور اہلِ ایمان کو ہجرت کا حکم دے دیتا ہے اور ان کے نکل جانے کے بعد ہی کسی آبادی پر اجتماعی عذاب آیا کرتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳﴾ ''اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہیں تھا جب کہ وہ استغفار بھی کر رہے تھے۔''

اس لحاظ سے مکہ کی آبادی کا معاملہ بہت گڈ مڈ تھا۔ مکہ میں عوام الناس بھی تھے' سادہ لوح لوگ بھی تھے جو

اپنے طور پر اللہ کا ذکر کرتے تھے‘ تلبیہ پڑھتے تھے اور اللہ سے استغفار بھی کرتے تھے۔ دوسری طرف اللہ کا قانون ہے جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ۳۷ میں ہوا ہے کہ جب تک وہ پاک اور ناپاک کو چھانٹ کر الگ نہیں کر دیتا ﴿لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ اس وقت تک اس نوعیت کا عذاب کسی قوم پر نہیں آتا۔

آیت ۳۴ ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ’’اور کیا (رکاوٹ) ہے ان کے لیے کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دے جب کہ وہ روک رہے ہیں مسجد حرام سے (لوگوں کو)‘‘

﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ’’درآنحالیکہ وہ اس کے متولی بھی نہیں ہیں۔ اس کے (اصل) متولی تو صرف متقی لوگ ہیں‘ لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ﴾ ’’اور نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا۔‘‘

قریشِ مکہ نے اپنی عبادات کا حلیہ اس طرح بگاڑا تھا کہ اپنی نماز میں سیٹیوں اور تالیوں جیسی خرافات بھی شامل کر رکھی تھیں۔ اسی طرح خانہ کعبہ کا سب سے اعلیٰ طواف اُن کے نزدیک وہ تھا جو بالکل برہنہ ہو کر کیا جاتا۔

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ’’تو اب چکھو مزہ عذاب کا اپنے کفر کی پاداش میں۔‘‘

یہاں واضح کر دیا گیا کہ اللہ کا عذاب صرف آسمان سے پتھروں کی صورت ہی میں نہیں آیا کرتا بلکہ غزوۂ بدر میں ان کی فیصلہ کن شکست ان کے حق میں اللہ کا عذاب ہے۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’یقیناً کافر لوگ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) روکیں اللہ کے رستے سے۔‘‘

قریش کی طرف سے لشکر کی تیاری‘ ساز و سامان کی فراہمی‘ اسلحہ کی خریداری‘ اونٹوں‘ گھوڑوں اور راشن وغیرہ کا بندوبست بھی اس قسم کے انفاق فی سبیل الشیطان اور فی سبیل الشرک کی مثال ہے۔ وہ لوگ گویا شیطان کے راستے کے مجاہدین تھے اور اللہ کی مخلوق کو اس کے راستے سے روکنا اُن کا مشن تھا۔

﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ﴾ ’’تو وہ (اور بھی) خرچ کریں گے‘ پھر یہ ان کے لیے ایک حسرت بن جائے گا‘ پھر یہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔‘‘

یہ خرچ کرنا ان کے لیے موجبِ حسرت ہوگا اور یہ پچھتاوا ان کی جانوں کا روگ بن جائے گا کہ اپنا مال بھی کھپا دیا‘ جانیں بھی ضائع کر دیں‘ لیکن اس پوری کوشش کے باوجود محمد ﷺ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ ان کی یہ حسرتیں اُس وقت اور بھی بڑھ جائیں گی جب ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾﴾ (بنی اسرائیل) کی تفسیر عملی طور پر اُن کے سامنے آجائے گی اور وہ مغلوب ہو کر اہلِ حق کے سامنے اُن کے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝۳۶﴾ ''اور جو کفر پر رہیں گے وہ جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جائیں گے۔''

یعنی ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا' اور جو کفر پر اَڑے رہیں گے اور کفر پر ہی ان کی موت آئے گی تو ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

آیت ۳۷ ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ﴾ ''تا کہ اللہ پاک کو ناپاک سے (چھانٹ کر) علیحدہ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے سب کو ایک ڈھیر بنا دے' پھر اس کو جہنم میں جھونک دے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۳۷﴾ ''یقیناً یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے۔''

آیت ۳۸ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ اعلان کر دیجیے ان کافروں کے سامنے کہ اگر وہ اب بھی باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کے لیے معاف کر دیا جائے گا۔''

یعنی اب بھی موقع ہے کہ ایمان لے آؤ تو تمہاری پہلی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

﴿وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸﴾ ''اور اگر وہ دوبارہ یہی کچھ کریں گے تو پچھلوں کے حق میں سنتِ الٰہی گزر چکی ہے۔''

انہیں سب معلوم ہے کہ جن قوموں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا تھا اُن کا کیا انجام ہوا تھا۔ سورۃ الانفال سے پہلے مکی قرآن تو پورے کا پورا نازل ہو چکا تھا' سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف بھی نازل ہو چکی تھیں۔ لہٰذا قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ شعیبؑ اور قومِ لوطؑ کے عبرتناک انجام کی تفصیلات سب کو معلوم ہو چکی تھیں۔

آیت ۳۹ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے۔''

یہی حکم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۳ میں بھی آ چکا ہے۔ البتہ یہاں اس کے الفاظ میں ''كُلُّهٗ'' کی اضافی شان اور مزید تاکید پائی جاتی ہے۔ یعنی اے مسلمانو! تمہاری تحریک کو شروع ہوئے پندرہ برس ہو گئے۔ اس دوران میں دعوت' تنظیم' تربیت اور صبرِ محض کے مراحل کامیابی سے طے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اب passive resistance کا دور ختم سمجھو۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اقدام (active resistance) کا آغاز ہو چکا ہے اور اس اقدام کے نتیجے میں اب یہ تحریک مسلّح تصادم (armed conflict) کے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ لہٰذا جب ایک دفعہ تلواریں تلواروں سے ٹکرا چکی ہیں تو تمہاری یہ تلواریں اب واپس نیاموں میں اُس وقت تک نہیں جائیں گی جب تک یہ کام مکمل نہ ہو جائے اور اس کام کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔ ''فتنہ'' کسی معاشرے کے اندر باطل کے غلبے کی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے اس معاشرے کے

لوگوں کے لیے ایمان پر قائم رہنا اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جنگ اب اس وقت تک جاری رہے گی جب تک باطل مکمل طور پر مغلوب اور اللہ کا دین پوری طرح سے غالب نہ ہو جائے۔ اللہ کے دین کا یہ غلبہ جزوی طور پر بھی قابل قبول نہیں بلکہ دین کل کا کل اللہ کے تابع ہونا چاہیے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹﴾ ''پھر اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ یقیناً اس کو دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰﴾ ''اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو (اے مسلمانو!) تم یہ جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ (حمایتی) ہے۔ کیا ہی خوب ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی خوب ہے وہ مددگار!''

آیات ۴۱ تا ۴۴

الجزء العاشر (۱۰)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴ ع

آیت ۴۱ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ ''اور جان لو کہ جو بھی غنیمت تمہیں حاصل ہوئی ہے اُس کا خُمس (پانچواں حصہ) تو اللہ کے لیے، رسولؐ کے لیے اور (رسولؐ کے) قرابت داروں کے لیے ہے''

اس آیت میں مالِ غنیمت کا حکم بیان ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ بعثت کے بعد سے رسول اللہ ﷺ کا ذریعہ معاش کوئی نہیں تھا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہ ؓ نے اپنی ساری دولت ہر قسم کے تصرف کے لیے آپ ﷺ کو پیش کر دی تھی۔ جب تک آپ ﷺ مکہ میں رہے، کسی نہ کسی طرح اسی سرمائے سے آپؐ کے ذاتی اخراجات چلتے رہے، لیکن ہجرت کے بعد اس سلسلے میں کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ کے قرابت دار اور اہل وعیال بھی تھے جن کی کفالت آپؐ کے ذمہ تھی۔ ان سب اخراجات کے لیے ضروری تھا کہ کوئی معقول اور مستقل انتظام کر

دیا جائے۔ چنانچہ غنائم میں سے پانچواں حصہ مستقل طور پر بیت المال کو دے دیا گیا اور آپؐ کے ذاتی اخراجات‘ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا نان نفقہ اور آپؐ کے قرابت داروں کی کفالت بیت المال کے ذمہ طے پائی۔

﴿وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ ”اور (اس میں حصہ ہوگا) یتیموں‘ مسکینوں اور مسافروں کے لیے (بھی)“

اسی پانچویں حصے میں سے معاشرے کے محروم افراد کی مدد بھی کی جائے گی۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ ”اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اُس شے پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے کے دن‘ جس دن دو فوجوں کا ٹکراؤ ہوا تھا۔“

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱﴾ ”اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“

فیصلے (غزوۂ بدر) کے دن جو شے خصوصی طور پر نازل کی گئی وہ غیبی امداد اور نصرتِ الٰہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہاری مدد کے لیے فرشتے آئیں گے۔ وہ فرشتے اگرچہ کسی کو نظر تو نہیں آتے تھے‘ لیکن جیسے تم لوگ بہت سی دوسری چیزوں پر ایمان بالغیب رکھتے ہو‘ اللہ پر اور اُس کی وحی پر ایمان رکھتے ہو‘ جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے پر ایمان رکھتے ہو اور اس قرآن کے منزّل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہو‘ اسی طرح تمہارا یہ ایمان بھی ہونا چاہیے کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا جو اس نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی مدد کے سلسلے میں کیا تھا اور یہ کہ تمہاری یہ فتح اللہ کی مدد سے ہی ممکن ہوئی ہے۔ اگر تم لوگوں کا اس حقیقت پر یقینِ کامل ہے تو پھر اللہ کا یہ فیصلہ بھی دل کی آمادگی اور خوشی سے قبول کر لو کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ‘ اس کے رسولؐ اور بیت المال کا ہوگا۔

اس حکم کے نازل ہونے کے بعد تمام مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیا گیا اور اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے۔ اس میں سے ہر اُس شخص کو برابر کا حصہ ملا جو لشکر میں جنگ کے لیے شامل تھا‘ قطع نظر اس کے کہ کسی نے عملی طور پر قتال کیا تھا یا نہیں کیا تھا اور قطع نظر اس کے کہ کسی نے بہت سا مالِ غنیمت جمع کیا تھا یا کسی نے کچھ بھی جمع نہیں کیا تھا۔ البتہ اس تقسیم میں سوار کے دو حصے رکھے گئے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اس لیے کہ سواریوں کے جانور مہیّا کرنے اور اُن جانوروں پر اٹھنے والے اخراجات متعلقہ افراد ذاتی طور پر برداشت کرتے تھے۔

آیت ۴۲ ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى﴾ ”جب تم لوگ تھے قریب والے کنارے پر اور وہ لوگ تھے دُور والے کنارے پر“

وادیٔ بدر دونوں اطراف سے تنگ ہے جب کہ درمیان میں میدان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس وادی کا ایک تنگ کنارہ شمال کی طرف ہے جہاں سے شام کی طرف راستہ نکلتا ہے اور دوسرا کنارہ جنوب کی طرف ہے جہاں سے مکہ کو راستہ جاتا ہے۔ وادی میں سے ایک راستہ مشرق کی سمت بھی نکلتا ہے جو مدینہ کی طرف جاتا ہے۔ لہٰذا پرانے زمانے میں حاجیوں کے زیادہ تر قافلے وادیٔ بدر سے ہی گزرتے تھے۔ اب نئی موٹر وے ”طریق

الھجرۃ'' بن جانے سے لوگوں کو ان مقامات سے گزرنے کا موقع نہیں ملتا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا ظہور ہوا کہ دونوں لشکر وادیٔ بدر میں ایک ساتھ پہنچے۔ یہاں اسی کا ذکر ہے کہ جب قریش کا لشکر وادی کے دور والے (جنوبی) کنارے پر آ پہنچا اور مشرق کی جانب سے حضور ﷺ اپنا لشکر لے کر اس کنارے پر پہنچ گئے جو مدینہ سے قریب تھا۔

﴿وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ﴾ ''اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔''

قریش کا تجارتی قافلہ اس وقت نیچے ساحل سمندر کی طرف سے ہو کر گزر رہا تھا۔ ابوسفیان نے ایک طرف تو قافلے کی حفاظت کے لیے مکہ والوں کو پیغام بھیج دیا تھا اور دوسری طرف اصل راستے کو چھوڑ دیا تھا جو وادیٔ بدر سے ہو کر گزرتا تھا اور اب یہ قافلہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ بدر کے پہاڑی سلسلے سے آگے تہامہ کا میدان ہے جو ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور قافلہ اس وقت اس میدان کی بھی آخری حدود پر سمندر کی جانب تھا۔ اس لیے فرمایا گیا کہ قافلہ تم سے نچلی سطح پر تھا۔

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ﴾ ''اور اگر تم لوگ آپس میں میعاد ٹھہرا کر نکلتے تو بھی وقتِ مقرّرہ (پر پہنچنے) میں تم ضرور مختلف ہو جاتے''

یعنی یہ تو اللہ کی مشیت کے تحت دونوں لشکر ٹھیک ایک ہی وقت پر وادی کے دونوں کناروں پر پہنچے تھے۔ اگر آپ لوگوں نے مقامِ معیّن پر پہنچنے کے لیے آپس میں کوئی وقت مقرر کیا ہوتا تو اس میں ضرور تقدیم و تاخیر ہو جاتی، لیکن ہم نے دونوں لشکروں کو عین وقت پر ایک ساتھ آمنے سامنے لا کھڑا کیا' کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ یہ ٹکراؤ ہو جائے اور اہلِ مکہ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس کے ساتھ ہے۔

﴿وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ﴾ ''لیکن (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ فیصلہ کر دے اس کام کا جو ہونے ہی والا تھا''

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ ''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ ہلاک ہو بات واضح ہو جانے کے بعد''

یعنی حق کے واضح ہو جانے میں کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ اہلِ مکہ میں سے اُن عوام کے لیے بھی حق کو پہچاننے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے جنہیں اب تک سرداروں نے گمراہ کر رکھا تھا۔ اگر اب بھی کسی کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور وہ ہلاکت کے راستے پر ہی گامزن رہنے کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اس کی مرضی' مگر ہم چاہتے ہیں کہ اگر ایسے لوگوں کو ہلاک ہی ہونا ہے تو ان میں سے ہر فرد حق کے پوری طرح واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو۔

﴿وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور جسے زندہ رہنا ہے وہ زندہ رہے واضح دلیل کی بنا پر۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

جو سیدھے راستے پر آنا چاہتا ہے وہ بھی اس بَیِّنَہ کی بنا پر سیدھے راستے پر آ جائے اور حیاتِ معنوی حاصل کر لے۔

آیت ۴۳ ﴿اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا ؕ﴾ ’’جب اللہ آپ کو دکھا رہا تھا (اے نبی ﷺ) انہیں آپ کی نیند میں کم تعداد میں‘‘

رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ قریش کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے‘ بس تھوڑے سے لوگ ہیں جو بدر کی طرف جنگ کے لیے آرہے ہیں‘ حالانکہ وہ ایک ہزار افراد پر مشتمل بہت بڑا لشکر تھا۔

﴿وَلَوۡ اَرٰىکَهُمۡ کَثِیۡرًا﴾ ’’اور اگر آپ کو دکھاتا کہ وہ کثیر تعداد میں ہیں‘‘

اور آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو وہ خبر جوں کی توں بتائی ہوتی:

﴿لَّفَشِلۡتُمۡ وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ ’’(تو اے مسلمانو!) تم ضرور کمزوری دکھاتے اور معاملے میں اختلاف کرتے‘‘

دشمن کی اصل تعداد اور طاقت کے بارے میں جان کر آپ لوگ پست ہمت ہو جاتے اور اختلاف میں پڑ جاتے کہ ہمیں بدر میں جا کر اس لشکر کا مقابلہ کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔ اس طرح آراء میں اختلاف کی بنا پر بھی تمہاری جمعیت میں کمزوری آجاتی۔

﴿وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾﴾ ’’لیکن اللہ نے سلامتی پیدا فرما دی۔ یقیناً وہ واقف ہے اس سے جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے جو خواب دیکھا وہ تو غلط نہیں ہو سکتا تھا‘ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں۔ اس لیے مفسّرین نے اس نکتے کی توجیہہ اس طرح کی ہے کہ آپ ﷺ کو لشکرِ کفار کی معنوی حقیقت دکھائی گئی تھی۔ یعنی کسی چیز کی ایک کمیت (quantitative value) ہوتی ہے اور ایک اس کی کیفیت اور اس کی اصل حقیقت ہوتی ہے۔ کمیت کے پہلو سے دیکھا جائے تو لشکرِ کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ مسلمانوں سے تین گنا تھے‘ مگر اس لشکر کی اندرونی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ درحقیقت مکہ کے عوام الناس کی اکثریت حضور ﷺ کو اپنے معاشرے کا بہترین انسان سمجھتی تھی۔ ان کی سوچ کے مطابق آپؐ کے تمام ساتھی بھی مکہ کے بہترین لوگ تھے۔ مکہ کا عام آدمی دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتا تھا کہ محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے‘ بلکہ یہ لوگ ایک خدا کو ماننے والے‘ نیکیوں کا حکم دینے والے اور شریف لوگ ہیں۔ چنانچہ مکہ کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ ایسے تمام لوگ اپنے سرداروں اور لیڈروں کے حکم کی تعمیل میں لشکر میں شامل تو ہو گئے تھے‘ مگر اُن کے دل اپنے لیڈروں کے ساتھ نہیں تھے۔ جنگ میں دراصل جان کی بازی لگانے کا جذبہ ہی انسان کو بہادر اور طاقتور بناتا ہے اور یہ جذبہ نظریے کی سچائی اور نظریاتی پختگی سے پیدا ہوتا ہے۔ قریش کے اس لشکر میں کسی ایسے حقیقی جذبے کا سرے سے فقدان تھا۔ لہٰذا تعداد میں اگرچہ وہ لوگ زیادہ تھے مگر معنوی طور پر اُن کی جو کیفیت اور اصل حقیقت تھی اس لحاظ سے وہ بہت کم تھے اور حضور ﷺ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اصل حقیقت دکھائی تھی۔

آیت ۴۴ ﴿وَاِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ﴾ ’’اور جب تم

آمنے سامنے ہوئے تو تمہاری نظروں میں انہیں (کفار کو) تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور ان کی نظروں میں تمہیں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا"

جب دونوں لشکر مقابلے کے لیے آمنے سامنے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ مسلمانوں کو بھی دیکھنے میں کفار تھوڑے لگ رہے تھے اور کفار کو بھی مسلمان تھوڑے نظر آرہے تھے۔ ایسی صورتِ حال اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا فرما دی تاکہ یہ جنگ ڈٹ کر ہو۔ اس لیے کہ وہ اس دن کو "یوم الفرقان" بنانا چاہتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ کوئی فریق بھی میدان سے کنی کترائے۔

﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾﴾ "تاکہ اللہ پورا کر دے اُس معاملے کو جو ہونے والا ہی تھا۔ اور تمام معاملات (بالآخر تو) اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔"

آیات ۴۵ تا ۴۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

آیت ۴۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾ "اے اہلِ ایمان! جب بھی تمہارا مقابلہ ہو کسی گروہ سے تو ثابت قدم رہو"

یہ وہ دور تھا جب حق و باطل میں مسلّح تصادم شروع ہو چکا تھا اور دین کے غلبے کی جدّوجہد آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ غزوۂ بدر اس سلسلے کی پہلی جنگ تھی اور ابھی بہت سی مزید جنگیں لڑی جانی تھیں۔ اس پس منظر میں مسلمانوں کو میدانِ جنگ اور جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں ضروری ہدایات دی جارہی ہیں کہ جب بھی کسی فوج سے میدانِ جنگ میں تمہارا مقابلہ ہو تو تم ثابت قدم رہو اور کبھی بھی کسی بھی حالت میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ "اور اللہ کا ذکر کرتے رہو کثرت کے ساتھ تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

حالتِ جنگ میں بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، کیونکہ تمہاری اصل طاقت کا انحصار اللہ کی مدد پر ہے۔ لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ۱۲۷)، کیونکہ ایک بندۂ مؤمن کا صبر اللہ کے بھروسے پر ہی ہوتا ہے۔ اگر تمہارے دل اللہ کی یاد سے منور ہوں گے، اس کے ساتھ قلبی اور روحانی تعلق استوار

ہو گا‘ تو تمہیں ثابت قدم رہنے کے لیے سہارا ملے گا‘ اور اگر اللہ کے ساتھ تمہارا یہ تعلق کمزور پڑ گیا تو پھر تمہاری ہمت بھی جواب دے دے گی۔

آیت ۴۶ ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾ ”اور حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسول (ﷺ) کا“

یہ تیسرا حکم ڈسپلن کے بارے میں ہے کہ جو حکم تمہیں رسول ﷺ کی طرف سے ملے اس کی دل و جان سے پابندی کرو۔ اگرچہ یہاں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی بات ہوئی ہے لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو عملی طور پر یہ اطاعت رسول اللہ ﷺ ہی کی تھی‘ کیونکہ جو حکم بھی آتا تھا وہ آپ ﷺ ہی کی طرف سے آتا تھا۔ قرآن بھی حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا اور اگر آپؐ اپنی کسی تدبیر سے اجتہاد کے تحت کوئی فیصلہ فرماتے یا کوئی رائے ظاہر فرماتے تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا۔ لہٰذا عملاً اللہ کی اطاعت آپ ﷺ ہی کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اقبال نے اس نکتے کو بہت خوبصورتی سے اس ایک مصرعے میں سمو دیا ہے: ؏ ”بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!“

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۴۶﴾ ”اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی‘ اور ثابت قدم رہو۔ یقیناً اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔“

یہ وہی الفاظ ہیں جو ہم سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۵۲ میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں غزوۂ احد کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾ اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ ایک سال بعد (غزوۂ اُحد میں) کیا صورتِ حال پیش آنے والی ہے۔ چنانچہ ایک سال پہلے ہی مسلمانوں کو جنگی حکمت عملی کے بارے میں بہت واضح ہدایات دی جا رہی ہیں‘ کہ ڈسپلن کی پابندی کرو اور اطاعت رسول ﷺ پر کاربند رہو۔

آیت ۴۷ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ﴾ ”اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے‘ لوگوں کو دکھانے کے لیے“

یہ قریش کے لشکر کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو اُس کی شان و شوکت واقعی مرعوب کن تھی۔ اس کے ساتھ عیش و طرب کا سامان بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابو جہل اور دیگر سردارانِ قریش اپنے غرور اور تکبر کے باعث اس زعم میں تھے کہ مٹھی بھر مسلمان ہمارے اس طاقتور لشکر کے سامنے خس و خاشاک ثابت ہوں گے اور ہم انہیں کچل کر رکھ دیں گے۔

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۴۷﴾ ”اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔“

وہ اپنی ساری کوششیں اور توانائیاں مخلوقِ خدا کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے تھے‘ مگر اُن کی کوئی تدبیر اللہ کے قابو سے باہر جانے والی تو نہیں تھی۔

آیت ۴۸ ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ ’’اور جب شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزیّن کر دیا تھا اور اُس نے (ان سے) کہا تھا کہ آج تم پر انسانوں میں سے کوئی غالب نہیں آ سکتا‘‘

یعنی ان کے دلوں میں شیطان نے متکبرانہ خیالات پیدا کر دیے تھے اور انہیں خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ تمہارا یہ ساز و سامان‘ یہ اسلحہ‘ یہ اتنا بڑا لشکر‘ یہ سب کچھ غیر معمولی اور انہونی صورتِ حال ہے۔عرب کی تاریخ میں اس طرح کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔کس میں ہمت ہے کہ آج اس لشکر کے سامنے ٹھہر سکے اور کس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ آج تمہارے اوپر غلبہ پا سکے؟

﴿وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ﴾ ’’اور میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔‘‘

﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ ’’پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے پھر گیا‘‘

﴿وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ﴾ ’’اور کہنے لگا کہ میں تم سے لاتعلق ہوں‘ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو‘‘

چونکہ ابلیس (عزازیل) کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے‘ لہٰذا ناری مخلوق ہونے کی وجہ سے اُس نے فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھ لیا اور یہ کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تو یہاں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگوں کو نظر نہیں آ رہا ہے۔

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۸﴾ ’’مجھے اللہ کا خوف ہے۔اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔‘‘

آیات ۴۹ تا ۵۸

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۱ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۵۳ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۵۴ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ
قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع

آیت ۴۹ ﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ’’جب کہہ رہے تھے منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا‘‘

ابھی تک ایک طرف کے حالات کا نقشہ پیش کیا جا رہا تھا۔ یعنی لشکرِ قریش کی مکہ سے روانگی‘ اس لشکر کی کیفیت‘ ان کے سرداروں کے متکبرانہ خیالات‘ شیطان کا ان کی پیٹھ ٹھونکنا اور پھر عین وقت پر بھاگ کھڑے ہونا۔ اب اس آیت میں مدینہ کے حالات پر تبصرہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے لشکر لے کر نکلے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین کیا کیا باتیں بنا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے:

﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ﴾ ’’اِن (مسلمانوں) کو تو ان کے دین نے بالکل دھوکے میں ڈال دیا ہے‘‘

یعنی ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو قریش کے اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنے چل پڑے ہیں۔ ہم تو پہلے ہی ان کو سُفَھَاء (احمق) سمجھتے تھے‘ مگر اب تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دین کے پیچھے بالکل ہی پاگل ہو گئے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾﴾ ’’اور (انہیں کیا پتا کہ) جو کوئی توکّل کرتا ہے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے‘ حکمت والا ہے۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ’’اور کاش تم دیکھ سکتے جب قبض کرتے ہیں فرشتے ان کافروں کی جانوں کو‘‘

﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾﴾ ’’ضربیں لگاتے ہوئے اُن کے چہروں اور اُن کی پیٹھوں پر‘ اور (کہتے ہیں کہ اب) چکھو جلنے کا عذاب۔‘‘

آیت ۵۱ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾﴾ ’’یہ وہ کچھ ہے جو تمہارے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ تو ہرگز اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ’’(ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا) جیسے کہ معاملہ ہوا آلِ فرعون کا اور اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے۔‘‘

آلِ فرعون سے پہلے قومِ شعیبؑ تھی‘ قومِ شعیبؑ سے پہلے قومِ لوطؑ‘ اُن سے پہلے قومِ ثمود‘ اُن سے پہلے قومِ عاد اور اُن سے پہلے قومِ نوحؑ۔ ان ساری قوموں کے انجام کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں۔

﴿كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ ’’انہوں نے اللہ کی آیات کا کفر کیا‘ تو اللہ نے

انہیں پکڑ لیا اُن کے گناہوں کی پاداش میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ قوی ہے اور سزا دینے میں سخت ہے۔''

آیت ۵۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کوئی نعمت جو اُس نے کسی قوم کو دی ہو اُس میں تغیّر کرے جب تک کہ وہ قوم اپنی اندرونی کیفیت کو متغیّر نہ کر دے''

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنا پیغمبر مبعوث کیا' جس نے اللہ کی توحید اور اس کے احکام کے مطابق اس قوم کو دعوت دی۔ پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا' اُن پر اپنے انعامات و احسانات کی بارشیں کیں۔ پھر اپنے پیغمبر کے بعد ان لوگوں نے آہستہ آہستہ کفر و ضلالت کی روش اختیار کی اور توحید کی شاہراہ کو چھوڑ کر شرک کی پگڈنڈیاں اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نے بھی اُن سے مُنہ موڑ لیا' انعامات کی جگہ اللہ کے عذاب نے لے لی اور یوں وہ قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار ہونے والے مؤمنین کی نسل سے ایک قوم وجود میں آئی۔ جب وہ قوم گمراہ ہوئی تو حضرت ہود علیہ السلام کو اُن کی طرف بھیجا گیا۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی نسل سے ایک قوم نے جنم لیا اور پھر جب وہ لوگ گمراہ ہوئے تو اُن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ گویا ہر قوم اسی طرح وجود میں آئی' مگر اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے اپنی نعمت اُس وقت تک سلب نہیں کی جب تک کہ خود انہوں نے ہدایت کی راہ کو چھوڑ کر گمراہی اختیار نہیں کی۔ یہ مضمون بعد میں سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی آئے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس مضمون کو ایک خوبصورت شعر میں اس طرح ڈھالا ہے: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

اس فلسفے کے مطابق جب کوئی قوم محنت کو اپنا شعار بنا لیتی ہے تو اس کے ظاہری حالات میں مثبت تبدیلی آتی ہے اور یوں اس کی تقدیر بدلتی ہے۔ صرف خوش فہمیوں (wishful thinkings) اور دعاؤں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلا کرتیں' اور قوم چونکہ افراد کا مجموعہ ہوتی ہے' اس لیے تبدیلی کا آغاز افراد سے ہوتا ہے۔ پہلے چند افراد کی قلبِ ماہیت ہوتی ہے اور اُن کی سوچ' اُن کے نظریات' اُن کے خیالات' اُن کے مقاصد' اُن کی دلچسپیاں اور اُن کی امنگیں تبدیل ہوتی ہیں۔ جب ایسے پاک باطن لوگوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی ہے اور وہ لوگ ایک طاقت اور قوت کے طور پر خود کو منظّم کر کے باطل کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو طاغوتی طوفان اپنا رُخ بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یوں اہلِ حق کی قربانیوں سے نظام بدلتا ہے' معاشرہ پھر سے راہِ حق پر گامزن ہوتا ہے اور انقلاب کی سحرِ پُرنور طلوع ہوتی ہے۔ لیکن یاد رکھیں اِس انقلاب کے لیے فکری و عملی بنیاد اور اس کٹھن سفر میں زادِ راہ کی فراہمی صرف اور صرف قرآنی تعلیمات سے ممکن ہے۔ اسی سے انسان کے اندر کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔ اسی اکسیر سے اُس کی قلب ماہیت ہوتی ہے اور پھر مٹی کا یہ انبار یکا یک شمشیرِ بے زنہار کا روپ دھار لیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس لطیف نکتے کی وضاحت اس طرح کی ہے: ؎

چوں بجاں در رفت جاں دِیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یعنی جب یہ قرآن کسی انسان کے دل کے اندر اتر جاتا ہے تو اس کے دل اور اس کی روح کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اور ایک بندۂ مؤمن کے اندر کا یہی انقلاب بالآخر عالمی انقلاب کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۵۴ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''جیسا کہ معاملہ ہوا آلِ فرعون کا اور جو اُن سے پہلے تھے۔''

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا اُن کے گناہوں کی پاداش میں''

﴿وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''اور آلِ فرعون کو ہم نے غرق کر دیا' اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔''

آیت ۵۵ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''یقیناً بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک یہی لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔''

یہی بات اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹ میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ یہ لوگ انسان نظر آتے ہیں' حقیقت میں انسان نہیں ہیں: ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ﴾ یعنی حقیقت میں وہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان ہی لوگوں کو یہاں ''شَرَّ الدَّوَآبِّ'' کہا گیا ہے' کہ یہی وہ حیوان نما انسان ہیں جو تمام جانوروں سے برے ہیں۔ جو عقل' شعور اور ایمان کی نعمتوں کے مقابلے میں کفر کی روش اختیار کر کے دنیا کی لذتوں پر ریجھ گئے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''وہ لوگ جن سے (اے نبی ﷺ) آپ نے معاہدہ کیا تھا' پھر وہ ہر مرتبہ اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ (اس بارے میں) ڈرتے نہیں ہیں۔''

یہ اشارہ یہودِ مدینہ کی طرف ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے آتے ہی یہودیوں سے مذاکرات شروع کیے اور نتیجتاً مدینہ کے تینوں یہودی قبائل سے شہر کے مشترکہ دفاع کا معاہدہ کر لیا۔ پروفیسر منٹگمری واٹ (۱۹۰۹ء تا ۲۰۰۶ء) نے اس معاہدے کو آپ ﷺ کا ایک بہت بڑا مدبرانہ کارنامہ قرار دیا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں آپؐ کی معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ظاہری طور پر اگرچہ یہودی اس معاہدے کے پابند تھے مگر خفیہ طور پر مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے بھی باز

نہیں آتے تھے۔ انہوں نے ہر مشکل مرحلے پر اس معاہدے کا پاس نہ کرتے ہوئے آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کی، حتیٰ کہ غزوۂ احزاب کے انتہائی نازک موقع پر قریش کو خفیہ طور پر پیغامات بھجوائے کہ آپ لوگ باہر سے شہر پر حملہ کر دیں، ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔

آیت ۵۷ ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ ''تو اگر آپؐ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی خوف زدہ کر دیں، تا کہ وہ عبرت حاصل کریں۔''

یہ یہودی آپ لوگوں کے خلاف کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر سازشیں تو ہر وقت کرتے ہی رہتے ہیں، لیکن اگر ان میں سے کچھ لوگ میدانِ جنگ میں بھی پکڑے جائیں کہ وہ قریش کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو ایسی عبرت ناک سزا دو کہ قریشِ مکہ جو پیچھے بیٹھ کر ان کی ڈوریں ہلا رہے ہیں اور ان سازشوں کی منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں اُن کے ہوش بھی ٹھکانے آ جائیں۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ﴾ ''اور اگر آپؐ کو اندیشہ ہو جائے کسی قوم کی طرف سے بدعہدی کا تو پھینک دیجیے (ان کا معاہدہ) ان کی طرف کھلم کھلا۔''

پچھلی آیات میں انفرادی فعل کے طور پر معاہدے کی خلاف ورزی کا ذکر تھا۔ مثلاً کسی قبیلے کا کوئی فرد اس طرح کی کسی سازش میں ملوث پایا جائے تو ممکن ہے ایسی صورت میں اس کے قبیلے کے لوگ یا سردار اس سے بریٔ الذمہ ہو جائیں کہ یہ اس شخص کا ذاتی اور انفرادی فعل ہے اور اجتماعی طور پر ہمارا قبیلہ بدستور معاہدے کا پابند ہے۔ لیکن اس آیت میں قومی سطح پر اس مسئلے کا حل بتایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ کو کسی قوم یا قبیلے کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں آپ ان کے معاہدے کو علی الاعلان منسوخ (abrogate) کر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اخلاق کے جس معیار پر دیکھنا چاہتا ہے اس میں یہ ممکن نہیں کہ بظاہر معاہدہ بھی قائم رہے اور اندرونی طور پر ان کے خلاف اقدام کی منصوبہ بندی بھی ہوتی رہے، بلکہ ایسی صورت میں آپ ﷺ کھلم کھلا یہ اعلان کر دیں کہ آج سے میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔

مولانا مودودیؒ نے ۱۹۴۸ء میں جہادِ کشمیر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اسی قرآنی حکم کی روشنی میں کیا تھا، کہ ہندوستان کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات کے ہوتے ہوئے یہ اقدام قرآن اور شریعت کی رو سے غلط ہے اور اسلام کے نام پر بننے والی مملکت کی حکومت کو ایسی پالیسی زیب نہیں دیتی۔ پاکستان کو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی پالیسی کا کھلم کھلا اعلان کرنا چاہیے۔ میز کے اوپر باہمی تعاون کے معاہدے کرنا، دوستی کے ہاتھ بڑھانا اور میز کے نیچے سے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنا دنیا داروں کا وطیرہ تو ہو سکتا ہے اہلِ ایمان کا طریقہ نہیں۔ مولانا مودودیؒ کی یہ رائے اگرچہ اس آیت کے عین مطابق تھی مگر اُس وقت اُن کی اس رائے کے خلاف عوام میں خاصا اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیات ۵۹ تا ۶۶

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْاؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ۝۵۹ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝۶۰ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝۶۱ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ۝۶۲ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۝۶۳ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۶۴ ع ۸ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۝۶۵ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝۶۶

آیت ۵۹ ﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْاؕ﴾ ''اور نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہ وہ بچ نکلے ہیں۔''

غزوۂ بدر میں کفار کے ایک ہزار افراد میں سے بہت سے لوگ صحیح سلامت بچ بھی نکلے تھے۔ یہ اُن کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے ہیں۔

﴿اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ۝۵۹﴾ ''وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکیں گے۔''

وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکیں گے۔

آیت ۶۰ ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ﴾ ''اور تیار رکھو اُن کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے''

یہاں مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ اب جبکہ تمہاری تحریک تصادم کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے تو تم لوگ اپنے وسائل کے مطابق' مقدور بھر فن حرب کی صلاحیت و اہلیت' اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ جہاد کے لیے تیار رکھو۔ اگرچہ ایک مؤمن کو اللہ کی نصرت پر توکّل کرنا چاہیے' مگر توکّل کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور امید رکھے کہ سب کچھ اللہ کی مدد سے ہی ہو جائے گا۔ بلکہ توکل یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے

مطابق اپنے تمام ممکنہ مادی اور تکنیکی وسائل مہیا رکھے جائیں اور پھر اللہ کی نصرت پر توکل کیا جائے۔

یہاں مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف بھرپور دفاعی صلاحیت حاصل کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تیاری کا یہ حکم ہر دور کے لیے ہے۔ آج اگر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے نوازا ہے تو یہ صلاحیت ملک وقوم کی قوت وطاقت کی علامت بھی ہے اور تمام عالم اسلام کی طرف سے پاکستان کے پاس ایک امانت بھی۔ اگر اس سلسلے میں کسی دباؤ کے تحت' کسی بھی قسم کا کوئی سمجھوتہ (compromise) کیا گیا تو یہ اللہ' اس کے دین اور تمام عالمِ اسلام سے ایک طرح کی خیانت ہوگی۔ لہٰذا آج وقت کی یہ اہم ضرورت ہے کہ پاکستانی قوم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہتے ہوئے اس سلسلے میں جرأت مندانہ پالیسی اپنائے' تاکہ اس کے دشمنوں کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی صورت میں قوتِ مزاحمت کا توازن (deterrence) قائم رہے۔

﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ''(تاکہ) تم اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو''

﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ﴾ ''اور کچھ دوسروں کو (بھی) جوان کے علاوہ ہیں' تم انہیں نہیں جانتے' اللہ انہیں جانتا ہے۔''

یعنی تمہاری آستینوں کے سانپ منافقین جو در پردہ تمہاری تباہی اور بربادی کے درپے رہتے ہیں۔ تمہاری نظروں سے تو وہ چھپے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰﴾ ''اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب پورا پورا تمہیں دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

یعنی اگر اسلحہ خریدنا ہے' ساز وسامان فراہم کرنا ہے' گھوڑے تیار کرنے ہیں تو اس سب کچھ کے لیے اخراجات تو ہوں گے۔ لہٰذا جنگی تیاری کے ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بھی آ گیا' اس ضمانت کے ساتھ کہ جو کوئی جتنا بھی اس سلسلے میں اللہ کے رستے میں خرچ کرے گا اس کو وعدے کے مطابق پورا پورا اجر دیا جائے گا اور کسی کی ذرّہ برابر بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ یہاں انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۶ اور ۳۷ میں دیے گئے اَحکام کو ذہن میں دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اب تمہاری تحریک کا وہ مرحلہ شروع ہو چکا ہے جہاں تمہارا جنگ کے لیے ممکن حد تک تیاری کرنا اور کیل کانٹے سے لیس ہونا ناگزیر ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب آگے بڑھو اور اس عظیم مقصد کے لیے دل کھول کر خرچ کرو۔ اللہ تمہیں ایک کے بدلے سات سو تک دینے کا وعدہ کر چکا ہے' بلکہ یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ جذبۂ ایثار وخلوص جس قدر زیادہ ہوگا یہ اجر وثواب اسی قدر بڑھتا چلا جائے گا۔ لہٰذا اپنا مال سینت سینت کر رکھنے کے بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو' تاکہ دنیا میں اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کام آ جائے اور آخرت میں تمہاری فلاح کا ضامن بن جائے۔

آیت ۶۱ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر وہ اپنے بازو جھکا دیں امن کے لیے تو آپ بھی جھک جائیں اس کے لیے''

اگر مخالف فریق صلح پر آمادہ نظر آئے تو آپ ﷺ بھی امن کی خاطر مناسب شرائط پر اُن سے صلح کر لیں۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱﴾ ''اور اللہ پر توکل کیجیے' یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

یعنی آپؐ اُن کی منفی چالوں سے فکر مند نہ ہوں' اللہ پر توکل رکھیں اور صلح کا جواب صلح سے ہی دیں۔

آیت ۶۲ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور اگر وہ ارادہ رکھتے ہوں آپؐ کو دھوکہ دینے کا' تب بھی (آپؐ گھبرائیے نہیں) آپؐ کے لیے اللہ کافی ہے۔''

گویا ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت دی جا رہی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲﴾ ''اور وہی تو ہے (اللہ) جس نے آپؐ کی مدد کی ہے اپنی نصرت سے اور اہلِ ایمان کے ذریعے سے۔''

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مدد اہلِ ایمان کے ذریعے سے کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے آپؐ کو ایسے مخلص اور جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم عطا کیے کہ جہاں آپؐ کا پسینہ گرا وہاں انہوں نے اپنے خون کی ندیاں بہا دیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی امداد کی شان اس وقت خوب نکھر کر سامنے آتی ہے جب ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا طرزِ عمل دیکھتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلو' تو انہوں نے صاف کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ (المائدۃ) ''تو جائیے آپؐ اور آپؐ کا رب دونوں جا کر لڑیں' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیزاری سے یہاں تک کہہ دیا تھا: ﴿رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۵﴾ ''اے میرے رب! میں تو اپنی جان اور اپنے بھائی کے علاوہ کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا' لہٰذا آپ ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان علیحدگی کر دیں۔''

ایک طرف یہ طرزِ عمل ہے جبکہ دوسری طرف نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اندازِ اخلاص اور جذبہ جاں نثاری ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے جب حضور ﷺ نے مقامِ صفراء پر صحابہؓ سے مشاورت کی (اور یہ بڑی کانٹے دار مشاورت تھی) تو کچھ لوگ مسلسل زور دے رہے تھے کہ ہمیں قافلے کی طرف چلنا چاہیے اور وہ اپنے اس موقف کے حق میں بڑی زوردار دلیلیں دے رہے تھے' مگر حضور ﷺ ہر بار فرما دیتے کہ کچھ اور لوگ بھی مشورہ دیں! اس پر مہاجرین میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر یہی بات کی تھی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلئے' آپؐ ہمیں حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح نہ سمجھئے' جنہوں نے کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾۔ ہم آپؐ کے ساتھی ہیں' آپؐ جو حکم دیں ہم حاضر ہیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اظہارِ خیال فرمایا' لیکن حضور ﷺ انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصار نے یہ وعدہ کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہوا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے' لیکن یہاں معاملہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا تھا' لہٰذا جنگ کا فیصلہ انصار کی

رائے معلوم کیے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی منشا کو بھانپ لیا' لہٰذا وہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ شاید آپؐ کا روئے سخن ہماری (انصار کی) طرف ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس پر انہوں نے کہا: لَقَدْ اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ ...... ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں' ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں' ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مان چکے ہیں اور آپؐ سے سمع وطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں' اب ہمارے پاس آپؐ کے حکم کی تعمیل کے علاوہ کوئی راستہ (option) نہیں ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اگر آپ اپنی سواری اس سمندر میں ڈال دیں گے تو ہم بھی آپ کے پیچھے اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اور خدا کی قسم' اگر آپؐ ہمیں کہیں گے تو ہم برک الغماد (یمن کا شہر) تک جا پہنچیں گے' چاہے اس میں ہماری اونٹنیاں لاغر ہو جائیں۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپؐ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا ٹکرائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے' مقابلہ میں سچی جاں نثاری دکھائیں گے' اور بعید نہیں کہ اللہ آپؐ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپؐ ہمیں لے چلیں! حضرت سعدؓ کی اس تقریر کے بعد حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور آپؐ نے بدر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ ایک جھلک ہے اس مدد کی جو اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے انتہائی سچے اور مخلص صحابہؓ کی صورت میں حضور ﷺ کے شامل حال تھی۔

آیت ۶۳ ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اور اِن (اہلِ ایمان) کے دلوں میں اُس نے الفت پیدا کر دی۔ اگر آپؐ زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو اِن کے دلوں میں یہ اُلفت پیدا نہیں کر سکتے تھے''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''لیکن یہ تو اللہ نے اُن کے مابین (ایسی) الفت پیدا کر دی۔''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضلِ خاص کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:
﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ﴾ ''اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی تو اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے' اور تم لوگ تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے جہاں سے اللہ نے تمہیں بچایا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۶۳﴾ ''یقیناً وہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۴ ﴿يٰٓاَيُّھَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۶۴﴾ ''اے نبی (ﷺ) آپ کے لیے کافی ہے اللہ اور وہ جو پیروی کر رہے ہیں آپ کی اہل ایمان میں سے۔''

اگر اس آیت کو پچھلی آیت کے ساتھ تسلسل سے پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ یہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ''اے نبی (ﷺ) اللہ کافی ہے آپ کے لیے بھی اور جو آپ کی پیروی کرنے والے مسلمان ہیں اُن کے لیے بھی''۔ عبارت کا انداز ایسا ہے کہ اس میں یہ دونوں مفاہیم آ گئے ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ﴾ ''اے نبی (ﷺ) ترغیب دلایئے اہلِ ایمان کو قتال کی۔''

ہجرت کے بعد ۹ سال تک قتال کے لیے ترغیب' تشویق اور تحریص کے ذریعے ہی زور دیا گیا۔ یہ تحریص گاڑھی ہو کر ''تحریض'' بن گئی۔ اس دور میں مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی' اِن سے بلند درجات کا وعدہ کیا گیا (النساء: ۹۵) مگر قتال کو ہر ایک کے لیے فرضِ عین قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد کے لیے نکلنا تمام اہل ایمان پر فرض کر دیا گیا۔ اس وقت تمام اہلِ ایمان کے لیے نفیرِ عام تھی اور کسی کو بلا عذر پیچھے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

﴿اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ﴾ ''اگر تم میں سے بیس افراد ہوں گے صبر کرنے والے (ثابت قدم) تو وہ دو سو افراد پر غالب آ جائیں گے''

﴿وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور اگر ہوں گے تم میں سے سو افراد تو وہ غالب آ جائیں گے کفار کے ایک ہزار افراد پر''

﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝۶۵﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

یہاں سمجھ نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ انہیں اپنے موقف کی سچائی کا یقین نہیں ہے۔ ایک طرف وہ شخص ہے جسے اپنے نظریے اور موقف کی حقانیت پر پختہ یقین ہے' اس کا ایمان ہے کہ وہ حق پر ہے اور حق کے لیے لڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جو نظریاتی طور پر ڈانواں ڈول ہے' کسی کا تنخواہ یافتہ ہے یا کسی کے حکم پر مجبور ہو کر لڑ رہا ہے۔ اب ان دونوں اشخاص کی کارکردگی میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا۔ چنانچہ کفار کو جنگ میں ثابت قدمی اور استقلال کی وہ کیفیت حاصل ہو ہی نہیں سکتی جو نظریے کی سچائی پر جان قربان کرنے کے جذبے سے پیدا ہوتی ہے۔ دونوں اطراف کے افراد کی نظریاتی کیفیت کے اسی فرق کی بنیاد پر کفار کے ایک سو افراد پر دس مسلمانوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔ اس کے بعد والی آیت اگرچہ زمانی لحاظ سے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی مگر مضمون کے تسلسل کے باعث یہاں شامل کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۶ ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ﴾ ''اب اللہ نے تم پر سے تخفیف کر دی ہے اور اللہ کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری آ گئی ہے۔''

یہ کس کمزوری کا ذکر ہے اور یہ کمزوری کیسے آئی؟ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ جہاں تک مہاجرین اور انصار میں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے جو سابقون الاوّلون میں سے تھے تو ان کے اندر (معاذ اللہ) کسی قسم کی بھی کوئی کمزوری نہیں تھی' لیکن جو لوگ نئے مسلمان ہو رہے تھے ان کی تربیت ابھی اس انداز میں نہیں ہو پائی تھی جیسے پرانے لوگوں کی ہوئی تھی۔ ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں کی مجموعی تعداد میں ایسے نئے لوگوں کا تناسب روز بروز بڑھ رہا تھا۔ مثلاً اگر پہلے ہزار لوگوں میں پچاس یا سو نئے لوگ ہوں تو اب ان کی تعداد خاصی زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ لہٰذا اوسط کے اعتبار سے مسلمانوں کی صفوں

میں پہلے کی نسبت اب کمزوری آ گئی تھی۔

﴿فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ﴾ ”پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے“

﴿وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ”اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اللہ کے حکم سے۔“

﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ”اور یقیناً اللہ صبر کرنے والوں (ثابت قدم رہنے والوں) کے ساتھ ہے۔“

آیات ۶۷ تا ۷۱

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۹﴾ ع ۵ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰی ۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾

آیت ۶۷ ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ”کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خوب خونریزی نہ کر دے۔“

یہ آیت غزوۂ بدر میں پکڑے جانے والے قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر میں قریش کے ستر لوگ قیدی بنے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشاورت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے اور فدیہ وغیرہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ خود حضور ﷺ چونکہ رؤف و رحیم اور رقیق القلب تھے اس لیے آپؐ کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اعتبار سے بہت سخت گیر تھے (اَشَدُّ هُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ)۔ آپؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ آزاد ہو کر پھر کفر کے لیے تقویت کا باعث بنیں گے اس لیے جب تک کفر کی کمر پوری طرح ٹوٹ نہیں جاتی ان کے ساتھ نرمی نہ کی جائے۔ آپؓ کا اصرار تھا کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے' بلکہ مہاجرین اپنے قریب ترین عزیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کریں۔ بعد میں ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ ہوا اور اس پر عمل درآمد بھی ہو گیا۔ اس فیصلے پر اس آیت کے ذریعے گرفت ہوئی کہ جب تک باطل کی کمر پوری طرح سے توڑ نہ دی جائے اُس وقت تک حملہ آور کفار کو جنگی قیدی

بنانا درست نہیں۔ انہیں قیدی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ رہیں گے' اور آج نہیں تو کل انہیں چھوڑنا ہی پڑے گا۔ لہٰذا وہ پھر سے باطل کی طاقت کا سبب بنیں گے اور پھر سے تمہارے خلاف لڑیں گے۔

﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﴾ ''تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو''

یہ فدیے کی طرف اشارہ ہے۔ اب نہ تو رسول اللہ ﷺ کی یہ نیت ہو سکتی تھی (معاذ اللہ) اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی' لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس کے ہاں جب اپنے مقرب بندوں کی گرفت ہوتی ہے تو الفاظ بظاہر بہت سخت استعمال کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الفاظ میں بھی ایک طرح کی سختی موجود ہے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات نہ حضور ﷺ کے لیے ہے اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے۔

﴿ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔ اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۸ ﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جو کچھ (فدیہ وغیرہ) تم نے لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا سخت عذاب آتا۔''

اس سے مراد سورۂ محمدؐ کا وہ حکم ہے (آیت ۴) جو بہت پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ سورۂ محمدؐ کے مطالعے کے دوران پڑھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعبیر (interpretation) میں کس طرح فدیہ لینے کی گنجائش نکالی تھی۔ یہ دراصل قانون کی تشریح و تعبیر کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزمر کی آیت ۱۸ میں ارشاد ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ﴾ یعنی وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر پیروی کرتے ہیں اُس میں سے بہترین کی اور اس کے اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قانون کی تعبیر میں بھی ایسے ہی ہوا۔ چونکہ مذکورہ حکم کے اندر یہ گنجائش یا رعایت موجود تھی اس لیے حضور ﷺ نے اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب اس کو اختیار فرمالیا۔ آیت زیر نظر کے اندر سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ سورۂ محمدؐ میں نازل شدہ حکم میں رعایت کی یہ گنجائش موجود تھی' اسی لیے تو اس حکم کا حوالہ دے کر فرمایا گیا کہ اگر وہ حکم پہلے نازل نہ ہو چکا ہوتا تو جو بھی تم نے فدیہ وغیرہ لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا عذاب آتا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے بعد روتے رہے ہیں۔ بہرحال اس فیصلے میں کسی صریح حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی اور جو بھی رائے اختیار کی گئی تھی وہ اجتہادی تھی اور آپ ﷺ نے اجتہاد کے ذریعے اس حکم میں سے نرمی اور رعایت کا ایک پہلو اختیار کر لیا تھا۔

آیت ۶۹ ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ﴾ ''تو اب کھاؤ جو کچھ تمہیں ملا ہے غنیمت میں سے (کہ وہ تمہارے لیے) حلال اور طیب (ہے)''

ایک مالِ غنیمت تو وہ تھا جو مسلمانوں کو عین حالتِ جنگ میں ملا تھا' اور دوسرے اس مال کو بھی غنیمت قرار دے کر بلا کراہت حلال اور جائز قرار دے دیا گیا جو قیدیوں سے بطور فدیہ حاصل کیا گیا تھا۔

﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀﴾ ’’اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ یقیناً اللہ بخشنے والا‘ رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

آیت ۷۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓي ۙ﴾ ’’اے نبی (ﷺ) کہہ دیجیے اُن لوگوں سے جو آپ کے قبضے میں قیدی ہیں‘‘

اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے پس منظر کے طور پر غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دو باتیں ذہن میں رکھیے۔ ایک تو ان قیدیوں میں بہت سے وہ لوگ بھی شامل تھے جو اپنی مرضی سے جنگ لڑنے نہیں آئے تھے۔ وہ اپنے سرداروں کے دباؤ یا بعض دوسری مصلحتوں کے تحت بادلِ نخواستہ جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ دوسری اہم بات اُن کے بارے میں یہ تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ بعض مسلمانوں کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔ خود نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچا حضرت عباس ؓ بن عبدالمطلب بھی ان قیدیوں میں شامل تھے۔ ان کے بارے میں گمانِ غالب یہی ہے کہ وہ ایمان تو لا چکے تھے مگر اس وقت تک انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان نہیں کیا تھا۔ روایات میں ہے کہ حضرت عباس ؓ جن رسیوں میں بندھے ہوئے تھے اُن کے بند بہت سخت تھے۔ وہ تکلیف کے باعث بار بار کراہتے تو حضور ﷺ اُن کی آواز سن کر بے چین ہو جاتے تھے‘ مگر قانون تو قانون ہے‘ لہٰذا آپ ﷺ نے اُن کے لیے کسی رعایت کی خواہش کا اظہار نہیں فرمایا۔ مگر جب اُن کی تکلیف طبیعت پر زیادہ گراں گزری تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی قید ہو کر آئے تھے اور جب آپؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب ؓ نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے اپنا ہار فدیے کے طور پر بھیجا‘ جو اُنؓ کو حضرت خدیجہ ؓ نے ان کی شادی کے موقع پر دیا تھا تو حضور ﷺ کے لیے بڑی رقت آمیز صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ آپ ﷺ نے جب وہ ہار دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزاری ہوئی ساری زندگی‘ آپؐ کی خدمت گزاری اور وفا شعاری کی یاد مجسّم ہو کر نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ اگر اجازت دیں تو یہ ہار واپس کر دیا جائے تاکہ ماں کی نشانی بیٹی کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ سب کی اجازت سے وہ ہار واپس بھجوا دیا گیا۔ یوں قیدیوں کے ساتھ اکثر مہاجرین کے خونی رشتے تھے‘ اس لیے کہ یہ سب لوگ ایک ہی خاندان اور ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

یہاں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ کے قبضے میں جو قیدی ہیں آپ ان سے کہہ دیجیے:

﴿اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ ’’اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے دے گا‘‘

یعنی تمہاری نیتوں کا معاملہ تمہارے اور اللہ کے مابین ہے‘ جبکہ برتاؤ تمہارے ساتھ خالصتاً قانون کے مطابق ہوگا۔ تم سب لوگ جنگ میں کفار کا ساتھ دینے کے لیے آئے تھے اور اب قانوناً جنگی قیدی ہو۔ جنگ میں کوئی اپنی خوشی سے آیا تھا یا مجبوراً‘ کوئی دل میں ایمان لے کر آیا تھا یا کفر کی حالت میں آیا تھا‘ ان سب باتوں کی حقیقت کو اللہ خوب جانتا ہے اور وہ دلوں کی نیتوں کے مطابق ہی تم سب کے ساتھ معاملہ کرے گا اور جس کے دل

میں خیر اور بھلائی پائے گا اس کو کہیں بہتر انداز میں وہ اس بھلائی کا صلہ دے گا۔

﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ”اور تمہیں بخش دے گا‘ اور اللہ بخشنے والا‘ بہت رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۷۱ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور اگر یہ لوگ آپ (ﷺ) سے خیانت کرنا چاہیں تو اس سے پہلے یہ اللہ سے بھی خیانت کرتے رہے ہیں“

﴿فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ ”تو اللہ نے اُن کو پکڑوا دیا۔ اور اللہ جاننے والا‘ حکمت والا ہے۔“

یعنی ان قیدیوں میں ایسے بھی ہوں گے جو آپ ﷺ سے جھوٹ بولیں گے‘ جھوٹے بہانے بنائیں گے‘ بے جا معذرتیں پیش کریں گے۔ تو اس نوعیت کی خیانتیں یہ اللہ سے بھی کرتے رہے ہیں اور ان کے ایسے ہی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اب یہ لوگ آپ ﷺ کے قابو میں ہیں۔

اب اگلی آیات گویا اس سورۂ مبارکہ کا ”حاصل کلام“ یعنی concluding آیات ہیں۔

آیات ۷۲ تا ۷۵

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۗ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ع

آیت ۷۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں‘ اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی‘ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔“

اُس وقت تک مسلمان معاشرہ دو علیحدہ علیحدہ گروہوں میں منقسم تھا' ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور دوسرا انصار کا۔ اگرچہ مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنایا جا چکا تھا' لیکن اس طرح کے تعلق سے پورا قبائلی نظام ایک دم تو تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اُس وقت تک صورت حال یہ تھی کہ غزوۂ بدر سے پہلے جو آٹھ مہمات حضورﷺ نے مختلف علاقوں میں بھیجیں ان میں آپؐ نے کسی انصاری صحابیؓ کو شریک نہیں فرمایا۔ انصار پہلی دفعہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اس تاریخی حقیقت کو مدِنظر رکھا جائے تو یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت کے پہلے حصے میں مہاجرین کا ذکر ہجرت کے علاوہ جہاد کی تخصیص کے ساتھ کیوں ہوا ہے؟ یعنی انصارِ مدینہ تو جہاد میں بعد میں شامل ہوئے' ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد تک تو جہادی مہمات میں حصہ صرف مہاجرین ہی لیتے رہے تھے۔ یہاں انصار کی شان یہ بتائی گئی: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ کہ انہوں نے اپنے دلوں اور اپنے گھروں میں مہاجرین کے لیے جگہ پیدا کی اور ہر طرح سے ان کی مدد کی۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی' تمہارا (اب) اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں''

﴿حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ﴾ ''حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔''

سورۃ النساء میں (جو اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے) ہجرت نہ کرنے والوں کے بارے میں واضح حکم (آیات ۸۹'۹۰) موجود ہے۔ وہاں انہیں منافقین اور کفار جیسے سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے کہ انہیں پکڑو اور قتل کرو اِلاّ یہ کہ اُن کا تعلق کسی ایسے قبیلے سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔

آیت زیرِنظر میں بھی واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی اُن کے ساتھ تمہارا کوئی رشتۂ ولایت و رفاقت نہیں ہے۔ یعنی ایمانِ حقیقی تو دل کا معاملہ ہے جس کی کیفیت صرف اللہ جانتا ہے' لیکن قانونی تقاضوں کے لیے ایمان کا ظاہری معیار ہجرت قرار پایا۔ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کی' انہوں نے اپنے ایمان کا ظاہری ثبوت فراہم کر دیا' اور جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی مگر ایمان کے دعویدار رہے' انہیں قانونی طور پر مسلمان تسلیم نہیں کیا گیا۔ مثلاً بدر کے قیدیوں میں سے کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں تو ایمان لا چکا تھا' جنگ میں تو مجبوراً شامل ہوا تھا' تو اس کا جواب اس اصول کے مطابق یہی ہے کہ چونکہ تم نے ہجرت نہیں کی' لہٰذا تمہارا شمار ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ مل کر تم جنگ کرنے آئے تھے۔ اس لحاظ سے اس آیت کا روئے سخن بھی اسیرانِ بدر کی طرف ہے۔

ان میں سے اگر کوئی شخص اسلام کا دعویدار ہے تو وہ قانون کے مطابق فدیہ دے کر آزاد ہو' واپس مکہ جائے' پھر وہاں سے باقاعدہ ہجرت کر کے مدینہ آجائے تو اسے صاحبِ ایمان تسلیم کیا جائے گا۔ پھر وہ تمہارا حمایتی ہے اور تم اس کے حمایتی ہو گے۔

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ ''اور اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد مانگیں تو اُن کی مدد کرنا تم پر واجب ہے''

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن مکہ میں ہی رہے یا اپنے اپنے قبیلے میں رہے اور اُن لوگوں نے ہجرت نہیں کی، اگر وہ دین کے معاملے میں تم لوگوں سے مدد مانگیں تو تم ان کی مدد کرو۔

﴿اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ﴾ ''مگر کسی ایسی قوم کے خلاف (نہیں) کہ اُن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔''

اگرچہ دارالاسلام والوں پر ان مسلمانوں کی حمایت و مدافعت کی ذمہ داری نہیں ہے جنہوں نے دارالکفر سے ہجرت نہیں کی ہے، تاہم وہ دینی اخوت کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے اس دینی تعلق کی بنا پر مدد کے طالب ہوں تو ان کی مدد کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسے قبیلے کے مقابلے میں نہ مانگی جا رہی ہو جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ معاہدہ کا احترام بہرحال مقدم ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۷۲﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۷۳ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔''

عرب کے قبائلی معاشرے میں باہمی معاہدوں اور ولایت کا معاملہ بہت اہم ہوتا تھا۔ ایسے معاہدوں کی تمام ذمہ داریوں کو بڑی سنجیدگی سے نبھایا جاتا تھا۔ مثلاً اگر کسی شخص پر کسی قسم کا تاوان پڑ جاتا تھا تو اس کے ولی اور حلیف اس کے تاوان کی رقم پوری کرنے کے لیے پوری ذمہ داری سے اپنا اپنا حصہ ڈالتے تھے۔ ولایت کی اہمیت کے پیش نظر اس کی شرائط اور حدود واضح طور پر بتا دی گئیں کہ کفار باہم ایک دوسرے کے حلیف ہیں، جب کہ اہلِ ایمان کا رشتہ، ولایت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی، اُن کا اہلِ ایمان کے ساتھ ولایت کا کوئی رشتہ نہیں۔ البتہ اگر ایسے مسلمان مدد کے طلب گار ہوں تو اہل ایمان ضرور اُن کی مدد کریں، بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسے قبیلے کے خلاف نہ ہو جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝۷۳﴾ ''اگر تم یہ (اِن قواعد و ضوابط کی پابندی) نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیلے گا اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔''

تم لوگوں کا ہر کام قواعد و ضوابط کے مطابق ہونا چاہیے۔ فرض کریں کہ مکہ میں ایک مسلمان ہے، وہ مدینہ کے مسلمانوں کو خط لکھتا ہے کہ مجھے یہاں سخت اذیت پہنچائی جا رہی ہے، آپ لوگ میری مدد کریں۔ دوسری طرف اس کے قبیلے کا مسلمانوں کے ساتھ صلح اور امن کا معاہدہ ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان اپنے اس بھائی کی مدد کے لیے اس کے قبیلے پر چڑھ دوڑیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کی وعدہ خلافی اور ناانصافی کو پسند نہیں کرتا۔ اس مسلمان کو دوسرے تمام مسلمان کی طرح ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچنا چاہیے اور اگر وہ ہجرت نہیں کر سکتا تو پھر وہاں جیسے بھی حالات ہوں اسے چاہیے کہ انہیں برداشت کرے۔ چنانچہ واضح انداز میں فرمایا دیا گیا کہ اگر تم ان معاملات میں قوانین و ضوابط کی پاسداری نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا ذکر سورہ کے آغاز میں پرکار (compass) کی تشبیہہ کے حوالے سے ہوا تھا۔

آیت ۷۴ ﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (یعنی مہاجرین) اور وہ لوگ (انصارِ مدینہ) جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی نصرت کی''

﴿اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۝۷۴﴾ ''یہی لوگ ہیں سچے مومن۔ اُن کے لیے ہے مغفرت اور رزقِ کریم۔''

یہاں پر مہاجرین اور انصار کے ان دونوں گروہوں کا اکٹھے ذکر کر کے ان مؤمنین صادقین کی خصوصیات کے حوالے سے ایک حقیقی مؤمن کی تعریف (definition) کے دوسرے رُخ کی جھلک دکھائی گئی ہے' جبکہ اس کے پہلے حصے یا رُخ کے بارے میں ہم اسی سورت کی آیت ۲ اور ۳ میں پڑھ آئے ہیں۔ لہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے مذکورہ آیات کے مضمون کو ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ......)' یعنی کلمۂ شہادت' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ۔ یہ پانچ ارکان مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں' لیکن حقیقی مؤمن ہونے کے لیے ان میں دو چیزوں کا مزید اضافہ ہوگا' جن کا ذکر ہمیں سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ملتا ہے: ''یقینِ قلبی'' اور ''جہاد فی سبیل اللہ''۔ یعنی ایمان میں زبان کی شہادت کے ساتھ ''یقین قلبی'' کا اضافہ ہوگا اور اعمال میں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے ساتھ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا۔ گویا یہ سات چیزیں یا سات شرطیں پوری ہوں گی تو ایک شخص بندۂ مؤمن کہلائے گا۔ اس بندۂ مؤمن کی شخصیت کا جو نقشہ اس سورت کی آیت ۲ اور ۳ میں دیا گیا ہے اس کے مطابق اس کے دل میں یقین والا ایمان ہے' اللہ کی یاد سے اُس کا دل لرز اُٹھتا ہے' آیات قرآنی پڑھتا ہے یا سنتا ہے تو دل میں ایمان بڑھ جاتا ہے۔ وہ ہر معاملے میں اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ رکھتا ہے' نماز قائم کرتا ہے' زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اِن خصوصیات کے ساتھ ﴿اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ ؕ﴾ کی مہر لگا دی گئی اور اس مہر کے ساتھ وہاں پر (آیت ۴) مؤمن کی شخصیت کا ایک رُخ یا ایک صفحہ مکمل ہو گیا۔

اب بندۂ مؤمن کی شخصیت کا دوسرا صفحہ یا رُخ آیت زیر نظر میں یوں بیان ہوا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ لازمی شرط کے طور پر اس میں شامل کر دیا گیا اور پھر اس پر بھی وہی مہر ثبت کی گئی ہے: ﴿اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ ؕ﴾ چنانچہ یہ دونوں رُخ مل کر بندۂ مؤمن کی تصویر مکمل ہوگئی۔ ایک شخصیت کی تصویر کے یہ دو رخ ایسے ہیں جن کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دو صفحے ہیں جن سے مل کر ایک ورق بنتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیتوں کے اندر یہ دونوں رخ ایک ساتھ پائے جاتے تھے' مگر جیسے جیسے اُمت زوال پذیر ہوئی' بندۂ مؤمن کی شخصیت کی خصوصیات کے بھی حصے بخرے کر دیے گئے۔ بقولِ علامہ اقبالؔ: ؎

اڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

آج مسلمانوں کی مجموعی حالت یہ ہے کہ اگر کچھ حلقے ذکر کے لیے مخصوص ہیں تو اُن کو جہاد اور فلسفۂ جہاد

سے کوئی سروکار نہیں۔ دوسری طرف جہادی تحریکیں ہیں تو اُن کو رُوحانی کیفیات سے شناسائی نہیں۔ لہٰذا آج اُمت کے دکھوں کے مداوا کرنے کے لیے ایسے اہل ایمان کی ضرورت ہے جن کی شخصیات میں یہ دونوں رنگ اکٹھے ایک ساتھ جلوہ گر ہوں۔ جب تک مؤمنین صادقین کی ایسی شخصیات وجود میں نہیں آئیں گی، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح دونوں پہلوؤں میں توازن ہو، اس وقت تک مسلمان اُمت کی بگڑی تقدیر نہیں سنور سکتی۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی کیفیات کا پیدا ہونا تو آج ناممکنات میں سے ہے، لیکن کسی نہ کسی حد تک اُن ہستیوں کا عکس اپنی شخصیات میں پیدا کرنے اور ایک ہی شخصیت کے اندر ان دونوں خصوصیات کا کچھ نہ کچھ توازن پیدا کرنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے۔ مثلاً ان میں سے ایک کیفیت ایک شخصیت کے اندر ۲۵ فیصد ہو اور دوسری کیفیت بھی ۲۵ فیصد کے لگ بھگ ہو تو قابل قبول ہے۔ اور اگر ایسا ہو کہ روحانی کیفیت تو ۷۰ فیصد ہو مگر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صفر ہے یا جہاد کا جذبہ تو ۸۰ فیصد ہے مگر روحانیت کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی تو ایسی شخصیت نظریاتی لحاظ سے غیر متوازن ہوگی۔ بہر حال ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت کی تکمیل کے لیے یہ دونوں رُخ ناگزیر ہیں۔ اِن کو اکٹھا کرنے اور ایک شخصیت میں توازن کے ساتھ جمع کرنے کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے۔

آیت ۷۵ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ﴾ ''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا' تو (اے مسلمانو!) وہ تم میں سے ہی ہیں۔''

وہ تمہاری جماعت' اسی اُمت اور حزب اللہ کا حصہ ہیں۔

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور رحمی رشتے دار اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

یعنی شریعت کے قوانین میں خون کے رشتے مقدم رکھے گئے ہیں۔ مثلاً وراثت کا قانون خون کے رشتوں کو بنیاد بنا کر ترتیب دیا گیا ہے۔ اسی طرح شریعت کے تمام قواعد وضوابط میں رحمی رشتوں کی اپنی ایک ترجیحی حیثیت ہے۔ خونی رشتوں کی ان قانونی ترجیحات کو بھائی چارے اور ولایت کے تعلقات کے ساتھ گڈ مڈ نہ کیا جائے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم' ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

سُورۃ التّوبۃ

تمہیدی کلمات

سورۃ التوبہ کئی خطبات پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر خطبہ الگ پس منظر میں نازل ہوا ہے۔ جب تک ان مختلف خطبات کے پس منظر اور زمانۂ نزول کا الگ الگ تعین درست انداز میں نہ ہو جائے' متعلقہ آیات کی درست توضیح وتشریح کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس سورت کی تفسیر کرتے ہوئے پوری احتیاط سے تحقیق نہیں کی' وہ خود بھی مغالطوں کا شکار ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کا باعث بنے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سورت قرآن حکیم کی مشکل ترین سورت ہے اور اس کی تفہیم کے لیے انتہائی محتاط تحقیق اور گہرے تدبر کی ضرورت ہے۔

سورۃ التوبہ اور حضورﷺ کی بعثت کے دو پہلو: محمد رسول اللہﷺ سے قبل ہر پیغمبر کو ایک خاص علاقے اور خاص قوم کی طرف مبعوث کیا گیا' مگر آپؐ اپنی قوم (بنو اسماعیل) کی طرف بھی رسول بن کر آئے اور قیامت تک کے لیے پوری دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھی۔ یہ فضیلت تمام انبیاء و رُسل میں صرف آپﷺ کے لیے مخصوص ہے کہ آپؐ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا' ایک بعثتِ خصوصی اور دوسری بعثتِ عمومی۔ آپؐ کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کے حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیات میں بھی ایک بڑی خوبصورت تقسیم ملتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس سورت کے بھی بنیادی طور پر دو حصے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ آپﷺ کی ۔ بعثت کے خصوصی پہلو سے متعلق ہے' جبکہ دوسرے حصے کا تعلق آپؐ کی بعثت کے عمومی پہلو سے ہے۔ چنانچہ سورت کے ان دونوں حصوں کے موضوعات و مضامین کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے حضورﷺ کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کے فلسفے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔

حضورﷺ کی بعثتِ خصوصی: محمد عربیﷺ کی خصوصی بعثت مشرکینِ عرب یا بنو اسماعیل کی طرف تھی۔ آپؐ کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا اور آپﷺ نے ان لوگوں کے اندر رہ کر' خود ان کی زبان میں' اللہ کا پیغام اُن تک پہنچا دیا اور ان پر آخری حد تک اتمامِ حجت بھی کر دیا۔ اسی ضمن میں پھر مشرکینِ عرب پر اللہ کے اس قدیم قانون کا نفاذ بھی عمل میں آیا کہ جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے اور وہ رسول اپنی دعوت کے سلسلے میں اس قوم پر اتمامِ حجت کر دے' پھر اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو رد کر دے تو اس پر عذابِ استیصال مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مشرکینِ عرب پر عذابِ استیصال کی نوعیت معروضی حالات کے پیش نظر پہلی قوموں کے مقابلے میں مختلف نظر آتی ہے۔ اس عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کی ہزیمت وشکست کی صورت میں سامنے آئی

جبکہ دوسری اور آخری قسط کا ذکر اس سورت کے آغاز میں کیا گیا ہے۔ بہر حال اپنی بعثتِ خصوصی کے حوالے سے حضور ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر دیا' اور وہاں آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں اقامتِ دین کا عملی نقشہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا۔

حضور ﷺ کی بعثتِ عمومی: نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ عمومی پوری انسانیت کی طرف قیامت تک کے لیے ہے۔ اس سلسلے میں دعوت کا آغاز آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے بعد فرمایا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے کوئی مبلغ یا داعی عرب سے باہر نہیں بھیجا' بلکہ تب تک آپؐ نے اپنی پوری توجہ جزیرہ نمائے عرب تک مرکوز رکھی اور اپنے تمام وسائل اسی خطہ میں دین کو غالب کرنے کے لیے صرف کیے۔ لیکن جونہی آپ ﷺ کو اس سلسلے میں ٹھوس کامیابی ملی' یعنی قریش نے آپ ﷺ کو بطورِ فریق ثانی کے تسلیم کر کے آپ ﷺ سے صلح کر لی' (قرآن نے سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں اس صلح کو ''فتح مبین'' قرار دیا ہے) تو آپؐ نے اپنی بعثتِ عمومی کے تحت دعوت کا آغاز کرتے ہوئے عرب سے باہر مختلف سلاطین و امراء کی طرف خطوط بھیجنے شروع کر دیے۔ اس سلسلے میں آپؐ نے جن فرمانرواؤں کو خطوط لکھے' اُن میں قیصرِ روم' ایران کے بادشاہ کسریٰ' مصر کے بادشاہ مقوقس اور حبشہ کے فرمانروا نجاشی (یہ عیسائی حکمران اس نجاشی کا جانشین تھا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا' اور جن کی غائبانہ نمازِ جنازہ حضور ﷺ نے خود پڑھائی تھی) کے نام شامل ہیں۔ [نوٹ: ماضی قریب میں یہ چاروں خطوط اصل متن کے ساتھ اصل شکل میں دریافت ہو چکے ہیں۔] آپؐ کے انہی خطوط کے ردِّعمل کے طور پر سلطنتِ روما کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کا آغاز ہوا' جس کا نتیجہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں جنگِ موتہ اور غزوۂ تبوک کی صورت میں نکلا۔ بہر حال ان تمام حالات و واقعات کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے' جس کی دعوت کا آغاز آپ ﷺ کی زندگی مبارک ہی میں ہو گیا تھا' اور پھر خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے واضح طور پر یہ فریضہ اُمت کے ہر فرد کی طرف منتقل فرما دیا۔ چنانچہ اب تا قیامِ قیامت آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کے لیے محنت و کوشش کا مکلف ہے۔

موضوعات:

مضامین و موضوعات کے حوالے سے یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے' جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

حصہ اوّل: یہ حصہ سورت کے پہلے پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی کے تکمیلی مرحلے سے ہے۔ آیات کی ترتیب کے مطابق اگرچہ یہ پانچ رکوع بھی مزید تین حصوں میں بٹے ہوئے ہیں' مگر موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ حصہ ہمیں دو خطبات پر مشتمل نظر آتا ہے' جن کا الگ الگ تعارف ذیل کی سطور میں دیا جا رہا ہے۔

پہلا خطبہ: پہلا خطبہ دوسرے اور تیسرے رکوع پر مشتمل ہے اور یہ فتح مکہ (۸ ہجری) سے پہلے نازل ہوا۔ ان آیات میں مسلمانوں کو فتح مکہ کے لیے نکلنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ بہت نازک اور حساس تھا۔ مسلمان مہاجرین کی مشرکینِ مکہ کے ساتھ براہِ راست قریبی رشتہ داریاں تھیں' ان کے خاندان اور قبیلے مشترک تھے' حتیٰ کہ بہت سے مسلمانوں کے اہل و عیال مکہ میں موجود تھے۔ کچھ غریب' بے سہارا مسلمان' جو مختلف وجوہات کی

بنا پر ہجرت نہیں کر سکے تھے‘ ابھی تک مکہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر جنگ ہوگی‘ مکہ پر حملہ ہوگا تو ان سب کا کیا بنے گا؟ کیا گندم کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا؟ دوسری طرف قریشِ مکہ کا بظاہر یہ اعزاز بھی نظر آتا تھا کہ وہ بیت اللہ کے متولّی تھے اور حجاج کی خدمت کرتے تھے۔ اس حوالے سے کہیں سادہ دل مسلمان اپنے خدشات کا اظہار کر رہے تھے تو کہیں منافقین ان سوالات کی آڑ لے کر لگائی بجھائی میں مصروف تھے۔ چنانچہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ پس منظر مدِنظر رہنا چاہیے۔

دوسرا خطبہ: دوسرا خطبہ پہلے‘ چوتھے اور پانچویں رکوع پر مشتمل ہے اور یہ ذوالقعدہ ۹ ہجری کے بعد نازل ہوا۔ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اس میں سے پہلی چھ آیات کو مقدم کر کے سورت کے آغاز میں لایا گیا ہے۔ یہ وہی آیات ہیں جن کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلہ حج کے پیچھے بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۹ ہجری میں حضور ﷺ خود حج پر تشریف نہیں لے گئے تھے‘ اس سال آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا تھا۔ حج کا یہ قافلہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں روانہ ہوا اور اس کے روانہ ہونے کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ حج کے موقع پر علی الاعلان یہ احکامات سب کو سنا دیے جائیں۔ سن ۹ ہجری کے اس حج میں مشرکینِ مکہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ وہاں حج کے اجتماع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں‘ جن کے تحت مشرکین کے ساتھ ہر قسم کے معاہدے سے اعلانِ براءت کر دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔ مشرکینِ عرب کے لیے چار ماہ کی مہلت کا اعلان کیا گیا کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایمان لانا چاہیں تو لے آئیں‘ ورنہ اُن کا قتلِ عام ہوگا۔

یہ آیات چونکہ قرآن کریم کی سخت ترین آیات ہیں‘ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ یہ احکامات دراصل اس عذابِ استیصال کے قائم مقام ہیں جو قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ‘ قومِ صالحؑ‘ قومِ شعیبؑ‘ قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون پر آیا تھا۔ ان تمام قوموں پر عذابِ استیصال اللہ کے اس اٹل قانون کے تحت آیا تھا جس کا ذکر قبل ازیں بھی ہو چکا ہے۔ اس قانون کے تحت مشرکینِ مکہ اب عذابِ استیصال کے مستحق ہو چکے تھے‘ اس لیے کہ حضور ﷺ نے انہی کی زبان میں اللہ کے احکامات ان تک پہنچا کر اُن پر حجت تمام کر دی تھی۔ اس سلسلے میں اللہ کی مشیت کے مطابق ان کو جو مہلت دی گئی تھی وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان پر عذاب استیصال کی پہلی قسط میدانِ بدر میں نازل کی گئی اور دوسری اور آخری قسط کے طور پر اب انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا کہ تمہارے پاس سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لیے صرف چار ماہ ہیں۔ اس مدت میں ایمان لانا چاہو تو لے آؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس حکم کے اندر اُن کے لیے یہ آپشن خود بخود موجود تھا کہ وہ چاہیں تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی جا سکتے ہیں‘ مگر اب اس خطہ کے اندر وہ بحیثیتِ مشرک کے نہیں رہ سکتے‘ کیونکہ اب جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے بالکل پاک کر دینے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی کی تکمیلی شان کے ظہور کا وقت آن پہنچا تھا۔

ایک اشکال کی وضاحت: یہاں ایک اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ آیات کی موجودہ ترتیب خطبات کی زمانی ترتیب کے بالکل برعکس ہے۔ جو خطبہ پہلے (۸ ہجری میں) نازل ہوا ہے وہ سورت میں دوسرے رکوع سے شروع ہو رہا ہے‘ جبکہ بعد (۹ ہجری) میں نازل ہونے والی آیات کو مقدم کر کے اِن سے سورت کا آغاز کیا گیا

ہے۔ پھر یہ دوسرا خطبہ بھی آیات کی ترتیب کے باعث دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اس کی ابتدائی چھ آیات پہلے رکوع میں آ گئی ہیں، جبکہ بقیہ آیات چوتھے اور پانچویں رکوع میں ہیں۔ دراصل ترتیب آیات میں اس پیچیدگی کی وجہ قرآن کا وہ خاص اسلوب ہے جس کے تحت کسی انتہائی اہم بات کو موضوع کی منطقی اور روایتی ترتیب میں سے نکال کر شہ سرخی (head line) کے طور پر پہلے بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس اسلوب کو سمجھنے کے لیے سورۃ الانفال کے آغاز کا انداز ذہن میں رکھیے۔ وہاں مالِ غنیمت کا مسئلہ انتہائی اہم اور حساس نوعیت کا تھا، جس پر تفصیلی بحث تو بعد میں ہونا مقصود تھی، لیکن اس ضمن میں بنیادی اصول سورت کی پہلی آیت میں بیان کر دیا گیا اور مسئلے کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس موضوع سے سورت کا آغاز فرمایا گیا۔ بالکل اسی انداز میں اس سورت کا آغاز بھی ایک انتہائی اہم مسئلے کے بیان سے کیا گیا، البتہ اس مسئلے کی بقیہ تفصیل بعد میں چوتھے اور پانچویں رکوع میں بیان ہوئی۔

حصہ دوم: اس سورت کا دوسرا حصہ چھٹے رکوع سے لے کر آخر تک گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق حضور ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے۔ اس لیے کہ اس حصے کا مرکزی موضوع غزوۂ تبوک ہے اور غزوۂ تبوک تمہید تھی، اس جدوجہد کی جس کا آغاز اقامتِ دین کے سلسلے میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر بین الاقوامی سطح پر ہونے والا تھا۔ اِن گیارہ رکوعوں میں سے ابتدائی چار رکوع تو وہ ہیں جو غزوۂ تبوک کے لیے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے سے متعلق ہیں، چند آیات وہ ہیں جو تبوک جاتے ہوئے دورانِ سفر نازل ہوئیں، چند آیات تبوک میں قیام کے دوران اور چند تبوک سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئیں، جبکہ ان میں چند آیات ایسی بھی ہیں جو تبوک سے واپسی کے بعد نازل ہوئیں۔

آیات ۱ تا ۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَــلُّوْا سَـبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ۧ

آیت ۱ ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ①﴾ ’’اعلانِ براءت ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان لوگوں کی جانب جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کیے تھے مشرکین میں سے۔‘‘

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے تمام معاہدے ختم کرنے کا دوٹوک الفاظ میں اعلان ہے جو مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ کر رکھے تھے۔ یہ اعلان چونکہ انتہائی اہم اور حساس نوعیت کا تھا اور قطعی (categorical) انداز میں کیا گیا تھا‘ اس لیے اس کے ساتھ کچھ شرائط یا استثنائی شقوں کا ذکر بھی کیا گیا جن کی تفصیل آئندہ آیات میں آئے گی۔ سورۃ التوبہ کے ضمن میں ایک اور بات لائق توجہ ہے کہ یہ قرآن کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ نہیں لکھی جاتی۔ اس کا سبب حضرت علیؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ سورت تو ننگی تلوار لے کر یعنی مشرکین کے لیے قتلِ عام کا اعلان لے کر نازل ہوئی ہے‘ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کے ساتھ اس کے مضامین کی مناسبت نہیں ہے۔

آیت ۲ ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ ’’تو گھوم پھر لو اس زمین میں چار ماہ تک‘‘

یعنی اس جزیرہ نمائے عرب میں تمہیں رہنے اور گھومنے پھرنے کے لیے صرف چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے۔

﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②﴾ ’’اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا۔‘‘

اب ان مشرکین کے لیے اللہ کے عذاب کی آخری قسط آ کر رہے گی۔ یہ قطعی اعلان تو ایسے معاہدوں کے ضمن میں تھا جن میں کوئی میعاد معین نہیں تھی‘ جیسے عام دوستی کے معاہدے‘ جنگ نہ کرنے کے معاہدے وغیرہ۔ ایسے تمام معاہدوں کو چار ماہ کی پیشگی وارننگ کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ یہ ایک معقول طریقہ تھا جو سورۃ الانفال کی آیت ۵۸ میں بیان کردہ اصول ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ﴾ کے مطابق اختیار کیا گیا۔ یعنی معاہدے کو علی الاعلان دوسرے فریق کی طرف پھینک دیا گیا‘ اور پھر فوراً اقدام بھی نہیں کیا گیا‘ بلکہ چار ماہ کی مہلت بھی دے دی گئی۔

آیت ۳ ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ ’’اور اعلانِ عام ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کے لیے حج اکبر کے دن‘‘

عمرے کو چونکہ ’’حج اصغر‘‘ کہا جاتا ہے اس لیے یہاں عمرے کے مقابلے میں حج کو ’’حج اکبر‘‘ کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ہاں عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ حج اگر جمعہ کے دن ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے‘ ایک بے بنیاد بات ہے۔

﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ﴾ ’’کہ اللہ بری ہے مشرکین سے اور اس کا رسولؐ بھی۔‘‘

یہ اعلان چونکہ حج کے اجتماع میں کیا گیا تھا اور حج کے لیے جزیرہ نمائے عرب کے تمام اطراف و اکناف

سے لوگ آئے ہوئے تھے' لہٰذا اس موقع پر اعلان کرنے سے گویا عرب کے تمام لوگوں کے لیے اعلان عام ہو گیا کہ اب اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکین سے بریُ الذمہ ہیں اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں رہا۔

﴿فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ''تو اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو سن رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔''

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) بشارت دے دیجیے ان کافروں کو دردناک عذاب کی۔''

آیت ۴ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''سوائے اُن مشرکین کے جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کیے تھے''

﴿ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْــــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا﴾ ''پھر انہوں نے کچھ کمی نہیں کی تمہارے ساتھ' اور نہ تمہارے خلاف مدد کی کسی کی بھی''

یہاں میعادی معاہدوں کے سلسلے میں استثناء کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یعنی مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے ایسے معاہدے جو کسی خاص مدت تک ہوئے تھے' ان کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین تمہارے ساتھ کیے گئے کسی معاہدے کو بخوبی نبھا رہے ہیں اور تمام شرائط کی پابندی کر رہے ہیں:

﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ﴾ ''تو مکمل کرو اُن کے ساتھ اُن کا معاہدہ مقررہ مدت تک۔''

یعنی مشرکین کے ساتھ ایک خاص مدت تک تمہارا کوئی معاہدہ ہوا تھا اور ان کی طرف سے ابھی تک اس میں کسی قسم کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی' تو اس معاہدے کی جو بھی مدت ہے وہ پوری کرو۔ اس کے بعد اس معاہدے کی تجدید نہیں ہو گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④﴾ ''یقیناً اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۵ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ ''پھر جب یہ محترم مہینے گزر جائیں''

یہاں محترم مہینوں سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی۔ چار مہینے کی یہ مہلت یا امان غیر میعادی معاہدوں کے لیے تھی' جبکہ میعادی معاہدوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ اُن کی طے شدہ مدت تک پابندی کی جائے۔ لہٰذا جیسے جیسے کسی گروہ کی مدتِ امان ختم ہوتی جائے گی اس لحاظ سے اس کے خلاف اقدام کیا جائے گا۔ بہر حال جب یہ مہلت اور امان کی مدت گزر جائے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ﴾ ''تو قتل کرو ان مشرکین کو جہاں پاؤ' اور پکڑو ان کو' اور گھیراؤ کرو ان کا' اور ان کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔''

ان الفاظ میں موجود سختی کو محسوس کرتے ہوئے اُس منظر اور ماحول کو ذہن میں لائیے جب یہ آیات بطور اعلانِ عام پڑھ کر سنائی جا رہی تھیں اور اندازہ کیجیے کہ ان میں سے ایک ایک لفظ اس ماحول میں کس قدر اہم اور پُر تاثیر ہوگا۔ اس اجتماع میں مشرکین بھی موجود تھے اور ان کے لیے یہ اعلان اور الٹی میٹم یقیناً بہت بڑی ذلت و رسوائی کا باعث تھا۔

جب یہ چھ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ حج کے پیچھے روانہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ حج کے اجتماع میں میرے نمائندے کی حیثیت سے یہ آیات بطورِ اعلانِ عام پڑھ کر سنا دیں۔ اس لیے کہ عرب کے رواج کے مطابق کسی بڑی شخصیت کی طرف سے اگر کوئی اہم اعلان کرنا مقصود ہوتا تو اس شخصیت کا کوئی قریبی عزیز ہی ایسا اعلان کرتا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قافلۂ حج سے جا کر ملے تو قافلہ پڑاؤ پر تھا۔ امیرِ قافلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ جونہی حضرت علیؓ آپؓ سے ملے تو آپؓ نے پہلا سوال کیا: اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟ یعنی آپؓ امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور؟ مراد یہ تھی کہ پہلے میری اور آپؓ کی حیثیت کا تعین کر لیا جائے۔ اگر آپؓ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے تو میں آپؓ کے لیے اپنی جگہ خالی کر دوں اور خود آپؓ کے سامنے مامور کی حیثیت سے بیٹھوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں، امیرِ حج آپؓ ہی ہیں، البتہ حج کے اجتماع میں آیاتِ الٰہی پر مشتمل اہم اعلان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے میں کروں گا۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت بہت خوبصورت انداز میں فرمائی تھی اور آپ ﷺ کی اسی تربیت کے باعث اُنؓ کی جماعتی زندگی انتہائی منظم تھی۔ اور آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ یہ دنیا کی انتہائی غیر منظم قوم بن کر رہ گئے ہیں۔

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی اگر وہ شرک سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینا قبول کر لیں تو پھر ان سے مواخذہ نہیں۔

آیت ۶ ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپؐ سے پناہ طلب کرے، تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے''

جزیرہ نمائے عرب میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے ابھی تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو سنجیدگی سے سنا ہی نہیں ہوگا۔ اتنے بڑے الٹی میٹم کے بعد ممکن ہے اُن میں سے کچھ لوگ سوچنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ اس دعوت کو سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ اسی حوالے سے حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص تم لوگوں سے پناہ طلب کرے تو نہ صرف اسے پناہ دے دی جائے، بلکہ اسے موقع بھی فراہم کیا جائے کہ وہ قرآن کے پیغام کو اچھی طرح سن لے۔ یہاں پر ''کلام اللہ'' کے الفاظِ قرآنی گویا شہادت دے رہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ﴾ ''پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو۔''

یعنی ایسے شخص کو فوری طور پر فیصلہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ اسلام قبول کرتے ہو یا نہیں؟ اگر قبول نہیں

کرتے تو ابھی تمہاری گردن اڑا دی جائے گی' بلکہ کلام اللہ سننے کا موقع فراہم کرنے کے بعد اسے سمجھنے اور سوچنے کے لیے مہلت دی جائے اور اسے بحفاظت اس کے گھر تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔''

یعنی یہ لوگ ابھی تک بھی غفلت کا شکار ہیں۔ انہوں نے ابھی تک سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں کہ یہ دعوت ہے کیا!

جس مضمون سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی وہ یہاں عارضی طور پر ختم ہو رہا ہے' اب دوبارہ اس مضمون کا سلسلہ چوتھے رکوع کے ساتھ جا کر ملے گا۔ اس کے بعد اب دو رکوع (دوسرا اور تیسرا) وہ آئیں گے جو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئے اور ان میں مسلمانوں کو قریشِ مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے۔

آیات ۷ تا ۱۶

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ع

فتح مکہ سے قبل صورتِ حال ایسی تھی کہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے سلسلے میں بہت سے لوگ تذبذب اور الجھن کا شکار تھے۔ بعض مسلمانوں کے بیوی بچے اور بہت سے کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر پائے تھے' ابھی تک مکہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ اکثر لوگوں کو خدشہ تھا کہ اگر مکہ پر حملہ ہوا تو بہت خون خرابہ ہوگا اور مکہ میں موجود تمام

مسلمان اس کی زد میں آ جائیں گے۔ اگرچہ بعد میں بالفعل جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مختلف ذہنوں میں ایسے اندیشے بہرحال موجود تھے۔ اس سلسلے میں زیادہ بے چینی منافقین نے پھیلائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۷ ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ ''کیسے ہو سکتا ہے مشرکین کے لیے کوئی عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک؟''

یہاں پر اُس پس منظر کو ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس سے قبل مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، لیکن اس معاہدے کو خود قریش کے ایک قبیلے نے توڑ دیا۔ بعد میں جب قریش کو اپنی غلطی اور معاملے کی سنجیدگی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو تجدیدِ صلح کی درخواست کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ مدینہ پہنچ کر ابوسفیان سفارش کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا (اُمّ المؤمنین) سے ملے۔ اِن دونوں شخصیات کی طرف سے اُن کی سرے سے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ بلکہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے ہاں تو ابوسفیان کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ جب اپنی بیٹی کے ہاں گئے تو حضور ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا، وہ بستر پر بیٹھنے لگے تو اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا کہ ابا جان ذرا ٹھہریے! اس پر وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بیٹی نے بستر تہ کر دیا اور فرمایا کہ ہاں ابا جان اب بیٹھ جایئے۔ ابوسفیان کے لیے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، وہ قریش کے سب سے بڑے سردار اور رئیس تھے اور بستر تہ کرنے والی ان کی اپنی بیٹی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا: بیٹی! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں تھا یا میں اس بستر کے لائق نہیں؟ بیٹی نے جواب دیا: ابا جان! آپ اس بستر کے لائق نہیں۔ یہ اللہ کے نبی ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں! چنانچہ ابوسفیان اب کہیں تو کیا کہیں! وہ تو آئے تھے بیٹی سے سفارش کروانے کے لیے اور یہاں تو معاملہ ہی بالکل الٹ ہو گیا۔ چنانچہ مطلب کی بات کے لیے تو زبان بھی نہ کھل سکی ہو گی۔

بہرحال ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے مل کر تجدید صلح کی درخواست کی مگر حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمائی۔ اِن حالات میں ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے چہ می گوئیاں کی ہوں کہ دیکھیں جی قریش کا سردار خود چل کر آیا تھا، صلح کی بھیک مانگ رہا تھا، صلح بہتر ہوتی ہے، حضور ﷺ کیوں صلح نہیں کر رہے، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس پس منظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان مشرکین کے لیے اب کوئی معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ یعنی ان کے کسی عہد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس۔''

اس معاہدے سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦﴾ ''تو جب تک وہ تمہارے لیے (اس پر) قائم رہیں تم بھی ان کے لیے (معاہدے پر) قائم رہو۔ بے شک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔''

یعنی جب تک مشرکین صلح کے اس معاہدے پر قائم رہے، تم لوگوں نے بھی اس کی پوری پوری پابندی کی، مگر اب جب کہ وہ خود ہی اسے توڑ چکے ہیں تو اب تمہارے اوپر اس سلسلے میں کوئی اخلاقی دباؤ نہیں ہے کہ لازماً اس معاہدے کی تجدید کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اب ان مشرکین میں استادم نہیں ہے کہ وہ مقابلہ کر سکیں۔ ان حالات میں معاہدے کی تجدید کا مطلب تو یہ تھا کہ کفر اور شرک کو اپنی مذموم سرگرمیوں کے لیے پھر سے کھلی چھٹی (fresh lease of existance) مل جائے۔ اس لیے حضور ﷺ نے معاہدے کی تجدید قبول نہیں فرمائی۔

آیت ۸ ﴿كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ ''کیسے (کوئی معاہدہ قائم رہ سکتا ہے ان سے!) جبکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو ہرگز لحاظ نہیں کریں گے تمہارے بارے میں کسی قرابت کا اور نہ عہد کا۔''

ایسے لوگوں سے آخر کوئی معاہدہ کیوں کر قائم رہ سکتا ہے جن کا کردار یہ ہو کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو پھر نہ قرابت داری کا لحاظ کریں اور نہ معاہدے کے تقدس کا پاس۔

﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ ''راضی کرنا چاہتے ہیں تم لوگوں کو اپنے مُنہ (کی باتوں) سے''

اب وہ صلح کی تجدید کی خاطر آئے ہیں تو اس کے لیے بظاہر خوشامد اور چاپلوسی کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح آپ لوگوں کو راضی کر لیں۔

﴿وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸﴾ ''جبکہ ان کے دل (اب بھی) انکاری ہیں، اور ان کی اکثریت فاسقین پر مشتمل ہے۔''

جو باتیں وہ زبان سے کر رہے ہیں وہ اُن کے دل کی آواز نہیں ہے۔ دل سے وہ ابھی بھی نیک نیتی کے ساتھ صلح پر آمادہ نہیں ہیں۔

آیت ۹ ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''انہوں نے اللہ کی آیات کو فروخت کیا حقیر سی قیمت کے عوض''

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی قدر نہیں کی اور ان کے بدلے میں حقیر سا دُنیوی فائدہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول جانتے ہوئے اور حق کو پہچانتے ہوئے صرف اس لیے رد کر دیا ہے کہ ان کی چودھراہٹیں قائم رہیں، لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے۔

﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹﴾ ''پس وہ لوگوں کو روکتے رہے اللہ کے رستے سے (اور خود بھی رُکتے رہے) یقیناً بہت ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

صَدَّ يَصُدُّ صَدًّا ، اس فعل کے اندر رکنے اور روکنے دونوں کے معنی پائے جاتے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ ''نہیں لحاظ کرتے کسی مؤمن کے حق میں نہ کسی قرابت کا اور نہ کسی معاہدے کا۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔''

آیت ۱۱ ﴿فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ ؕ﴾ ''پھر بھی اگر وہ توبہ کرلیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اللہ نے ان کے لیے اب بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ اب بھی اگر وہ اسلام قبول کرلیں اور شعارِ دینی کو اپنا لیں تو وہ تمہاری دینی برادری میں شامل ہو سکتے ہیں۔

﴿وَنُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ⑪﴾ ''اور ہم اپنی آیات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۱۲ ﴿وَاِنۡ نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَہۡدِہِمۡ وَطَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ﴾ ''اور اگر وہ توڑ ڈالیں اپنے قول وقرار کو عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں''

﴿فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّۃَ الۡکُفۡرِ ۙ اِنَّہُمۡ لَاۤ اَیۡمَانَ لَہُمۡ﴾ ''تو تم جنگ کرو کفر کے ان اماموں سے' ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں''

یہ بہت اہم اور قابل توجہ نکتہ ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے اندر کافر اور مشرک تو بہت تھے مگر یہاں خصوصی طور پر کفر اور شرک کے پیشواؤں سے جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ ''ائمّۃ الکفر'' (کفر کے امام) قریش تھے۔ وہ کعبہ کے متولّی اور تمام قبائل کے بتوں کے مجاور تھے۔ دوسری طرف سیاسی' معاشرتی اور معاشی لحاظ سے مکہ کو ''اُمّ القریٰ'' کی حیثیت حاصل تھی اور وہ ان کے زیرِ تسلّط تھا۔ اُس وقت اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں نہ کوئی مرکزی حکومت تھی اور نہ ہی کوئی باقاعدہ مرکزی دار الحکومت تھا' مگر پھر بھی اس پورے خطے کا مرکزی شہر اور معنوی صدر مقام مکہ ہی تھا' اور اس مرکزی شہر اور اُمّ القریٰ میں واقع اللہ کے گھر کو قریش نے شرک کا اڈا بنایا ہوا تھا۔ اس لیے جب تک ان کو شکست دے کر مکہ کو کفر اور شرک سے پاک نہ کر دیا جاتا' جزیرہ نمائے عرب کے اندر دین کے غلبے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے یہاں ﴿فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّۃَ الۡکُفۡرِ﴾ کا واضح حکم دیا گیا ہے' کہ جب تک کفر کے ان سرغنوں کا سر نہیں کچلا جائے گا اور شرک کے اس مرکزی اڈے کو ختم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک سرزمین عرب میں دین کے کُلّی غلبے کی راہ ہموار نہیں ہوگی۔

﴿لَعَلَّہُمۡ یَنۡتَہُوۡنَ ⑫﴾ ''شاید کہ (اس طرح) وہ باز آجائیں۔''

یعنی ان پر سختی کی جائے گی تو شاید باز آجائیں گے' نرمی سے یہ ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۳ ﴿اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ وَہَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جنگ نہیں کرنا چاہتے ایسی قوم سے جنہوں نے اپنے قول وقرار توڑ دیے اور رسولؐ کو جلاوطن کرنے کا قصد کیا''

اے مسلمانو! مشرکینِ مکہ نے صلح حدیبیہ کو خود توڑا ہے' جبکہ تمہاری طرف سے اس معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی' اور یہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے جلاوطنی پر مجبور کیا تھا۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ اب جب ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ تذبذب کا شکار ہو رہے ہیں۔

﴿وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ﴾ ’’اور انہوں نے ہی آغاز کیا تھا تمہارے ساتھ پہلی مرتبہ۔‘‘
یعنی مکہ کے اندر مسلمانوں کو ستانے اور تکلیفیں پہنچانے کی کارستانیاں ہوں یا غزوۂ بدر میں جنگ چھیڑنے کا معاملہ ہو یا صلح حدیبیہ کے توڑنے کا واقعہ‘ تمہارے ساتھ ہر زیادتی اور بے اصولی کی پہل ہمیشہ ان لوگوں ہی کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔

﴿اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ﴾ ’’کیا تم ان سے ڈر رہے ہو؟‘‘
یہ مجسّسانہ سوال (searching question) کا انداز ہے کہ ذرا اپنے گریبانوں میں جھانکو‘ اپنے دلوں کو ٹٹولو‘ کیا واقعی تم ان سے ڈر رہے ہو؟ کیا تم پر کوئی بزدلی طاری ہو گئی ہے؟ آخر تم قریش کے خلاف اقدام سے کیوں گھبرا رہے ہو؟

﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬﴾ ’’اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔‘‘

اب اس کے بعد اقدام کرنے کا آخری حکم قطعی انداز میں دیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭﴾ ’’تم ان سے جنگ کرو‘ اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں‘ اور ان کو رسوا کرے گا‘ اور تمہاری مدد کرے گا ان کے مقابلے میں اور بہت سے اہل ایمان کے سینوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا۔‘‘

آیت ۱۵ ﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ ’’اور ان کے دلوں کے غصہ کو نکال دے گا۔‘‘
اللہ تعالیٰ اس اقدام کے نتائج کے طور پر مسلمانوں کے سینوں کی جلن کو دور کرے گا اور انہیں ٹھنڈک عطا فرمائے گا۔ مکہ میں ابھی بھی ایسے لوگ موجود تھے جن کو قریش کی طرف سے تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ ابھی بھی مسلمان بچوں‘ عورتوں اور ضعیفوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ چنانچہ جب تمہارے حملے کے نتیجے میں ان ظالموں کی درگت بنے گی تو مظلوم مسلمانوں کے سینوں کی جلن بھی کچھ کم ہو گی۔

﴿وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮﴾ ’’اور اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا۔ اور اللہ جاننے والا‘ حکمت والا ہے۔‘‘

اب جو آیت ’’اَمْ حَسِبْتُمْ‘‘ کے الفاظ سے شروع ہو رہی ہے وہ اپنے خاص انداز اور لہجے کے ساتھ قرآن میں تین مرتبہ آئی ہے۔ دو مرتبہ اس سے پہلے اور تیسری مرتبہ یہاں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ اور یہاں (اس سورت کی آیت ۱۶ میں) فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾۔
ایک ہی موضوع کی حامل ان تینوں آیات کے نہ صرف الفاظ آپس میں ملتے ہیں‘ بلکہ ان میں ایک عجیب و

غریب مشابہت یہ بھی ہے کہ ہر آیت کے نمبر کے ہندسوں کا حاصل جمع ۷ آتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ ''کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے' حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو جہاد کرنے والے ہیں''

دوسری قوموں کے خلاف برسرِ پیکار ہونا اور بات ہے' تمہیں اب اپنی قوم کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جانا ہے۔ گویا اس حکم کے اندر نسبتاً سخت امتحان ہے۔ چنانچہ اللہ تمہارا یہ امتحان بھی لینا چاہتا ہے۔

﴿وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ﴾ ''اور جو نہیں رکھتے اللہ اس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کے علاوہ کسی کے ساتھ قلبی دوستی کا کوئی تعلق۔''

یہ دُنیوی رشتوں کے خوشنما بندھن جب تک ایمان کی تلوار سے کٹیں گے نہیں' اس وقت تک اللہ اور دین کے ساتھ تمہارا اخلوص کیسے ثابت ہوگا!

﴿وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آیات ۱۷ تا ۲۴

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۙ﴿۲۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۸

آیت ۱۷ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ﴾
''مشرکوں کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اپنے اوپر کفر کی گواہی دیتے ہوئے۔''

یہ مساجد تو اللہ کے گھر ہیں' یہ کعبہ اللہ کا گھر اور توحید کا مرکز ہے' جبکہ قریش علی اعلان کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اللہ کے گھر کے متولی بھی بنے بیٹھے ہیں۔ ایسا کیونکر ممکن ہے؟ اللہ کے اِن دشمنوں کا اس کی مساجد کے اوپر کوئی حق کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے ہیں' اور آگ ہی میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

بیت اللہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کی خدمت جیسے وہ اعمال جن پر مشرکینِ مکہ پھولے نہیں سماتے' ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک اُن کے اِن اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اُن کے کفر کے سبب اللہ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیے ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''یقیناً اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر' نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' اور نہ ڈریں کسی سے سوائے اللہ کے''

﴿فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''تو امید ہے کہ یہی لوگ راہ یاب ہوں گے۔''

آیت ۱۹ ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اُس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور اس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟''

مشرکینِ مکہ اس بات پر بہت نازاں ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کو آباد رکھا ہوا ہے اور وہ حاجیوں کو پانی پلانے جیسا کارِ خیر سرانجام دیتے ہیں' تو کیا اُن کے یہ امور ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو جائیں گے؟

﴿لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''یہ برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے نزدیک۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۲۰ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے' جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ' ان کا بہت عظیم رتبہ ہے اللہ کے نزدیک۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''اور وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔''

آیت ۲۱ ﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾﴾ ''انہیں بشارت

دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمتِ خاص اور رضا مندی کی اور ان باغات کی جن کے اندر ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔''

آیت ۲۲ ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۲﴾﴾ ''جن میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے بہت بڑا اجر۔''

اگلی دو آیات اپنے موضوع اور فلسفۂ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' مکہ پر چڑھائی کے سلسلے میں بعض مسلمانوں میں تذبذب پایا جاتا تھا۔ اس کی ایک بہت ہی اہم وجہ یہ تھی کہ مشرکینِ مکّہ میں سے اکثر کے ساتھ مہاجرین کی بہت قریبی عزیز داریاں تھیں۔ ابھی تک تو کچھ اُمید تھی کہ شاید وہ لوگ ایمان لے آئیں گے' مگر اب صاف نظر آ رہا تھا کہ مکہ پر چڑھائی کی صورت میں اپنے قریبی عزیزوں کے خلاف لڑنا ہوگا' اپنے بھائیوں' بیٹوں اور باپوں کے گلے کاٹنا ہوں گے۔ انسانی سطح پر یہ کوئی آسان کام نہیں تھا' مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی مسلمانوں کا یہ مشکل ترین امتحان لینا بھی مقصود تھا۔ لہٰذا یہ آیات اس ضمن میں اللہ کی مرضی اور دینِ حق کا اصول بہت واضح اور دوٹوک الفاظ میں بیان کر رہی ہیں۔

آیت ۲۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِیَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَی الۡاِیۡمَانِ ؕ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دلی دوست اور حمایتی مت بناؤ اگر انہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کیا ہے۔''

اگر اب بھی تمہارے دلوں میں اپنے کافر اقرباء کے لیے محبت موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر ایمان کے ساتھ تمہارا رشتہ مضبوط نہیں ہے۔ اللہ' اس کے دین اور توحید کے لیے تمہارے جذبات میں غیرت وحمیت نہیں ہے۔

﴿وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''اور تم میں سے جو کوئی بھی ان کے ساتھ ولایت (دوستی) کا تعلق رکھیں گے تو ایسے لوگ (خود بھی) ظالم ٹھہریں گے۔''

اب وہ آیت آ رہی ہے جو اس موضوع پر قرآن کریم کی اہم ترین آیت ہے۔

آیت ۲۴ ﴿قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِیۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)' تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں' اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے' اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں' (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ' اس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد سے' تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ''اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا''۔

یہاں آٹھ چیزیں گنوادی گئی ہیں کہ اگر ان آٹھ چیزوں کی محبتوں میں سے کسی ایک یا سب محبتوں کا جذبہ اللہ اُس کے رسول اور اُس کے رستے میں جہاد کی محبتوں کے جذبے کے مقابلے میں زیادہ ہے تو پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ یہ بہت سخت اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا لہجہ اور انداز ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرے۔ اس کے ایک پلڑے میں یہ آٹھ محبتیں ڈالے اور دوسرے میں اللہ اس کے رسولؐ اور جہاد کی تین محبتیں ڈالے اور پھر اپنا جائزہ لے کہ میں کہاں کھڑا ہوں! چونکہ انسان خود اپنے نفس سے خوب واقف ہے ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰي نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ﴾ (القیامہ) اس لیے اسے اپنے باطن کی صحیح صورتِ حال معلوم ہو جائے گی۔ بہر حال اس سلسلے میں ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تو اس کی ساری خواہشیں محبتیں اور حقوق (بیوی اولاد نفس وغیرہ کے حقوق) ان تین محبتوں کے تابع ہیں تو اس کے معاملاتِ ایمان درست ہیں لیکن اگر مذکورہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک بھی چیز کی محبت کا گراف اوپر چلا گیا تو بس یوں سمجھیں کہ وہاں توحید ختم ہے اور شرک شروع! اسی فلسفہ کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں اس طرح پیش کیا ہے:

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم و گماں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه!

آیت زیرِ نظر میں جو آٹھ چیزیں گنوائی گئی ہیں ان میں پہلی پانچ ''رشتہ و پیوند'' کے زُمرے میں آتی ہیں جب کہ آخری تین ''مال و دولت دنیا'' کی مختلف شکلیں ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں ہے یہ ہمارے وہم اور توہّم کے بنائے ہوئے بت ہیں۔ جب تک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی شمشیر سے اِن بتوں کو توڑا نہیں جائے گا' بندۂ مومن کے نہاں خانۂ دل میں توحید کا عَلم بلند نہیں ہوگا۔

دوسرے اور تیسرے رکوع پر مشتمل وہ خطبہ جو رمضان ۸ ہجری سے قبل نازل ہوا تھا یہاں ختم ہوا۔ اب چوتھے رکوع کے آغاز سے سلسلۂ کلام پھر سے سورت کی ابتدائی چھ آیات کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔

آیات ۲۵ تا ۲۹

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع۵

آیت ۲۵ ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سے مواقع پر اور (خاص طور پر) حنین کے دن''

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے' پہلے' چوتھے اور پانچویں رکوع پر مشتمل یہ خطبہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں نازل ہوا تھا' جبکہ اس سے پہلے غزوۂ حنین شوال ۸ ہجری میں وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ ''جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا''

معاملہ یوں نہیں تھا کہ لشکر میں شامل تمام مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز اور فخر محسوس ہو رہا تھا۔ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی' جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں اکٹھی نہیں ہوئی تھی۔ ان میں سے دس ہزار مسلمان تو وہ تھے جو فتح مکہ کے وقت حضور ﷺ کے ہمراہ تھے' اور دو ہزار لوگ مکہ سے شامل ہوئے تھے۔ مکہ سے شامل ہونے والوں میں اکثریت ان نومسلموں کی تھی جو مکہ فتح ہو جانے کے بعد ایمان لائے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں کچھ مشرک بھی ہوں جو اب مسلمانوں کی رعایا ہونے کے باعث معاونین اور خادمین کی حیثیت سے لشکر میں شامل ہو گئے ہوں۔ مسلمانوں کی یہ لشکر کشی ہوازن اور ثقیف کے قبائل کے خلاف تھی جو طائف اور اس کے اردگرد کی شاداب وادیوں میں آباد تھے۔ مسلمان اس سے قبل بارہا قلیل تعداد اور معمولی اسلحہ سے کفار کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے چکے تھے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی زبان سے اپنی کثرت کے زعم میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ''آج مسلمانوں پر کون غالب آ سکتا ہے!'' دوسری طرف ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے پہلے سے اپنے تیرانداز دستے پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر تعینات کر رکھے تھے اور موزوں مقامات پر صف آرائی کر لی تھی۔ یہ لوگ بڑے ماہر تیرانداز تھے۔ مسلمانوں کا لشکر جب وادیٔ حنین میں پہنچا تو پہاڑیوں پر موجود تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ لشکر نشیب میں تھا' تیر بلندی سے آ رہے تھے اور دونوں طرف سے آ رہے تھے۔ اس سے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور بارہ ہزار کا لشکر جرار تتر بتر ہو گیا۔ جب ہراول دستے سے لوگ اضطراری کیفیت میں پلٹ کر بھاگے تو ریلے کی صورت میں بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ دھکیلتے چلے گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف ۳۰ یا ۴۰ آدمی رہ گئے تھے۔ علامہ شبلیؒ نے ''سیرت النبی ﷺ'' میں یہی لکھا ہے کہ ۳۰' ۴۰ آدمی رہ گئے تھے' لیکن سید سلیمان ندویؒ نے بعد میں اپنے استاد کی رائے پر اختلافی نوٹ لکھا کہ تین سو یا چار سو آدمی آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لیکن بارہ ہزار کے لشکر میں سے تین یا چار سو آدمیوں کا رہ جانا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس صورتِ حال میں حضور ﷺ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے' آپ ﷺ نے علم خود اپنے ہاتھ میں لیا اور بآوازِ بلند رجز پڑھا: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب کہ میں نبی ہوں اس میں کوئی شک نہیں! (یعنی میں یقیناً نبی ہوں' چاہے یہ بارہ ہزار لوگ میرا ساتھ دیں تب بھی' اور اگر کوئی بھی ساتھ نہ دے تب بھی)۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں' یعنی میں عبد المطلب کا پوتا میدان جنگ میں بنفسِ نفیس

موجود ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو پکارا: اِلَیَّ یَاعِبَادَ اللّٰہِ! ''اللہ کے بندو! میری طرف آؤ!'' اس کے بعد آپ ﷺ نے قریب ہی موجود اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو‘ جن کی آواز کافی بلند تھی‘ حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کو پکاریں۔ انہوں نے بلند آواز سے پکارا: اصحابِ بدر کہاں ہو؟ اصحابِ شجرہ (بیعت رضوان والو) کہاں ہو؟ اس پر لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹنا شروع ہوئے اور لشکر پھر سے اکٹھا ہوا۔ اس کے بعد ایک بھرپور جنگ لڑنے کے بعد مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ آیت زیر نظر کا اشارہ اس پورے واقعہ کی طرف ہے۔

﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾﴾ ''تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آسکی اور زمین پوری فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی‘ پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

آیت ۲۶ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''پھر اللہ نے نازل فرمائی اپنی (طرف سے) تسکین اپنے رسولؐ اور اہلِ ایمان پر اور (اُس وقت بھی) ایسے لشکر اُتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا''

﴿وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾﴾ ''اور عذاب دیا کافروں کو۔ اور یقیناً کافروں کا بدلہ یہی ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾﴾ ''پھر اس کے بعد (بھی) اللہ توبہ نصیب فرمائے گا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا۔ اور اللہ بخشنے والا‘ رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان! یہ مشرکین یقیناً ناپاک ہیں‘ لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''

یعنی اس سال (۹ ہجری) کے حج میں تو مشرکین بھی شامل ہیں‘ مگر آئندہ کبھی کوئی مشرک حج کے لیے نہیں آسکے گا اور نہ کسی مشرک کو بیت اللہ یا مسجد حرام کے قریب آنے کی اجازت ہوگی۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو فقر کا''

﴿فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾﴾ ''تو عنقریب اللہ تمہیں غنی کردے گا اپنے فضل سے اگر وہ چاہے گا۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا‘ حکمت والا ہے۔''

اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اس حکم کے بعد حاجیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور ان کے نذرانوں اور قربانیوں سے ہونے والی آمدنی میں بھی کمی آجائے گی‘ تو اسے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ رکھنا چاہیے۔ عنقریب اس قدر دُنیوی دولت تم لوگوں کو ملے گی کہ تم سنبھال نہیں سکو گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے

بعد چند سالوں کے اندر اندر حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ سلطنتِ فارس اور سلطنتِ روما کی فتوحات کے بعد مالِ غنیمت کا گویا سیلاب اُمنڈ آیا اور اس قدر مال مسلمانوں کے لیے سنبھالنا واقعی مشکل ہو گیا۔ یہی صورتِ حال تھی جس کے بارے میں حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا:

((فَوَاللّٰہِ لَا الْفَقْرُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ، وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ، فَتَنَافَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا، وَتُھْلِکَکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْھُمْ))(۱)

''پس اللہ کی قسم (اے مسلمانو!) مجھے تم پر فقر و احتیاج کا کوئی اندیشہ نہیں ہے' بلکہ مجھے تم پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی (تمہارے قدموں میں مال و دولت کے انبار لگ جائیں گے) جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی' پھر تم اس کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے جیسے کہ وہ لوگ کرتے رہے' پھر یہ تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی جیسے کہ اس نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔''

آیت ۲۹ ﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''جنگ کرو تم ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' نہ یومِ آخرت پر اور نہ حرام ٹھہراتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو' اور نہ قبول کرتے ہیں دینِ حق کی تابعداری کو' ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی' یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے (تابع) بن کر رہیں۔''

اس آیت میں بھی دین کا بہت اہم فلسفہ بیان ہوا ہے۔ اس حکم میں مشرکینِ عرب اور نسلِ انسانی کے باقی لوگوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۵ کی رو سے مشرکینِ عرب کو جو مہلت یا امان دی گئی تھی اس مدت کے گزرنے کے بعد ان کے لیے تو کوئی اور راستہ (option) اس کے علاوہ نہیں تھا کہ یا وہ ایمان لے آئیں یا انہیں قتل کر دیا جائے گا' یا وہ جزیرہ نمائے عرب چھوڑ کر چلے جائیں۔ اُن کا معاملہ تو اس لیے خصوصی تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے اُن پر آخری درجہ میں اتمامِ حجت کر دیا تھا' اور آپ ﷺ کا انکار کر کے وہ لوگ عذابِ استیصال کے حق دار ہو چکے تھے۔ مگر یہود و نصاریٰ اور باقی پوری نوعِ انسانی کے لیے اس ضمن میں قانون مختلف ہے۔ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کے لوگوں کے لیے اور قیامت تک تمام دنیا کے انسانوں کے لیے وہ چیلنج نہیں کہ ایمان لاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ کیونکہ اس کے بعد اب حضور ﷺ بحیثیتِ رسولؐ معنوی طور پر تو موجود ہیں مگر بنفسِ نفیس موجود نہیں' کہ براہِ راست کوئی قوم آپ ﷺ کی دعوت کو رد کر کے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجزیۃ و کتاب المغازی و کتاب الرقاق' باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس فیھا۔ وصحیح مسلم' کتاب الزھد والرقائق۔

عذابِ استیصال کی مستحق ہو جائے۔ چنانچہ باقی تمام نوعِ انسانی کے افراد کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے قتال کیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ دین کی بالادستی کو بحیثیت ایک نظام کے قبول کر لیں' مگر انفرادی طور پر کسی کو قبولِ اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ہر کوئی اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے اسلامی ریاست کے ایک شہری کے طور پر رہ سکتا ہے' مگر ایسی صورتِ حال میں غیر مسلموں کو جزیہ دینا ہوگا۔ اسی فلسفے کے تحت خلافتِ راشدہ کے دور میں کسی بھی ملک پر لشکر کشی کرنے سے پہلے تین شرائط پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی یہ کہ ایمان لے آؤ' ایسی صورت میں تم ہمارے برابر کے شہری ہو گے۔ اگر یہ قبول نہ ہو تو اللہ کے دین کی بالادستی قبول کر کے اسلامی ریاست کے فرمانبردار شہری بن کر رہنا اور جزیہ دینا قبول کر لو۔ ایسی صورت میں تم لوگوں کو آزادی ہوگی کہ تم یہودی' عیسائی' مجوسی' ہندو وغیرہ جو چاہو بن کر رہو۔ لیکن اگر یہ بھی قابلِ قبول نہ ہو اور تم لوگ اس زمین پر باطل کا نظام قائم رکھنا چاہو تو پھر اس کا فیصلہ جنگ سے ہوگا۔

آیات ۳۰ تا ۳۵

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ٰ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰــهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ٰ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور یہود نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ نقل کر رہے ہیں ان لوگوں کی باتوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے پہلے۔''

ان کی ان باتوں یا من گھڑت عقیدوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے' بلکہ یہ لوگ اپنے سے پہلے والے مشرکین کے عقائد کی نقل کر رہے ہیں۔ ''متھرازم'' ایک قدیم مذہب تھا جس کا مرکز مصر تھا۔ اس مذہب میں پہلے سے یہ تثلیث موجود تھی: "God the Father, Horus the Son of God and Isis the Mother Goddess."

یعنی خدا' خدا کا بیٹا اور اس کی ماں آئسس دیوی۔ یہ پہلی تثلیث تھی جو مصر میں بنی۔ پھر جب سینٹ پال نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اس کا دائرہ غیر اسرائیلیوں (gentiles) تک وسیع کر دیا تو اہلِ مصر کی نقالی میں تثلیث جیسے نظریات عیسائیت میں شامل کر لیے گئے تاکہ ان نئے لوگوں کو عیسائیت اختیار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ عیسائیت میں جو پہلی تثلیث شامل کی گئی وہ یہی تھی کہ ''خدا' خدا کا بیٹا یسوع اور مریم مقدس''۔ تو انہوں نے قدیم مذاہب کی نقالی میں یہ تثلیث ایجاد کی تھی۔

﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰﴾ ''اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے بچلائے گئے ہیں!''

آیت ۳۱ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ﴾ ''انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو ربّ بنا لیا اللہ کے سوا اور مسیحؑ ابن مریم کو بھی۔''

عیسائیوں میں دوسری بڑی گمراہی یہ پیدا ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی الوہیت میں حصہ دار بنا لیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے ہاں باقاعدہ تین خداؤں میں سے ایک تھے اور اس حیثیت میں وہ آپؑ کی پرستش بھی کرتے تھے' مگر احبار و رہبان کو رب ماننے کی کیفیت ذرا مختلف تھی۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جنہوں نے عیسائیت سے اسلام قبول کیا تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں وضاحت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ))(۱)

''وہ ان (احبار و رہبان) کی عبادت تو نہیں کرتے تھے' لیکن جب وہ کسی شے کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال مان لیتے اور جب کسی شے کو حرام قرار دیتے تو اسے حرام مان لیتے۔''

یعنی حلال و حرام کے بارے میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے' اور اگر کوئی دوسرا اس حق کو استعمال کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کی الوہیت میں حصہ دار بن رہا ہے' اور جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی کا یہ حق تسلیم کرتا ہے وہ گویا اسے اللہ کے سوا اپنا رب تسلیم کر رہا ہے۔

آج بھی پوپ کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ جیسا کہ اُس نے ایک فرمان کے ذریعے سے یہودیوں کو دو ہزار سال پرانے اس الزام سے بری کر دیا' کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھایا تھا۔ گویا اسے تاریخ تک کو بدل دینے کا اختیار ہے' اسی طرح وہ کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے۔ اس طرح کے تصورات ہمارے ہاں اسماعیلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کا امامِ حاضر معصوم ہوتا ہے

(۱) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب و من سورة التوبة۔

اور اسے اختیار حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا ہے۔ تاہم یہ معاملہ بالخصوص گجرات (انڈیا) کے علاقے میں بسنے والے اسماعیلیوں کا ہے، جبکہ ہنزہ میں جو اسماعیلی آباد ہیں اُن کے ہاں شریعت موجود ہے، کیونکہ یہ پرانے اسماعیلی ہیں جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ گجرات (انڈیا) کے علاقہ میں اسماعیلیوں نے جب مقامی آبادی میں اپنے نظریات کی تبلیغ شروع کی تو انہوں نے وہی کیا جو سینٹ پال نے کیا تھا۔ انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا اور ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اوتار کا عقیدہ اپنا لیا۔ مقامی ہندو آبادی میں اپنے نظریات کی آسان ترویج کے لیے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دسویں اوتار کے طور پر پیش کیا (ہندوؤں کے ہاں نو اوتار کا عقیدہ رائج تھا)۔ لہٰذا ''دشتم اوتار'' کا عقیدہ مستقل طور پر اُن کے ہاں رائج ہو گیا۔ اس کے علاوہ اُن کے حاضر امام کو مکمل اختیار ہے کہ وہ شریعت کے جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے، کسی حلال چیز کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال کر دے۔

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱﴾ ''انہیں نہیں حکم دیا گیا تھا مگر اسی بات کا کہ وہ پوجیں صرف ایک الٰہ کو، نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا۔ وہ پاک ہے اس سے جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۳۲ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اپنے مُنہ (کی پھونکوں) سے''

﴿وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲﴾ ''اور اللہ کو ہرگز منظور نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے، چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

اس اسلوب میں یہودیوں پر ایک طرح کا طنز ہے کہ وہ خفیہ سازشوں کے ذریعے سے اس دین کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی علی الاعلان میدان میں آ کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس آیت کی ترجمانی مولانا ظفر علی خان نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کی ہے: ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

آیت ۳۳ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳﴾ ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر، خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

یہ آیت بہت واضح انداز میں محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی امتیازی یا تکمیلی شان کا مظہر ہے۔ جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، حضور ﷺ کی رسالت کا بنیادی مقصد تو دوسرے انبیاء و رُسل کی طرح تبشیر، انذار، تذکیر، دعوت اور تبلیغ ہے، جس کا تذکرہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۵) میں بایں الفاظ موجود ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّــةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ لیکن اس کے علاوہ حضور ﷺ کی بعثت کا ایک

امتیازی اور خصوصی مقصد بھی ہے اور وہ ہے تکمیلِ رسالت‘ یعنی دین کو بالفعل قائم اور غالب کرنا۔ اِن دو آیات میں آپ ﷺ کی رسالت کی اسی تکمیلی شان کا ذکر ہے۔ آیات کا یہ جوڑا بالکل اسی ترتیب سے سورۃ الصّف (آیت ۸ اور ۹) میں بھی آیا ہے۔ ان میں سے پہلی آیت سورۃ الصّف میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ آئی ہے:﴿یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ﴿۸﴾﴾ جبکہ دوسری آیت جوں کی توں ہے‘ اس میں اور سورۃ التوبہ کی اس آیت میں بالکل کوئی فرق نہیں ہے۔ میں نے اس آیت پر چوبیس صفحات پر مشتمل ایک مقالہ لکھا تھا جو ’’نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت‘‘ کے عنوان سے شائع ہوتا ہے۔ اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے خصوصی یا امتیازی مقصد کی تکمیل یعنی دنیا میں دین کو قائم اور غالب کرنے کی جِدّوجُہد ہم سب پر حضور ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے فرض ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس فرض سے جان چھڑانے کے لیے بھی دلائل دیے ہیں کہ دین کو ہم انسانوں نے نہیں بلکہ اللہ نے غالب کرنا ہے‘ لیکن اس کتاب کے مطالعے سے آپ پر واضح ہوگا کہ اس فرض سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

آیت ۳۴ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَ الرُّہۡبَانِ لَیَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ﴾

’’اے اہلِ ایمان‘ یقیناً بہت سے علماء اور درویش ہڑپ کرتے ہیں لوگوں کے مال باطل طریقے سے‘‘

مختلف مسلمان اُمتوں میں مذہبی پیشواؤں کے لیے مختلف نام اور القاب رائج رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں انہیں احبار اور رہبان کہا جاتا تھا۔ آیت زیرنظر کے مطابق اس طبقے میں اکثریت ایسے لوگوں کی رہی ہے جو باطل اور ناجائز ذرائع سے مال و دولت جمع کرنے اور جائیداد بنانے کے مکروہ دھندے میں ملوث رہے ہیں۔ ایک عام دنیادار آدمی جائز طریقے سے مال و دولت کماتا ہے یا جائیداد بناتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر ایک ایسا شخص جو دین کی خدمت میں مصروف ہے اور اسی حقیقت سے جانا پہچانا جاتا ہے‘ اگر وہ بھی مال و دولت جمع کرنے اور جائیداد بنانے میں مشغول ہو جائے‘ اور مزید یہ کہ دین کو استعمال کرتے ہوئے اور اپنی دینی حیثیت کو نیلام کرتے ہوئے لوگوں کے مال ہڑپ کرنے لگے اور مال و دولت جمع کرنے ہی کو اپنا مقصدِ زندگی بنالے‘ تو ایسا انسان آسمان کی چھت کے نیچے بدترین انسان ہوگا۔ اپنی امت کے علماء کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک بہت عبرت انگیز حدیث ہے:

عَنْ عَلِيٍّ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((یُوْشِكُ اَنْ یَّاْتِيَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ‘ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُہٗ‘ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَھِیَ خَرَابٌ مِنَ الْھُدٰی‘ عُلَمَاؤُھُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ‘ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ)) (۱)

حضرت علی ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا جب اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے رسم الخط

(۱) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح‘ کتاب العلم‘ الفصل الثالث۔

کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مسجدیں بہت آباد (اور شاندار) ہوں گی مگر وہ ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے‘ فتنہ انہی میں سے برآمد ہوگا اور ان ہی میں لوٹ جائے گا۔‘‘

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ’’اور روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کے راستے سے۔‘‘

جب کوئی دینی تحریک اٹھتی ہے‘ کوئی اللہ کا مخلص بندہ لوگوں کو دین کی طرف بلاتا ہے‘ تو ان مذہبی پیشواؤں کو اپنی مسندیں خطرے میں نظر آتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے عقیدت مند انہیں چھوڑ کر کسی دوسری دعوت کی طرف متوجہ ہوں‘ کیونکہ انہی عقیدت مندوں کے نذرانوں ہی سے تو ان کے دولت کے انباروں میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے اور ان کی جائیدادیں بن رہی ہوتی ہیں۔ وہ آخر کیونکر چاہیں گے کہ اُن کے نام لیوا کسی دوسری دعوت پر لبیک کہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں اپنے پاس سونا اور چاندی اور خرچ نہیں کرتے اس کو اللہ کی راہ میں‘ تو ان کو بشارت دے دیجیے دردناک عذاب کی۔‘‘

اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ سونا اور چاندی اپنے پاس رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ مگر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم‘ حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس رائے سے متفق نہیں تھے۔ چنانچہ دین کا عام قانون اس سلسلے میں یہی ہے کہ اگر کسی نے کوئی مال جائز طریقے سے کمایا ہو اور وہ اس میں سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو تو اس مال کو وہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے‘ چاہے اس کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو اور چاہے وہ سونے یا چاندی ہی کی شکل میں ہو۔ ایسا مال ایک شخص کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو جائز مال کے طور پر قانونِ وراثت کے مطابق منتقل بھی ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانونِ وراثت خود اس بات پر دلیل ہے کہ مال و دولت کو اپنی ملکیت میں رکھنا ناجائز نہیں ہے‘ کیونکہ اگر مال جمع نہیں ہوگا تو وراثت کس چیز کی ہوگی اور قانونِ وراثت کا عملاً کیا مقصد رہ جائے گا؟ اس لحاظ سے قرآن کے وہ احکام روحانی اور اخلاقی تعلیم کے زمرے میں آتے ہیں جن میں بار بار مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس سلسلے میں ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ یعنی جو بھی زائد از ضرورت ہو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود قانونی نقطۂ نظر سے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ سونا‘ چاندی اپنے پاس رکھنا مطلقاً حرام نہیں ہے‘ مگر حضرت ابوذر غفاریؓ اپنی رائے میں کسی قسم کی لچک پیدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ چونکہ آپؓ کے اختلاف کی شدت کے باعث مدینہ کے ماحول میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو رہی تھی‘ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ اس پر آپؓ مدینہ سے نکل گئے اور صحرا میں ایک جھونپڑی بنا کر اس میں رہنے لگے۔

---

(۱) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح‘ کتاب العلم‘ الفصل الثالث۔

میرے نزدیک اس آیت کا حکم احبار اور رہبان یعنی مذہبی پیشواؤں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہیں اور اُن کا اپنا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ ایسے مذہبی پیشواؤں کو لوگ ہدیے دیتے ہیں اور اُن کی مالی معاونت کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکیں۔ جیسے حضور ﷺ خود بیت المال سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے' ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو نان نفقہ بھی دیتے تھے اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کرتے تھے' مگر بیت المال سے کچھ میسر نہ ہونے کی صورت میں فاقے بھی کرتے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مثال بھی ہے۔ چنانچہ ایسے مذہبی پیشواؤں پر بھی لازم ہے کہ وہ دوسروں کے ہدیے اور وظائف صرف معروف انداز میں اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے استعمال میں لائیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اپنی مذکورہ حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دولت اکٹھی کرنا اور جائیدادیں بنانا شروع کر دیں' اور پھر یہ جائیدادیں قانونِ وراثت کے تحت اُن کے ورثاء کو منتقل ہوں تو ایسی صورت میں اِن لوگوں پر اس آیت کے احکام کا حرف بہ حرف انطباق ہوگا۔ چنانچہ آج بھی اگر آپ علمائے حق اور علمائے سو کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو میرے نزدیک یہ آیت اس کے لیے ایک طرح کا لٹمس ٹیسٹ (litmus test) ہے۔ اگر کوئی مذہبی پیشوا یا عالم اپنے دینی کیریئر کے نتیجے میں جائیداد بنا کر اور اپنے پیچھے دولت چھوڑ کر مرا ہو تو وہ بلاشک وشبہ علمائے سُو میں سے ہے۔

آیت ۳۵ ﴿يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ﴾ ''جس دن ان (سونے اور چاندی) کو تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں اور پھر داغا جائے گا ان سے ان کی پیشانیوں' ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو۔''

﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۳۵﴾ ''(اور ساتھ کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے اکٹھا کیا تھا' تو اب چکھو مزا اس کا جو کچھ تم جمع کرتے تھے۔''

آیات ۳۶' ۳۷

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۳۶ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــــُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۳۷ۧ

ع ۵ ۸

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے' اللہ کے قانون میں' جس دن سے اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو''

اللہ کے قائم کردہ تکوینی نظام اور تشریعی قانون کے تحت مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کی گئی ہے۔

﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ''ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔''

ان چار مہینوں (ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب) کو''اشہر حرم'' کہتے ہیں اور ان میں جنگ وغیرہ جائز نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''یہی ہے سیدھا دین' تو ان کے معاملے میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو''

قانونِ خداوندی کے مطابق یہ چار مہینے شروع سے محترم ہیں' لٰہذا تم لوگ ان مہینوں کے بارے میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اس میں قریش کے اس رواج کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت وہ محترم مہینوں کو اپنی مرضی سے بدلتے رہتے تھے۔ کسی مہم یا لڑائی کے دوران میں اگر کوئی ماہِ حرام آ جاتا تو اس مہینے کے احترام میں جنگ وجدال بند کرنے کے بجائے وہ اعلان کر دیتے کہ اس سال اس مہینے کے بجائے فلاں مہینہ ماہِ حرام کے طور پر منایا جائے گا۔ اس طرح انہوں نے پورا کیلنڈر گڈمڈ کر رکھا تھا۔ لیکن مہینوں کے اَدل بدل اور الٹ پھیر سے گزرتے ہوئے قدرتِ خداوندی سے ۱۰ ہجری میں کیلنڈر واپس اپنی اصلی حالت پر پہنچ گیا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ((اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ......))(۱) یعنی زمانے کی یہ تقویم (کیلنڈر) پورا چکر لگا کر ساری غلطیوں اور ترامیم میں سے گزرتے ہوئے اب ٹھیک اسی جگہ پر پہنچ گئی ہے جس پر اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۳۶﴾ ''اور مشرکین سے سب مل کر جنگ کرو جیسے وہ سب اکٹھے ہو کر تم سے جنگ کرتے ہیں' اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''یہ مہینوں کو ہٹا کر آگے پیچھے کر لینا تو کفر میں ایک اضافہ ہے' جس کے ذریعے سے گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا''

یعنی امن کے مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں مزید ایک کافرانہ حرکت ہے۔

﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''ایک سال حلال کر لیتے ہیں اس (مہینے) کو اور ایک سال اسے حرام قرار دیتے ہیں' تاکہ تعداد پوری کر لیں اس کی جو اللہ نے حرام

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق و کتاب المغازی و کتاب تفسیر القرآن' باب قولہ ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ ...... وصحیح مسلم' کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات' باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

ٹھہرائے ہیں''

﴿ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''اور (اس طرح) حلال کر لیتے وہ (مہینہ) جو اللہ نے حرام کیا ہے۔''
یعنی اس طرح اُلٹ پھیر کر کے وہ ان مہینوں کو حلال کر لیتے جو اصل میں اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں۔ مشرکینِ عرب بھی بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو محترم مانتے تھے مگر اپنی مرضی سے ان مہینوں کو آگے پیچھے کرتے رہتے اور سال کے آخر تک ان کی تعداد پوری کر دیتے۔

﴿ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ﴾ ''(اسی طرح) ان کے لیے مزین کر دیے گئے اُن کے بُرے اعمال۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یہاں وہ پانچ رکوع ختم ہوئے جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خصوصی سے ہے۔ اِن آیات میں اس سلسلے میں تکمیلی اور آخری احکام دے دیے گئے ہیں۔ اب چھٹے رکوع سے غزوۂ تبوک کے موضوع کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کے پس منظر کے ضمن میں چند باتیں پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں۔

سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے عرب سے باہر مختلف فرمانرواؤں کی طرف اپنے خطوط اور ایلچی بھیجنے شروع کیے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا نامہ مبارک بصرٰی (شام) کے رئیس شرحبیل بن عمرو کی طرف بھی بھیجا گیا۔ یہ شخص رومن ایمپائر کا باج گزار تھا۔ اس کے پاس حضور ﷺ کا نامہ مبارک حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ شرحبیل نے تمام اخلاقی وسفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کرا دیا۔ لہٰذا سفیر کے قتل کو اعلانِ جنگ سمجھتے ہوئے حضور ﷺ نے تین ہزار صحابہؓ پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت شام کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر مُوتہ پہنچا تو انہوں نے ایک لاکھ رومیوں کا لشکر اپنے خلاف صف آرا پایا۔ مخالف لشکر کی تعداد کا اندازہ کرنے کے بعد مسلمانوں میں مقابلہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مشورہ ہوا۔ چنانچہ شوقِ شہادت میں انہوں نے مقابلے کا فیصلہ کیا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی! (اقبالؔ)

جمادی الاولیٰ ۸ ہجری کو ان دونوں لشکروں کے درمیان مُوتہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ مسلمان لشکر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے علاوہ خصوصی طور پر دو مزید کمانڈر بھی مقرر فرمائے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب (جعفر طیارؓ) کمان سنبھالیں گے' اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ لشکر کے امیر ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے مقرر کردہ تینوں کمانڈر اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے از خود لشکر کی کمان سنبھالی' اور کامیاب حکمتِ عملی کے تحت اپنے لشکر کو رومیوں کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

جنگِ مُوتہ سے پیدا ہونے والی صورت حال میں حضور ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا کہ رومیوں کے مقابلے کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ایک بڑا لشکر تبوک کے لیے روانہ کیا جائے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ

نے خود لشکر کے ساتھ جانے کا فیصلہ فرمایا۔ تبوک مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً ساڑھے تین سو میل کی مسافت پر حجاز کا آخری شہر ہے۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں سے آگے اس زمانے میں رومن ایمپائر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے آپ ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا تھا۔ یعنی جنگ کے قابل ہر صاحبِ ایمان شخص کے لیے فرض تھا کہ وہ اس مہم میں شریک ہو۔ یہ اہلِ ایمان کے لیے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ قحط کا زمانہ‘ شدید گرمی کا موسم‘ طویل صحرائی سفر‘ وقت کی سپر پاور سے مقابلہ اور سب پر مستزاد یہ کہ فصل سنبھالنے کا موسم سر پر کھڑا تھا۔ گویا ایک سے بڑھ کر ایک مسئلہ تھا اور ایک سے بڑھ کر ایک امتحان! مدینہ کے بیشتر لوگوں کی سال بھر کی معیشت کا دارومدار کھجور کی فصل پر تھا‘ جو اس وقت پک کر تیار کھڑی تھی۔ مہم پر نکلنے کا مطلب یہ تھا کہ پکی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر ہی چھوڑ کر جانا ہوگا۔ عورتیں چونکہ کھجوروں کو درختوں سے اتارنے کا مشکل کام نہیں کر سکتی تھیں‘ اس لیے پکی پکائی فصل ضائع جاتی صاف نظر آ رہی تھی۔

دوسری طرف اس مہم کا اعلان منافقین پر بہت بھاری ثابت ہوا اور ان کی ساری خباثتیں اس کی وجہ سے طشت از بام ہو گئیں۔ چنانچہ آئندہ گیارہ رکوعوں کی آیات اپنے اندر اس سلسلے کے چھوٹے بڑے بہت سے موضوعات سمیٹے ہوئے ہیں‘ مگر دوسرے مضامین کے درمیان میں ایک مضمون جو مسلسل چل رہا ہے وہ منافقین کا تذکرہ ہے۔ گویا یہ مضمون ایک دھاگہ ہے جس میں دوسرے مضامین موتیوں کی طرح پروئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلے سورۃ النساء میں منافقین کا ذکر بڑی تفصیل سے آ چکا ہے‘ لیکن آئندہ گیارہ رکوع اس موضوع پر قرآن کے ذروۂ سنام کا درجہ رکھتے ہیں۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک تشریف لے گئے۔ مقابل میں اگرچہ ہرقل (قیصر روم) بنفس نفیس موجود تھا‘ لیکن شاید وہ پہچان چکا تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں‘ چنانچہ وہ مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ حضور ﷺ نے کچھ عرصہ تبوک میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں اردگرد کے بہت سے قبائل نے آ کر آپؐ سے معاہدے کیے۔ اس مہم میں اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مسلمان لشکر کا مدینہ سے تبوک جا کر رومن ایمپائر کی سرحدوں پر دستک دینا اور ہرقل کا مقابلہ کرنے کی بجائے کنی کترا جانا‘ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ چنانچہ نہ صرف اس علاقے میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی بلکہ اسلامی ریاست کی سرحدیں عملی طور پر تبوک تک وسیع ہو گئیں۔ دوسری طرف جنگ موتہ کی وجہ سے مسلمانوں کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی بھرپور انداز میں تلافی ہو گئی۔ سلطنتِ روم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا یہ سلسلہ جو غزوۂ تبوک کی صورت میں شروع ہوا‘ اس میں مزید پیش رفت دورِ صدیقیؓ میں ہوئی۔ حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مدینہ سے لشکرِ اسامہؓ کی روانگی بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی۔

آیات ۳۸ تا ۴۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔـا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝ اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَـرَجۡنَا مَعَكُمۡ‌ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝

آیت ۳۸ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انۡفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ ؕ﴾ ’’اے ایمان کے دعوے دارو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم دھنسے جاتے ہو زمین کی طرف۔‘‘

اگرچہ یہ وضاحت سورۃ النساء میں بھی ہو چکی ہے مگر اس نکتے کو دوبارہ ذہن نشین کر لیں کہ قرآن حکیم میں منافقین سے خطاب ’’يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‘‘ کے صیغے میں ہی ہوتا ہے‘ کیونکہ ایمان کا دعویٰ تو وہ بھی کرتے تھے اور قانونی اور ظاہری طور پر وہ بھی مسلمان تھے۔

﴿اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ﴾ ’’(سوچو!) کیا تم نے آخرت کی بجائے دُنیا کی زندگی کو قبول کر لیا ہے؟‘‘

یہ بھی ایک متجسسانہ سوال (searching question) ہے۔ یعنی تم دعویدار تو ہو ایمان بالآخرت کے‘ لیکن اگر تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنے کو تیار نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آخرت ہاتھ سے دے کر دنیا کے خریدار بنتے جا رہے ہو۔ تم آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔

﴿فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۝۳۸﴾ ’’تو (جان لو کہ) دنیا کی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔـا ؕ﴾ ’’اگر تم نہیں نکلو گے (اللہ کی راہ میں تو) وہ تمہیں عذاب دے گا دردناک عذاب اور تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا‘ اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکو گے۔‘‘

اللہ کو تو اپنے دین کا جھنڈا اُٹھوانا ہے‘ اگر تم نہیں اٹھاؤ گے تو تمہیں ہٹا کر اس مقصد کے لیے کسی اور قوم کو آگے لے آئے گا۔

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ ''اگر تم ان (رسول اللہ ﷺ) کی مدد نہیں کرو گے تو (کچھ پروا نہیں) اللہ نے تو اُس وقت انؐ کی مدد کی تھی''

﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ﴾ ''جب کافروں نے انؐ کو (مکہ سے) نکال دیا تھا (اس حال میں کہ) آپؐ دو میں کے دوسرے تھے' جب کہ وہ دونوں غار میں تھے''

یعنی وہ صرف دو اشخاص تھے' محمد رسول اللہ ﷺ خود اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ''جبکہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ حضورؐ یہ لوگ تو غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں' اگر کسی نے ذرا بھی نیچے جھانک کر دیکھ لیا تو ہم نظر آ جائیں گے' تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ غم اور فکر مت کریں' اللہ ہمارے ساتھ ہے!

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''تو اللہ نے اپنی سکینت نازل فرمائی انؐ پر اور انؐ کی مدد فرمائی ان لشکروں سے جنہیں تم نہیں دیکھتے''

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ ''اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔''

اس واقعے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر کافر زیر ہو گئے اور پورے جزیرہ نمائے عرب کے اندر اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ ''اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے اونچا ہے' اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۴۱ ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ ''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل''

یہ جو ہلکے اور بوجھل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس سے ان لوگوں کی کیفیت مراد ہے' اور اس کیفیت کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک پہلو تو داخلی ہے' یعنی بوجھل دل کے ساتھ نکلو یا آمادگی کے ساتھ' اب نکلنا تو پڑے گا' کیونکہ اب بات صرف تحریض و ترغیب تک نہیں رہی' بلکہ جہاد کے لیے نفیرِ عام ہو چکی ہے' لہٰذا اب اللہ کے رستے میں نکلنا فرضِ عین ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو خارجی ہے اور اس پہلو سے مفہوم یہ ہو گا کہ چاہے تمہارے پاس ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ کافی ہے تب بھی نکلو اور اگر ساز و سامان کم ہے تب بھی۔

﴿وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

آیت ۴۲ ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَیْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ ''اگر

مالِ غنیمت قریب ہوتا اور سفر بھی چھوٹا ہوتا تو (اے نبی ﷺ) یہ آپ کی پیروی کرتے‘ لیکن ان کو تو بڑی بھاری پڑ رہی ہے دُور کی مسافت۔‘‘

اگر ان منافقین کو توقع ہوتی کہ مالِ غنیمت آسانی سے مل جائے گا اور ہدف بھی کہیں قریب ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپؐ کا ساتھ دیتے‘ مگر اب تو حالت یہ ہے کہ تبوک کی مسافت کا سن کر ان کے دل بیٹھے جا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپؐ کسی بھی مہم کے ہدف وغیرہ کو ہمیشہ صیغہ راز میں رکھتے تھے۔ جنگ یا مہم کے لیے نکلنا ہوتا تو تیاری کا حکم دے دیا جاتا‘ مگر یہ نہ بتایا جاتا کہ کہاں جانا ہے اور منصوبہ کیا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے منصوبہ کو بھی آخر وقت تک خفیہ رکھا گیا تھا۔ مگر غزوۂ تبوک کی تیاری کے حکم کے ساتھ ہی آپؐ نے تمام تفصیلات بھی علی الاعلان سب کو بتا دی تھیں کہ لشکر کی منزلِ مقصود تبوک ہے اور ہمارا ٹکراؤ سلطنتِ روما سے ہے‘ تاکہ ہر شخص ہر لحاظ سے اپنا جائزہ لے لے اور داخلی و خارجی دونوں پہلوؤں سے تیاری کر لے۔ ساز و سامان بھی مہیا کر لے اور اپنے حوصلے کی بھی جانچ پرکھ کر لے۔

﴿وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ﴾ ’’اور عنقریب یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہمارے اندر استطاعت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تم لوگوں کے ساتھ۔‘‘

یعنی قسمیں کھا کھا کر بہانے بنائیں گے اور اپنی فرضی مجبوریوں کا رونا روئیں گے۔

﴿يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ’’یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں‘ اور اللہ کو معلوم ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔‘‘

آیات ۴۳ تا ۶۰

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ

اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ (ع ۱۳) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

آیت ۴۳ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اللہ آپ کو معاف فرمائے (یا اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا) آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟''

یعنی آپ ﷺ کے پاس کوئی منافق آیا اور اپنی کسی مجبوری کا بہانہ بنا کر جہاد سے رخصت چاہی تو آپ ﷺ نے اپنی نرم مزاجی کی وجہ سے اسے اجازت دے دی۔ اب اس شخص کو تو گویا سند مل گئی کہ میں نے حضور ﷺ سے رخصت لی ہے۔ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ تو اس کا تھا ہی نہیں، مگر اجازت مل جانے سے اس کی منافقت کا پردہ چاک نہیں ہوا۔ اجازت نہ ملتی تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا کہ اُس نے حضور ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ اس طرح کئی منافقین آئے اور اپنی مجبوریوں کا بہانہ بنا کر آپ ﷺ سے رخصت لے گئے۔

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾ ''یہاں تک کہ آپؐ کے لیے واضح ہو جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور آپؐ (یہ بھی) جان لیتے کہ کون جھوٹے ہیں۔''

آیت ۴۴ ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾ ''وہ لوگ جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپؐ سے اجازت کے طالب ہو ہی نہیں سکتے کہ وہ جہاد نہ کریں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔''

سچے مؤمن ایسی صورتِ حال میں ایسا کبھی نہیں کر سکتے کہ وہ جہاد سے معافی کے لیے درخواست کریں' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ایمان کی جو تعریف (definition) کی گئی ہے اس میں تصدیق قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان کے ارکان قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کا ذکر سورۃ الانفال کی آیت ۲ اور آیت ۷۴ کے ضمن میں بھی گزر چکا ہے۔ اس میں جہاد فی سبیل اللہ کو واضح طور پر ایمان کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴﴾ ''اور اللہ متقی بندوں سے خوب واقف ہے۔''

آیت ۴۵ ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''آپؐ سے رخصت تو وہی مانگ رہے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور ان کے دل شکوک میں پڑ گئے ہیں''

یہاں سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت کے الفاظ ''ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا'' ذہن میں دوبارہ تازہ کر لیجیے کہ مؤمن تو وہی ہیں جو ایمان لانے کے بعد شک میں نہ پڑیں' اور یہاں ''وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ'' کے الفاظ سے واضح فرما دیا کہ ان منافقین کے دلوں کے اندر تو شکوک و شبہات مستقل طور پر ڈیرے ڈال چکے ہیں۔

﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور وہ اپنے اسی شک و شبہ کے اندر متردّد ہیں۔''

اپنے ایمان کے اندر پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کی وجہ سے وہ تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں اور جہاد کے لیے نکلنے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے۔ کبھی اُن کو مسلمانوں کے ساتھ چلنے میں مصلحت نظر آتی کہ نہ جانے سے ایمان کا ظاہری بھرم بھی جاتا رہے گا' مگر پھر فوراً ہی مسافت کی مشقت کے تصور سے دل بیٹھ جاتا' دُنیوی مفادات کا تصور پاؤں کی بیڑی بن جاتا اور پھر سے جھوٹے بہانے بننے شروع ہو جاتے۔

آیت ۴۶ ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ ''اور اگر انہوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لیے ساز و سامان فراہم کرتے''

ایسے طویل اور کٹھن سفر کے لیے بھرپور تیاری کی ضرورت تھی' بہت سا ساز و سامان درکار تھا' مگر اس کے لیے اُن کا کچھ بھی تیاری نہ کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا خود ہی ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے جانے کا ارادہ تک نہیں کیا۔

﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶﴾ ''لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے پسند ہی نہیں کیا اُن کا اٹھنا (اور نکلنا) تو ان کو روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو تم بھی بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔''

اس فرمان میں جو حکمت تھی اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی گئی:

آیت ۴۷ ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ ''اگر یہ نکلتے (اے مسلمانو!) تمہارے ساتھ تو ہرگز اضافہ نہ کرتے تمہارے لیے مگر خرابی ہی کا''

اُن کے دلوں میں چونکہ روگ تھا' اس لیے لشکر کے ساتھ جا کر بھی یہ لوگ فتنے ہی اٹھاتے' لڑائی جھگڑا کرانے کی کوشش کرتے اور سازشیں کرتے۔ لہٰذا ان کے بیٹھے رہنے اور سفر میں آپ لوگوں کے ساتھ نہ جانے میں بھی بہتری پوشیدہ تھی۔ گویا بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح خیر ہی خیر ہے' جبکہ منافق کے لیے ہر حالت میں شر ہی شر ہے۔

﴿وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ ''اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے مابین' فتنہ پیدا کرنے کے لیے۔''

﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷﴾ ''اور تمہارے اندر ان کے جاسوس بھی ہیں۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔''

اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ ''تمہارے درمیان ان کی باتیں سننے والے بھی ہیں''۔ یعنی تمہارے درمیان ایسے نیک دل اور سادہ لوح مسلمان بھی ہیں جو ان منافقین کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کے اِن منافقین کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی ہیں اور وہ ان کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے اور کوئی فتنہ اٹھاتے تو عین ممکن تھا کہ تمہارے وہ ساتھی اپنی سادہ لوحی کے باعث اُن کے اٹھائے ہوئے فتنے کا شکار ہو جاتے۔

آیت ۴۸ ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''یہ پہلے بھی فتنہ اٹھاتے رہے ہیں''

یاد رہے کہ یہی لفظ ''فتنہ'' اس حدیث میں بھی آیا ہے جس کا ذکر علمائے سوء کے کردار کے سلسلے میں قبل ازیں آیت ۳۴ کے ضمن میں ہو چکا ہے: ((عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) یعنی ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین لوگ ہوں گے' فتنہ ان ہی میں سے برآمد ہوگا اور ان ہی میں پلٹ جائے گا''۔ یعنی وہ آپس میں لڑائی جھگڑوں' فتویٰ پردازیوں اور تفرقہ بازیوں میں مصروف ہوں گے۔

﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کے لیے معاملات کو الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں''

یہ لوگ اپنی امکانی حد تک کوشش کرتے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے معاملات کو تلپٹ کر دیں۔

﴿حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۴۸﴾ ''یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا امر غالب ہو گیا اور انہیں یہ پسند نہیں تھا۔''

یعنی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ان لوگوں کی خواہشوں اور کوششوں کے علی الرغم اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

آیت ۴۹ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ﴾ ''اور ان میں سے وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔''

یہ منافق اور مردود شخص جد بن قیس تھا (لعنۃ اللہ علیہ)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لیے

تیاری کا اعلان فرمایا تو یہ شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عجیب استہزائیہ انداز میں آپ ﷺ سے رخصت چاہی کہ حضور مجھے تو رہنے ہی دیں ٗ کیونکہ میں حسن پرست قسم کا انسان ہوں اور لشکر جا رہا ہے شام کے علاقے کی طرف ٗ جہاں کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ میں وہاں کی خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکوں گا اور فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا ٗ لہٰذا آپ مجھے اس فتنے میں مت ڈالیں اور مجھے پیچھے ہی رہنے دیں۔

﴿اَلَا فِی الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ فتنے میں تو یہ لوگ پڑ چکے۔''

یعنی یہ شخص اور اس کے دوسرے ساتھی تو پہلے ہی بدترین فتنے کا شکار ہو چکے ہیں جو اس طرح کے بہانے تراشنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ رویہ جس سوچ کی غمازی کر رہا ہے اس سے مزید بڑا فتنہ اور کون سا ہوگا!

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۝۴۹﴾ ''اور یقیناً جہنم ان کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

آیت ۵۰ ﴿اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ) اگر آپ کو کوئی اچھی بات پہنچتی ہے تو انہیں وہ بُری لگتی ہے۔''

اگر آپ ﷺ کو کہیں سے کوئی کامیابی ملتی ہے ٗ کوئی اچھی خبر آپؐ کے لیے آتی ہے تو انہیں یہ سب کچھ ناگوار لگتا ہے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''اور اگر آپؐ کو کوئی تکلیف آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی درست کر لیا تھا''

کہ ہم کوئی ان لوگوں کی طرح بے وقوف تھوڑے ہیں ٗ ہم نے تو پہلے ہی ان برے حالات سے اپنی حفاظت کا بندوبست کر لیا تھا۔

﴿وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ۝۵۰﴾ ''اور وہ لوٹ جاتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔''

وہ اس صورتِ حال میں بڑے شاداں و فرحاں پھرتے ہیں کہ مسلمانوں پر مصیبت آ گئی اور ہم بچ گئے۔

اگلی دو آیات معرکۂ حق و باطل میں ایک بندۂ مؤمن کے لیے بہت بڑا ہتھیار ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو یہ دونوں آیات زبانی یاد کر لینی چاہئیں۔

آیت ۵۱ ﴿قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا مولا ہے۔''

ہم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ ہی کی مرضی اور اجازت سے آتی ہے۔ اس کے اذن کے بغیر کائنات میں ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ ہمارا کارساز اور پروردگار ہے۔ اگر اس کی مشیت ہو کہ ہمیں کوئی تکلیف آئے تو سر آنکھوں پر ع ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے''۔ جو اس کی رضا ہو ہم بھی اسی پر راضی ہیں۔ اگر اُس کی طرف سے کوئی تکلیف آ جائے تو اس میں بھی ہمارے لیے خیر ہے ع ''ہر چہ ساقئ ما ریخت عین الطاف است'' (ہمارا ساقی ہمارے پیالے میں جو بھی ڈال دے اس کا لطف و کرم ہی ہے)۔ محبوب کی شمشیر سے ذبح ہونا یقیناً بہت بڑے اعزاز کی بات ہے اور یہ اعزاز کسی غیر کے نصیب میں کیوں ہو ٗ جبکہ ہماری گردنیں ہر وقت اس

سعادت کے لیے حاضر ہیں: ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت　　　　سرِ دوستاں سلامت کہ تُو خنجر آزمائی!

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾﴾ ''اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔''

آیت ۵۲ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ﴾ ''(ان سے) کہیے کہ تم ہمارے بارے میں کس شے کا انتظار کر سکتے ہو سوائے دو نہایت عمدہ چیزوں میں سے کسی ایک کے!''

اَلْحُسْنَيَيْنِ' الحُسْنٰی کی تثنیہ ہے' جو اَحْسَن کی مؤنث ہے۔ یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ چنانچہ اَلْحُسْنَيَيْنِ کے معنی ہیں دو نہایت احسن صورتیں۔ جب کوئی بندۂ مؤمن اللہ کے راستے میں کسی مہم پر نکلتا ہے تو اس کے لیے تو دونوں امکانی صورتیں ہی احسن ہیں' اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو وہ بھی احسن: ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن　　　　نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی! (اقبالؔ)

اور اگر کامیاب ہو کر آ جائیں تو بھی احسن۔ دونوں صورتوں میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ تیسری کوئی صورت تو ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ایک بندۂ مؤمن کو خوف کا ہے کا؟ ؎

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگرؔ

جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں!

﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ﴾ ''اور (اے منافقو!) ہم منتظر ہیں تمہارے بارے میں کہ اللہ تمہیں پہنچائے کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں''

ہمیں بھی تمہارے بارے میں انتظار ہے کہ تمہارے کرتوتوں کے سبب اللہ تعالیٰ تم پر خود کوئی عذاب نازل کر دے یا عین ممکن ہے کہ کبھی ہمیں اجازت دے دی جائے اور ہم تمہاری گردنیں اڑائیں۔

﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾﴾ ''تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ چاہے خوشی سے خرچ کرو یا مجبوری سے' تم سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ تم نافرمان لوگ ہو۔''

یہاں منافقین کے ایک دوسرے حربے کا ذکر ہے کہ کچھ مال اسباب چندے کے طور پر لے آئے اور بہانہ بنایا کہ مجھے فلاں فلاں مجبوری ہے' میں خود تو جانے سے معذور ہوں' مجھے رخصت دے دیں اور یہ ساز و سامان قبول کر لیں۔ ایسی صورتِ حال کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اب جبکہ جہاد کے لیے بنفس نفیس نکلنا فرضِ عین ہے' اس صورتِ حال میں روپیہ پیسہ اور ساز و سامان اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ ''اور نہیں مانع ہوئی کوئی چیز کہ ان سے ان کے نفقات (اموال کا خرچ کرنا) کو قبول کیا جاتا' مگر یہ کہ انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ''

﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾﴾ ''اور وہ نماز کے

لیے نہیں آتے مگر بہت ہی کسل مندی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر کراہت کے ساتھ۔''

یعنی اب جو چندہ یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہ تو جان بچانے کے لیے دے رہے ہیں کہ ہم سے ساز و سامان لے لیا جائے اور ہمیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

آیت ۵۵ ﴿فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ‌ ؕ﴾ ''تو (اے نبیﷺ!) آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد سے تعجب نہ ہو۔''

ان کو دیکھ کر آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مال و دولت اور اولاد کی کثرت ان کے لیے اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے' بلکہ ایسے لوگوں کو تو اللہ ایسی نعمتیں اس لیے دیتا ہے کہ ان کا حساب اسی دنیا میں بے باق ہو جائے اور آخرت میں ان کے لیے کچھ نہ بچے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات دنیا کی انہی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ انسان کے لیے باعثِ عذاب بنا دیتا ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ ''اللہ تو چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں دُنیوی زندگی میں عذاب دے''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ یہی اولاد جس کو انسان بڑے لاڈ پیار اور ارمانوں سے پال پوس کر بڑا کرتا ہے اس کے لیے سوہانِ روح بن جائے اور یہی مال و دولت جسے وہ جان جوکھوں میں ڈال کر جمع کرتا ہے اس کی جان کا وبال ثابت ہو۔

﴿وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۞﴾ ''اور ان کی جانیں نکلیں اسی کفر کی حالت میں۔''

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں اپنی دولت ہی سے لپٹے رہیں اور اپنی اولاد کی محبت میں اس قدر مگن رہیں کہ جیتے جی انہیں آنکھ کھول کر حق کو دیکھنے اور پہچاننے کی فرصت ہی نصیب نہ ہو' اور اسی حالت میں یہ لوگ آخری عذاب کے مستحق بن جائیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ﴾ ''اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔''

ہم بھی مسلمان ہیں' آپ لوگوں کے ساتھی ہیں' ہماری بات کا اعتبار کیجیے۔

﴿وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰـكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ۞﴾ ''لیکن (اے مسلمانو! حقیقت میں) یہ لوگ تم میں سے نہیں ہیں' بلکہ اصل میں یہ ڈرے ہوئے لوگ ہیں۔''

اصل میں یہ لوگ اسلام کے غلبے کے تصور سے خوفزدہ ہیں اور خوف کے مارے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں۔

آیت ۵۷ ﴿لَوۡ يَجِدُوۡنَ مَلۡجَاً اَوۡ مَغٰرٰتٍ اَوۡ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوۡا اِلَيۡهِ وَهُمۡ يَجۡمَحُوۡنَ ۞﴾ ''اگر یہ پا لیں کہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سر چھپانے کی جگہ' تو یہ اس کی طرف بھاگ جائیں اپنی رسیاں

تڑاتے ہوئے۔''

جیسے کوئی جانور خوف کے مارے اپنی رسی تڑا کر بھاگتا ہے' اسی طرح کی کیفیت ان پر بھی طاری ہے۔ اس اضطراری کیفیت میں اگر جزیرہ نمائے عرب میں انہیں کہیں بھی کوئی پناہ گاہ مل جاتی یا کسی بھی طرح کا کوئی ٹھکانہ جان بچانے کے لیے نظر آجاتا تو وہ خوف کے مارے یہاں سے بھاگ گئے ہوتے۔

آیت ۵۸ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) ان میں سے وہ بھی ہیں جو آپ پر الزام لگاتے ہیں صدقات کے بارے میں۔''

زکوٰۃ وصدقات کا مال رسول اللہ ﷺ خود تقسیم فرماتے تھے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ مال کی تقسیم کے دوران ایک منافق نے آپ ﷺ کو ٹوک دیا: يَا مُحَمَّدُ اعْدِلْ ''اے محمدؐ انصاف (کے ساتھ تقسیم) کیجیے!'' اس کی مراد یہ تھی کہ آپ ناانصافی کر رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ کو غصہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ......))[1] ''تم برباد ہو جاؤ' اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟''

﴿فَإِنْ أُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۝۵۸﴾ ''تو اگر اس میں سے انہیں (خاطر خواہ) دے دیا جائے تو یہ راضی رہتے ہیں اور اگر اس میں سے انہیں (اس قدر) نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝۵۹﴾ ''اور اگر وہ راضی رہتے اس پر جو کچھ دیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے' اور وہ کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے' عنقریب اللہ اور اس کے رسولؐ ہمیں (پھر بھی) اپنے فضل سے نوازتے رہیں گے' یقیناً ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)۔''

اگر ان لوگوں کی سوچ مثبت ہوتی اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اب وہ مشہور آیت آرہی ہے جس میں زکوٰۃ کے مصارف بیان ہوئے ہیں۔

آیت ۶۰ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ ''صدقات تو بس مفلسوں اور محتاجوں اور عاملینِ صدقات کے لیے ہیں''

صدقات سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا میں محکمہ زکوٰۃ کے چھوٹے بڑے تمام ملازمین شامل ہیں جو زکوٰۃ اکٹھی کرنے' اس کا حساب رکھنے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے یا اس محکمہ میں کسی بھی حیثیت میں مامور ہیں' ان سب ملازمین کی تنخواہیں اسی زکوٰۃ میں سے دی جائیں گی۔

﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''اور ان کے لیے جن کی تالیف قلوب مطلوب ہو''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب ما جاء فی قول الرجل ویلك۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب ذکر الخوارج وصفاتھم۔ واللفظ للمسلم۔ راوی: جابر بن عبد اللہ ؓ۔

جب دین کی تحریک اور دعوت چل رہی ہو تو معاشرے کے بعض صاحبِ حیثیت افراد کی تالیفِ قلوب کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے تاکہ ایسے لوگوں کو کچھ دے دلا کر اُن کی مخالفت کا زور کم کیا جا سکے۔ فقہاء کے نزدیک دین کے غالب ہو جانے کے بعد یہ مد ختم ہو گئی ہے' لیکن اگر پھر کبھی اس قسم کی صورتحال درپیش ہو تو یہ مد پھر سے بحال ہو جائے گی۔

﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ ''اور گردنوں کے چھڑانے میں' اور جن پر تاوان پڑا ہو (ان کے لیے)''

ایسا مقروض جو قرض کے بوجھ سے نکلنے کی مقدرت نہ رکھتا ہو یا ایسا شخص جس پر کوئی تاوان پڑ گیا ہو' ایسے لوگوں کی گلوخلاصی کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جا سکتی ہے۔

﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں''

یعنی اللہ کی راہ میں جہاد میں اور دعوت و اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں بھی یہ رقم خرچ ہو سکتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کے سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ پہلی ترجیح کے طور پر اولین مستحقین وہ غرباء' یتامیٰ' مساکین اور بیوائیں ہیں جو واقعی محتاج ہوں۔ البتہ اگر زکوٰۃ کی کچھ رقم ایسے لوگوں کی مدد کے بعد بچ جائے تو وہ دین کے دوسرے کاموں میں صرف کی جا سکتی ہے۔

﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰﴾ ''اور مسافروں (کی امداد) میں۔ یہ اللہ کی طرف سے معین ہو گیا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ کے الفاظ احکامِ وراثت کے سلسلے میں سورۃ النساء کی آیت ۱۱ میں بھی آئے ہیں۔

آیات ۶۱ تا ۶۶

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝۶۳ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶ۧ

ع ۸
۱۴

آیت ۶۱ ﴿وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ﴾ ''اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں۔''

یہ تو نرے کان ہی کان ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں اور ہم جو بھی جھوٹا سچا بہانہ بناتے ہیں اسے مان لیتے ہیں' گویا بالکل ہی بے بصیرت ہیں (معاذ اللہ!) وہ ایسی باتیں کر کے رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے تھے اور آپؐ کو اذیت پہنچاتے تھے۔

﴿قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّـكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''آپؐ کہیے کہ یہ کان تمہاری بہتری کے لیے ہیں' وہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور بات مان لیتے ہیں اہلِ ایمان کی۔''

یہاں پر ''یُؤۡمِنُ'' کے ساتھ ''ب'' اور ''ل'' کے استعمال سے معنی کا واضح فرق ملاحظہ ہو۔ آمَنَ یُؤۡمِنُ 'ب' کے ساتھ ایمان لانے اور 'ل' کے ساتھ بات ماننے اور یقین کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ہمارے رسول ﷺ جانتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو مگر یہ آپ ﷺ کی شرافت' نجابت اور مروّت ہے کہ تمہاری جھوٹی باتیں سن کر بھی تمہیں یہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہارا پول نہیں کھولتے۔ یہ تمہاری حماقت کی انتہا ہے کہ تم اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تم لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی بصیرت کا کچھ بھی اندازہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے رسولؐ ہیں' جبکہ ایک بندۂ مؤمن کی بصیرت کی بھی کیفیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' از روئے حدیثِ نبویؐ: ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))(۱)

﴿وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ؕ﴾ ''اور جو تم میں سے واقعی مؤمن ہیں ان کے حق میں رحمت ہیں۔''

﴿وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۶۱﴾ ''اور جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول (ﷺ) کو ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَـكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ ۚ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں۔''

اس مہم کی تیاری کے دوران منافقین کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جھوٹے بہانے بنا کر رسول اللہ ﷺ سے رخصت لے لیتے' اور پھر قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو بھی یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم آپ کے مخلص ساتھی ہیں' آپ لوگ ہم پر شک نہ کریں۔

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝۶۲﴾ ''اللہ اور اس کا رسولؐ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ واقعتاً مؤمن ہیں۔''

آیت ۶۳ ﴿اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ۝۶۳﴾ ''کیا وہ جانتے نہیں کہ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کرے گا تو اُس کے لیے

---

(۱) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ الحجر۔

جہنم کی آگ ہے‘ جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔‘‘

آیت ۶۴ ﴿یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ بِمَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ﴾ ’’یہ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کو ہمارے دلوں کی حالت بتا دے۔‘‘

ان کے دلوں میں چونکہ چور ہے اس لیے انہیں ہر وقت یہ دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ کہیں وحی کے ذریعے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک نہ کر دیا جائے۔

﴿قُلِ اسۡتَہۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰہَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ’’آپؐ کہیے کہ ابھی تم استہزاء کرتے رہو‘ یقیناً (ایک وقت آئے گا کہ) اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈر رہے ہو۔‘‘

آیت ۶۵ ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ﴾ ’’اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ منافقین جو آئے دن آپؐ اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں‘ اگر آپؐ اس کے بارے میں ان سے باز پرس کریں تو فوراً کہیں گے کہ ہماری گفتگو سنجیدہ نوعیت کی نہیں تھی‘ ہم تو ویسے ہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔

﴿قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾﴾ ’’آپؐ کہیے کیا تم اللہ‘ اُس کی آیات اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ استہزاء کر رہے تھے؟‘‘

تو کیا اب ع ’’بازی بازی بارِیش بابا ہم بازی!‘‘ کے مصداق اللہ‘ اس کی آیات اور اس کا رسول ﷺ بھی تمہارے استہزاء اور تمسخر کا تختۂ مشق بنیں گے؟

آیت ۶۶ ﴿لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ ؕ﴾ ’’اب بہانے مت بناؤ‘ تم کفر کر چکے ہو اپنے ایمان کے بعد۔‘‘

﴿اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَۃٍ مِّنۡکُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَۃًۢ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۶۶﴾﴾ ’’اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے درگزر بھی کر لیں گے تو کسی دوسری جماعت کو عذاب بھی دیں گے‘ اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔‘‘

یعنی اب وہ وقت آ رہا ہے کہ تمہیں تمہارے ان کرتوتوں کے سبب سزائیں بھی ملیں گی۔

آیات ۶۷ تا ۷۲

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَیَقۡبِضُوۡنَ اَیۡدِیَہُمۡ ؕ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمۡ ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡکُفَّارَ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ہِیَ حَسۡبُہُمۡ ۚ وَلَعَنَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿ۙ۶۸﴾ کَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡکُمۡ قُوَّۃً وَّاَکۡثَرَ اَمۡوَالًا

وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع ۱۵

آیت ۶۷ ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ ۘ﴾ ''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے میں سے ہیں۔''

ان سب منافقین کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے' اندر سے یہ سب ایک ہیں۔

﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ ''یہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں''

یعنی اللہ کے احکام کے خلاف یہ لوگ ''امر بالمنکر اور نہی عن المعروف'' کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ دوسروں سے ہمدردی جتا کر انہیں نیکی سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھو اپنے خون پسینے کی کمائی کو اِدھر اُدھر مت ضائع کرو' بلکہ اسے اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے سنبھال کر رکھو۔

﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ﴾ ''اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔''

یعنی اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے (بھی) انہیں نظر انداز کر دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی نافرمان ہیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان منافق مردوں' منافق عورتوں اور تمام کفار سے جہنم کی آگ کا' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾﴾ ''بس وہی ان کے لیے کفایت کرے گی۔ اور اللہ نے ان پر لعنت فرما دی ہے اور ان کے لیے عذاب ہے قائم رہنے والا۔''

ایسا عذاب جو ان کو مسلسل دیا جائے گا اور اس کی شدت کبھی کم نہ ہو گی۔

آیت ۶۹ ﴿كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی مانند ہو جو تم سے پہلے تھے''

﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ﴾ ''وہ تم سے کہیں بڑھ کر تھے طاقت میں اور کہیں زیادہ تھے مال اور اولاد میں۔''

تم سے پہلے جو کافر قومیں گزری ہیں، مثلاً قومِ عاد، قومِ ثمود وغیرہ وہ طاقت، مال و دولت اور تعداد کے لحاظ سے تم سے بہت بڑھ کر تھیں۔

﴿فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ ''تو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور اب تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا ہے''

یعنی تمہاری مدتِ مہلت ختم ہونے کو ہے، اب تم لوگ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔

﴿كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ﴾ ''جیسے کہ ان لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا تھا جو تم سے پہلے تھے''

﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ﴾ ''اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے۔''

تم نے بھی اسی طرح کی روش اختیار کی جیسی انہوں نے اختیار کی تھی۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ اور یہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔''

آیت ۷۰ ﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ''کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آ چکی ہیں جو ان سے پہلے تھے؟ قومِ نوحؑ، عاد، ثمود اور قومِ ابراہیمؑ''

یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں قومِ ابراہیمؑ کا تذکرہ اس انداز میں آیا ہے کہ شاید آپؑ کی قوم پر بھی عذاب آیا ہو، لیکن واضح طور پر ایسے کسی عذاب کا ذکر پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

﴿وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ﴾ ''اور مدین کے لوگوں اور ان بستیوں کی (خبریں) جو الٹ دی گئیں۔''

﴿اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۷۰﴾ ''ان کے پاس آئے اُن کے رسول واضح نشانیاں (یا احکام) لے کر۔ پس اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ﴾ ''اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔''

﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ﴾ ''وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔"

﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔"

آیت ۷۲ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ﴾ "اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ان باغات کا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور بہت عمدہ مکانات (کا وعدہ) ہمیشہ رہنے والے باغات میں۔"

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ "اور اللہ کی رضا تو سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔"

جنت کی ساری نعمتیں اپنی جگہ' مگر اہلِ جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ اللہ اُن سے راضی ہو جائے گا۔

آیات ۷۳ تا ۸۰

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع ۸ ۱۶

آیت ۷۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ "اے نبیؐ! جہاد کیجیے کفار اور

منافقین سے‘ اور ان پر سختی کیجیے۔‘‘

یہ آیت بالکل انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم میں بھی آئی ہے جو اٹھائیسویں پارے کی آخری سورت ہے۔ یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں جہاد بمعنی قتال استعمال نہیں ہوا۔ منافقین کے ساتھ آپؐ نے کبھی جنگ نہیں کی۔ لہٰذا یہاں جہاد سے مراد قتال سے نچلے درجے کی جدّوجُہد (دُوْنَ الْقِتَالِ) ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنے کے لیے جہاد کریں‘ ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدوجہد کریں۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے تو اسی حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ))(۱) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اب اس کی تعبیریں مختلف کی گئی ہیں کہ اس زمانے کی سپر پاور سلطنتِ روما کے خلاف جہاد کو آپ ﷺ نے ’’جہادِ اصغر‘‘ فرمایا اور پھر فرمایا کہ اب ’’جہادِ اکبر‘‘ تمہارے سامنے ہے۔ عام طور پر اس حدیث کی توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ یعنی سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۲) ’’یہ کہ تم جہاد کرو اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں‘‘۔ لہٰذا اسی حدیث کی بنیاد پر جہاد اکبر والی مذکورہ حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جہاد بالنفس دشمن کے خلاف قتال سے بھی بڑا جہاد ہے۔

لیکن میرے نزدیک اس حدیث کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے موقع محل اور پس منظر کے حالات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ مدینہ کے اندر منافقین دراصل مسلمانوں کے حق میں مارِ آستین تھے۔ اب ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا جارہا ہے‘ مگر یہ معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں تھا۔ ان منافقین کے اوس اور خزرج کے لوگوں کے ساتھ تعلقات تھے اور اُن کے خلاف اقدام کرنے سے اندرونی طور پر کئی طرح کے مسائل جنم لے سکتے تھے۔ مگر اس آیت کے نزول کے بعد تبوک سے واپس آکر آپ ﷺ نے منافقین کے خلاف اس طرح کے کئی سخت اقدامات کیے تھے۔ جیسے آپ ﷺ نے مسجد ضرار کو گرانے اور جلانے کا حکم دیا‘ اور پھر اس پر عمل بھی کرایا۔ یہ بہت بڑا اقدام تھا۔ منافقین مسجد کے تقدس کے نام پر لوگوں کو مشتعل بھی کرسکتے تھے۔ دراصل یہی وہ بڑا جہاد تھا جس کی طرف مذکورہ حدیث میں اشارہ ملتا ہے‘ کیونکہ ان حالات میں اپنی صفوں کے اندر چھپے ہوئے دشمنوں کے وار سے بچنا اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونا مسلمانوں کے لیے واقعی بہت مشکل مرحلہ تھا۔

﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ ’’اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔‘‘

آیت ۷۴ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ﴾ ’’وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی۔‘‘

یہ جس بات کا ذکر ہے اس کی تفصیل اٹھائیسویں پارے کی سورۃ المنافقون میں آئے گی۔ بہرحال یہاں

---

(۱) تخریج الکشاف للزیلعی ۲/۳۹۵۔ (غریب جدا)

(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲/۲۸۲۔

صرف اتنا جان لینا ضروری ہے کہ تبوک سے واپسی کے سفر پر عبداللہ بن ابی کے مُنہ سے کسی نوجوان مسلمان نے غلط بات سنی تو اس نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیا۔ آپ ﷺ نے طلب فرما کر باز پُرس کی تو وہ صاف مکر گیا کہ اس نوجوان نے خواہ مخواہ فتنہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ ''حالانکہ انہوں نے کہا ہے کفر کا کلمہ''

عبداللہ بن ابی کے مکر جانے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو سچا قرار دیا اور اس منافق کے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا۔

﴿وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ ''اور وہ کفر کر چکے اپنے اسلام کے بعد' اور انہوں نے ارادہ کیا تھا اس شے کا جو وہ حاصل نہ کر سکے۔''

یہ جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ بھی غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر میں پیش آیا تھا۔ پہاڑی راستہ میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسی تنگ گھاٹی سے ہوا جہاں سے ایک وقت میں صرف ایک اونٹ گزر سکتا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ قافلے سے علیحدہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف دو صحابہ حضرت حذیفہؓ بن یمان اور عمارؓ بن یاسرؓ تھے۔ اس تنگ جگہ پر کچھ منافقین نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے پہچانے جانے کے ڈر سے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں۔ بہر حال آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ نے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور وہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان دو صحابہؓ کو حملہ آوروں میں سے ہر ایک کے نام بتا دیے اور ان کے علاوہ بھی تمام منافقین کے نام بتا دیے۔ مگر ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو تاکید فرما دی کہ وہ یہ نام کسی کو نہ بتائیں اور آپ ﷺ کے اس راز کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھیں۔ اسی وجہ سے حذیفہؓ بن یمان صحابہؓ میں 'صاحبُ سِرِّ النَّبِی ﷺ'' (نبی ﷺ کے راز دان) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور یہ لوگ اپنے عناد کا مظاہرہ نہیں کر رہے مگر اسی لیے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں غنی کر دیا ہے اپنے فضل سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رسول ﷺ کی مہربانی سے یہ لوگ مالِ غنیمت اور زکوٰۃ و صدقات میں سے بافراغت حصہ پاتے رہے۔

﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑیں گے تو اللہ انہیں بہت دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾﴾ ''اور پوری زمین میں ان کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔''

اب وہ تین آیات آرہی ہیں جن کا حوالہ میری تقاریر میں اکثر آتا رہتا ہے۔ ان میں مدینہ کے منافقین کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے' مگر مسلمانانِ پاکستان کے لیے ان آیات کا مطالعہ بطورِ خاص مقامِ عبرت بھی ہے اور لمحۂ فکریہ بھی۔

آیت ۷۵ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا تو ہم خوب صدقہ وخیرات کریں گے اور نیک بن جائیں گے۔''

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں نواز دیا اپنے فضل سے (غنی کر دیا) تو انہوں نے اس دولت کے ساتھ بخل کیا اور پیٹھ موڑ لی اور اعراض کیا۔''

آیت ۷۷ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''تو اللہ نے سزا کے طور پر ڈال دیا ان کے دلوں میں نفاق''

اللہ سے وعدہ کر کے اس سے پھر جانے کی دنیا میں یہ نقد سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرما دیتے ہیں' اور بدقسمتی سے یہی روگ آج مسلمانانِ پاکستان کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ گویا پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اس سزا کی مستحق ہو چکی ہے۔ مسلمانانِ برصغیر نے تحریک پاکستان کے دوران اللہ سے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ ایک نعرہ بن کر بچے بچے کی زبان پر آ گیا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ!**'' گویا دنیا کے نقشے پر یہ نیا ملک اسلام کے نام پر بنا' اسلام کے لیے بنا۔ اس ضمن میں ہندوستان کے مسلمانوں نے تو ووٹ دے کر اپنا فرض کفایہ ادا کر دیا کہ تم جا کر پاکستان میں اسلام کا نظام قائم کرو' ہم پر جو گزرے گی سو گزرے گی۔ مگر مسلمانانِ پاکستان نے اس سلسلے میں اب تک کیا کیا ہے؟ کہاں ہے اسلام اور کہاں ہے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**؟ یہ پاکستانی قوم کی اللہ کے ساتھ اجتماعی بے وفائی اور بدعہدی کی مثال ہے۔ اس بدعہدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے تین قسم کے نفاق اس قوم پر مسلّط کر دیے۔ ایک باہمی نفاق' جس کے باعث یہ قوم اب قوم نہیں رہی فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اس میں مختلف عصبیتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ صوبائیت' مذہبی فرقہ واریت وغیرہ نے باہمی اتحاد پارہ پارہ کر دیا ہے۔ دوسرے جب یہ نفاق ہمارے دلوں کا روگ بنا تو اس سے شخصی کردار اور پھر قومی کردار کا بیڑا غرق ہو گیا۔ اس کے بارے میں ایک متفق علیہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ [وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ] اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں [اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اگرچہ روزہ رکھتا ہو' نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔''] (i) جب بولے جھوٹ بولے (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (iii) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

اس حدیث کو کسوٹی سمجھ کر اپنی قوم کے کردار کو پرکھ لیجیے۔ جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے' اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف

ہے اور اتنا ہی بڑا خائن ہے (الا ماشاء اللہ!)

تیسرا نفاق جو اس قوم کے حصے میں آیا وہ بہت ہی بڑا ہے اور وہ ہے آئین کا نفاق۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی ملک کی اہم ترین دستاویز اس کا دستور ہوتا ہے' جبکہ اس ملک کے آئین کو بھی منافقت کا پلندہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ہمارے آئین میں ایک ہاتھ سے اسلام داخل کیا جاتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے نکال لیا جاتا ہے۔ الفاظ دیکھو تو اسلام ہی اسلام ہے' تعمیل دیکھو تو اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔ ذرا ان الفاظ کو دیکھیں' آئین میں کتنی بڑی بات لکھ دی گئی ہے: .No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah۔ یعنی قرآن وسُنّت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی۔ ان الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت کا ترجمہ کر کے دستور میں لکھ دیا گیا ہے' لیکن ملک اور معاشرے کے اندر اس کے عملی پہلو پر نظر ڈالیں تو قرآن وسُنّت کے احکام پر عمل ہوتا کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ گویا یہ الفاظ صرف آئینی اور قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے لکھ دیے گئے ہیں' ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بس ایک اسلامی نظریاتی کونسل بنا دی گئی ہے جو اپنی سفارشات پیش کرتی رہتی ہے۔ یہ سفارشات سالانہ رپورٹس کے طور پر باقاعدگی سے پیش ہوتی رہتی ہیں' مگر ان کی کوئی تعمیل نہیں ہوتی۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ بھی دکھاوے کا ایک ادارہ ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے تحت بڑی بڑی تنخواہیں اور مراعات لے رہے ہیں' مگر عملی پہلو دیکھو تو دستورِ پاکستان اُن کے دائرۂ عمل سے ہی خارج ہے۔ اسی طرح عدالتی قوانین' عائلی قوانین' مالی قوانین وغیرہ سب فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ غرض دستور کی سطح پر اتنی بڑی منافقت شاید پوری دنیا میں کہیں نہ ہو۔ بہر حال یہ ہے ایک ہلکی سی جھلک پاکستانی قوم کی اُس سزا کی جو انہیں وعدہ خلافی کے جرم کے نتیجے میں دی گئی ہے۔

﴿اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ﴾ ''(اور یہ نفاق اب رہے گا) اُس دن تک جس دن یہ لوگ ملاقات کریں گے اُس سے''

اس نفاق سے اب ان کی جان روزِ قیامت تک نہیں چھوٹے گی۔ یہ کانٹا ان کے دلوں سے نکلے گا نہیں۔

﴿بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''بسبب اُس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ سے کی اور بسبب اس جھوٹ کے جو وہ بولتے رہے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَنَجۡوٰىہُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۷۸﴾﴾ ''کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھیدوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو اور یہ کہ اللہ تمام غیب کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۹ ﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾ ''جو طعن کرتے ہیں دل کی خوشی سے نیکی کرنے والے اہلِ ایمان پر (اُن کے) صدقات کے بارے میں''

جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی مہم کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو مسلمانوں کی طرف سے ایثار اور اخلاص کے عجیب وغریب مظاہر دیکھنے میں آئے۔ ابوعقیل ؓ ایک انصاری صحابی تھے' ان کے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے ہاں مزدوری کی اور ساری رات کنویں سے پانی نکال

نکال کر اس کے باغ کو سیراب کرتے رہے۔ صبح انہیں مزدوری کے طور پر کچھ کھجوریں ملیں۔ انہوں نے اُن میں سے آدھی کھجوریں تو گھر میں بچوں کے لیے چھوڑ دیں اور باقی آدھی حضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں۔ آپ ﷺ اس صحابی کے خلوص و اخلاص اور حسنِ عمل سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کھجوریں سب مال و اسباب پر بھاری ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق انہیں سامان کے پورے ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا گیا۔ لیکن وہاں جو منافقین تھے انہوں نے حضرت ابوعقیلؓ کا مذاق اڑایا اور فقرے کسے کہ جی ہاں، کیا کہنے! بہت بڑی قربانی دی ہے! ان کھجوروں کے بغیر تو یہ مہم کامیاب ہو ہی نہیں سکتی تھی، وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰہُ مِنۡہُمۡ ۫ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾﴾ ''اور جن کے پاس اپنی محنت و مشقت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں (اور وہ اس میں سے بھی خرچ کرتے ہیں) تو وہ (منافقین) ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۸۰ ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔''

یہ آیت سورۃ النساء کی آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ﴾ کے بعد منافقین کے حق میں سخت ترین آیت ہے۔

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۸۰﴾﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں، اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیات ۸۱ تا ۸۹

فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِہِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ وَکَرِہُوۡۤا اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِی الۡحَرِّ ؕ قُلۡ نَارُ جَہَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ کَانُوۡا یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۸۱﴾ فَلۡیَضۡحَکُوۡا قَلِیۡلًا وَّلۡیَبۡکُوۡا کَثِیۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنۡ رَّجَعَکَ اللّٰہُ اِلٰی طَآئِفَۃٍ مِّنۡہُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّکُمۡ رَضِیۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَمَاتُوۡا وَہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعۡجِبۡکَ اَمۡوَالُہُمۡ وَاَوۡلَادُہُمۡ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّعَذِّبَہُمۡ

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع

آیت ۸۱ ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”بہت خوش ہو گئے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے پر اللہ کے رسولؐ کے (جانے کے) بعد‘ اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کرتے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں“

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ ”اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ اس گرمی میں مت نکلو۔“

یہ لوگ خود بھی اللہ کے رستے میں نہ نکلے اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش میں رہے کہ ہم تو رخصت لے آئے ہیں‘ تم بھی ہوش کے ناخن لو‘ اس قدر شدید گرمی میں سفر کے لیے مت نکلو۔

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے‘ کاش ان لوگوں کو فہم حاصل ہوتا۔“

آیت ۸۲ ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲﴾ ”تو انہیں چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ‘ بدلہ اُس کا جو کمائی انہوں نے کی ہے۔“

آیت ۸۳ ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ”پس (اے نبی ﷺ) اگر اللہ آپ کو لوٹا کر لے جائے ان کے کسی گروہ کے پاس“

مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ آیت مقامِ تبوک پر نازل ہوئی ہے۔ سورت کے اس دوسرے حصے کے پہلے چار رکوعوں (چھٹے رکوع سے لے کر نویں رکوع تک) کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ غزوۂ تبوک پر روانگی سے قبل نازل ہوئے تھے۔ ان کے بعد کی آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئیں‘ کچھ جاتے ہوئے راستے میں‘ کچھ تبوک میں قیام کے دوران اور کچھ واپس آتے ہوئے راستے میں۔

﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ ”پھر وہ آپؐ سے اجازت مانگیں (آپؐ کے ساتھ) نکلنے کے لیے“

یعنی کسی مہم پر‘ کسی اور دشمن کے خلاف آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہیں:

﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ ”تو کہہ دیجیے گا کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے“

غزوۂ تبوک کی مہم میں تمہارا آخری امتحان ہو چکا ہے اور اس میں تم لوگ ناکام ہو چکے ہو۔

﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور اب میرے ساتھ ہو کر تم کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرو گے۔ تم پہلی مرتبہ راضی ہو گئے تھے بیٹھ رہنے پر''

جب جہاد کے لیے نفیرِ عام ہوئی اور سب پر نکلنا فرض قرار پایا تو تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے۔

﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ﴾ ''تو (اب ہمیشہ کے لیے) بیٹھ رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔''

آیت ۸۴ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ کبھی بھی ادا نہ کریں اور اس کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں۔''

یہ گویا اب اُن کی رسوائی کا سامان ہو رہا ہے۔ اب تک تو منافقت پر پردے پڑے ہوئے تھے مگر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرماتے تھے تو سب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ منافق مرا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''یقیناً انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اور وہ مرے ہیں اسی حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔''

آیت ۸۵ ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ﴾ ''اور آپؐ کو پسند نہ آئیں اُن کے اموال اور ان کی اولاد۔''

یعنی آپؐ ان کے مال اور اولاد کو وقعت مت دیجیے۔ یہ آیت اسی سورت میں ۵۵ نمبر پر معمولی فرق کے ساتھ پہلے بھی آ چکی ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ انہیں عذاب دے انہی چیزوں کے ذریعے سے دنیا میں اور ان کی جانیں نکلیں اسی حالتِ کفر میں۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اُس کے رسولؐ کے ساتھ مل کر تو رخصت مانگتے ہیں آپؐ سے مقدرت والے بھی''

﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں میں شامل ہو جائیں۔''

آیت ۸۷ ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ''وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں''

اس اندازِ بیان میں اُن پر گہرا طنز ہے۔ یعنی جنگ کرنا مردوں کا کام ہے جبکہ خواتین اور بچے ایسے مواقع پر پیچھے گھروں میں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اب جب تمام مردوں پر لازم ہے کہ وہ غزوۂ تبوک کے لیے نکلیں، تو یہ

منافقین طرح طرح کے بہانوں سے رخصت چاہتے ہیں۔ گویا انہوں نے پیچھے گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کا کردار اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔

﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ ''اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے' پس اب وہ سمجھ نہیں سکتے۔''

آیت ۸۸ ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ ''لیکن (اس کے برعکس) رسولؐ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ایمان لائے' انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں' اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔''

فلاح محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں ہوگی۔

آیت ۸۹ ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ''اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے دامن میں (یا جن کے نیچے) ندیاں بہتی ہوں گی' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔''

آیات ۹۰ تا ۹۹

وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَي الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا

الجزء الحادی عشر (۱۱)

عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ يَحۡلِفُوۡنَ لَـكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

آیت ۹۰ ﴿وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ﴾ ''اور آئے آپؐ کے پاس بہانے بنانے والے بدو بھی کہ ان کو رخصت دے دی جائے''

'اَعۡراب' جمع ہے 'اعرابی' کی' یعنی بدو' دیہاتی' بادیہ نشین لوگ۔ جہاد کے لیے اس نفیرِ عام کا اطلاق مدینہ کے اطراف و جوانب کی آبادیوں میں بسنے والے مسلمانوں پر بھی ہوتا تھا۔ اب اُن کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُن میں سے بھی لوگ آ آ کر بہانے بنانے لگے کہ انہیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

﴿وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ﴾ ''اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے۔''

انہوں نے جو وعدے کیے تھے وہ جھوٹے نکلے یا جو عذر وہ لوگ رخصت کے لیے پیش کر رہے تھے وہ سب بے بنیاد تھے۔

﴿سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۹۰﴾﴾ ''عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا ان لوگوں کو جو ان میں سے کفر پر اڑے رہیں گے۔''

آیت ۹۱ ﴿لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ﴾ ''کچھ گناہ (اور الزام) نہیں ضعیفوں پر' نہ بیماروں پر' اور نہ ہی ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں''

آخر اتنا طویل سفر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آدمی تندرست و توانا ہو' اس کے پاس سواری کا انتظام ہو' راستے میں کھانے پینے اور دوسری ضروریات کے لیے سامان مہیا ہو' لیکن اگر کوئی شخص ضعیف ہے' بیمار ہے' یا اس قدر نادار ہے کہ سفر کے اخراجات کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو اللہ کی نظر میں وہ واقعتاً مجبور و معذور ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔

﴿اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ﴾ ''جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مخلص ہوں۔''

﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱﴾ ”ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں‘ اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔“

یعنی مندرجہ بالا وجوہات میں سے کسی وجہ سے کوئی شخص واقعی معذور ہے مگر سچّا اور پکّا مؤمن ہے‘ خلوصِ دل سے اللہ اور اس کے رسول کا وفادار ہے‘ اس کا دین درجۂ احسان تک پہنچا ہوا ہے‘ تو ایسے صاحبِ ایمان اور محسن لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔

آیت ۹۲ ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠﴾ ”اور نہ ہی ان پر (کوئی الزام ہے) جو آئے آپؐ کے پاس کہ آپؐ ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس بھی کوئی چیز نہیں جس پر میں تم لوگوں کو سوار کر سکوں“

﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲﴾ ”(تو مجبوراً) وہ لوٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے‘ اس رنج سے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ خرچ کر سکیں۔“

یعنی وہ لوگ جو دل و جان سے چاہتے تھے کہ اس مہم میں شریک ہوں‘ مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے شرکت نہیں کر پا رہے تھے‘ اپنی اس محرومی پر وہ واقعتاً صدمے اور رنج و غم سے ہلکان ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایسے مؤمنین صادقین تھے اور دوسری طرف وہ صاحبِ حیثیت (اُولُوا الطَّوْلِ) لوگ جن کے پاس سب کچھ موجود تھا‘ وسائل و ذرائع کی کمی نہیں تھی‘ تندرست و توانا تھے‘ لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں نکلنے کو تیار نہیں تھے۔

آیت ۹۳ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ﴾ ”الزام تو ان لوگوں پر ہے جو آپؐ سے رخصت مانگتے ہیں جب کہ وہ غنی (مالدار) ہیں۔“

﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ﴾ ”وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ“

﴿وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۹۳﴾ ”اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے‘ پس وہ صحیح علم سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔“

آیت ۹۴ ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ﴾ ”بہانے بنائیں گے وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔“

يَعْتَذِرُوْنَ چونکہ فعل مضارع ہے اس لیے اس کا ترجمہ حال میں بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل میں بھی۔ اگر تو یہ آیات تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران نازل ہوئی ہیں تو ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے‘ لیکن اگر ان کا نزول رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوا ہے تو ترجمہ یوں ہوگا: ”بہانے بنا رہے ہیں وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر آ گئے ہو۔“

﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے (یا کہہ دیجیے گا) کہ بہانے مت بناؤ، ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، اللہ نے ہمیں پوری طرح مطلع کر دیا ہے تمہاری خبروں سے۔‘‘

مہم پر جانے سے قبل تو حضور ﷺ اپنی طبعی شرافت اور مروّت کے باعث منافقین کے جھوٹے بہانوں پر بھی سکوت فرماتے رہے تھے، لیکن اب چونکہ بذریعہ وحی ان کے جھوٹ کے سارے پردے چاک کر دیے گئے تھے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! اب آپ ڈنکے کی چوٹ اُن سے کہہ دیجیے کہ اب ہم تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے، کیونکہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی کیفیات سے ہمیں مطلع کر دیا ہے۔

﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ’’اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے‘‘

یعنی آئندہ تمہارے طرزِ عمل اور رویّے (attitude) کا جائزہ لیا جائے گا۔

﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴﴾ ’’پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس (اللہ) کی طرف جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔‘‘

آیت ۹۵ ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ﴾ ’’ابھی یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں) جب کہ تم لوگ اُن کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (یا آ گئے ہو) تاکہ آپؐ ان سے چشم پوشی برتیں۔‘‘

﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵﴾ ’’تو (ٹھیک ہے) آپؐ اُن سے اعراض برتیں۔ یہ ناپاک لوگ ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے، بدلہ اس کا جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں۔‘‘

آیت ۹۶ ﴿يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ﴾ ’’یہ قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں، اے مسلمانو!) تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔‘‘

اب یہ ان منافقین کی دنیا داری کے لحاظ سے مجبوری تھی۔ ایک معاشرے کے اندر سب کا اکٹھے رہنا سہنا تھا۔ اوس اور خزرج کے اندر ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ ایسے ماحول میں وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے صاف نہ ہوئے تو وہ اس معاشرے کے اندر ایک طرح سے اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر اپنا اعتماد پھر سے بحال کرنے کے لیے ہر طرح سے دوڑ دھوپ کر رہے تھے، مسلمانوں سے ملاقاتیں کرتے تھے، ان کو اپنی مجبوریاں بتاتے تھے اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶﴾ ’’تو اگر تم ان سے راضی ہو

بھی گئے تو اللہ ان نافرمانوں سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾﴾ ''یہ بدّو لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس لائق ہیں کہ ناواقف ہوں اُس چیز کی حدود سے جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔''

یعنی اہلِ مدینہ تو مسلسل رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے تھے' آپ ﷺ سے جمعہ کے خطبات سنتے تھے اور آپ ﷺ کی نصیحت کا ایک سلسلہ شب و روز ان کے درمیان چلتا رہتا تھا۔ مگر ان بادیہ نشین لوگوں کو تعلیم و تعلّم کے ایسے مواقع میسّر نہیں تھے۔ لہٰذا فطری اور منطقی طور پر کفر و شرک اور نفاق کی شدت ان لوگوں میں نسبتاً زیادہ تھی۔

آیت ۹۸ ﴿وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا﴾ ''اور ان بدوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو کچھ انہیں خرچ کرنا پڑتا ہے اسے وہ تاوان سمجھتے ہیں''

یعنی زکوٰۃ' عشر وغیرہ کی ادائیگی جو اسلامی نظامِ حکومت کے تحت اُن پر عائد ہوئی ہے یہ لوگ اس کو تاوان سمجھتے ہوئے بڑی ناگواری سے ادا کرتے ہیں' اس لیے کہ اس سے پہلے اس علاقے میں نہ تو کوئی ایسا نظام تھا اور نہ ہی یہ لوگ محصولات وغیرہ ادا کرنے کے عادی تھے۔

﴿وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ﴾ ''اور وہ منتظر ہیں تم لوگوں پر کسی گردشِ زمانہ کے۔''

یہ لوگ بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ گردشِ زمانہ کے باعث مسلمانوں کے خلاف کچھ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن سے مدینہ کی یہ اسلامی حکومت ختم ہو جائے اور وہ ان پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔

﴿عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾﴾ ''(اصل میں) بُری گردش خود ان کے اوپر مسلّط ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

ان کی منافقت جو ان کے دلوں کا روگ بن چکی ہے' وہی اصل برائی ہے جو ان پر مسلط ہے۔

آیت ۹۹ ﴿وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ﴾ ''اور ان بدوؤں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر' اور جو وہ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اُس کو سمجھتے ہیں اللہ کے قرب اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ۔''

یعنی یہ بادیہ نشین لوگ سب کے سب ہی کفر و نفاق پر کاربند اور انفاق فی سبیل اللہ کو تاوان سمجھنے والے نہیں ہیں' بلکہ ان میں سچے مؤمن بھی ہیں' جو نہ صرف اللہ کے راستے میں شوق سے خرچ کرتے ہیں بلکہ اِس انفاق کو تقرّب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دین کے لیے مال خرچ کرنے سے اللہ کے رسولؐ کی دعائیں بھی اُن کے شاملِ حال ہو جائیں گی۔

﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۹۹﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' یہ (اُن کا انفاق) واقعتاً ان کے لیے باعثِ تقرب ہے' عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ معاف فرمانے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

آیات ۱۰۰ تا ۱۱۰

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴿۱۰۱﴾ۚ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۵﴾ۚ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِيْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴿۱۱۰﴾ؑ

اب اہلِ ایمان کے مابین حفظِ مراتب کا مضمون آ رہا ہے' کیونکہ کسی بھی معاشرے میں تمام انسان برابر نہیں ہوتے: ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد   نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد!

مدینہ کے اس معاشرے میں بھی سب لوگ نظریاتی طور پر برابر نہیں تھے‘ حتیٰ کہ جو منافقین تھے وہ بھی سب ایک جیسے منافق نہیں تھے۔ چونکہ انسانی فطرت تو تبدیل نہیں ہوتی اس لیے آئندہ بھی جب کبھی کسی مسلمان معاشرے میں کوئی دینی تحریک اٹھے گی تو اُسی طرح کی صورتِ حال پیش آئے گی۔ تحریک کے ارکان کے درمیان درجہ بندی کا ایک واضح اور غیر مبہم ادراک ناگزیر ہو گا۔ لہٰذا یہ درجہ بندی حکمتِ قرآنی کا ایک بہت اہم موضوع ہے اور اس اعتبار سے یہ آیات بہت اہم ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ ’’اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے‘ اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکوکاری کے ساتھ‘‘

﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾ ’’اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے‘ اور اس نے ان کے لیے وہ باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی‘ ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔‘‘

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰﴾ ’’یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔‘‘

اس درجہ بندی کے مطابق اہلِ ایمان کے یہ دو مراتب بلند ترین ہیں۔ یعنی سب سے اوپر السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور اس کے بعد ان کے پیروکار۔ (اس سے پہلے ایک درجہ بندی ہم سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں انبیاء‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین کے مراتب میں بھی دیکھ چکے ہیں۔ مگر وہ درجہ بندی کسی اور اعتبار سے ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)۔ بنیادی طور پر ان دونوں گروہوں کے لوگ نیک سیرت ہیں جو فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم سے نوازے گئے ہیں۔ البتہ ان کی آپس کی درجہ بندی میں جو فرق ہے وہ ان کی طبیعت اور ہمت کے فرق کے باعث ہے۔ ان میں سے درجہ اول (السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ) پر فائز دراصل وہ لوگ ہیں جو حق کو سامنے آتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ حق ان کے لیے اس قدر قیمتی متاع ہے کہ اس کی قبولیت میں ذرا سی تاخیر بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ وہ اتنے باہمت لوگ ہوتے ہیں کہ قبولِ حق کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ اس کے نتائج و عواقب کے بارے میں سوچ بچار میں نہیں پڑتے۔ وہ اس خیال کو خاطر میں نہیں لاتے کہ اس کے بعد انہیں کیا کچھ چھوڑنا ہو گا اور کیا کچھ بھگتنا پڑے گا۔ نہ وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے آگے اس راستے پر پہلے سے کوئی چل بھی رہا ہے یا نہیں‘ اور اگر نہیں چل رہا تو کسی اور کے آنے کا انتظار کر لیں‘ سب سے پہلے‘ اکیلے وہ کیونکر اس پُرخطر وادی میں کود پڑیں! وہ ان سب پہلوؤں پر سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتے‘ حق کو قبول کرنے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے‘ کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے‘ عقل کے دلائل کی منطق میں نہیں پڑتے اور ع ’’ہر چہ بادا باد‘ ما کشتی در آب انداختیم‘‘ کے مصداق آتشِ ابتلا میں کود جاتے ہیں۔ بقولِ اقبالؔ: ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے کہ محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو ان السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے اتباع میں داعیٔ حق کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ یہ بھی سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں' حق کو پہلی نظر میں پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کی قبولیت کے لیے آمادہ بھی ہوتے ہیں' مگر ان میں ہمت قدرے کم ہوتی ہے۔ یہ ''ہر چہ بادا باد'' والا نعرہ بلند نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ یہ نئی پگڈنڈی ذرا راستے کی شکل اختیار کر لے' ہمارے آگے کوئی دو چار لوگ چلتے ہوئے نظر آئیں تو ہم بھی اُن کے پیچھے چل پڑیں گے۔ یعنی اس میں معاملہ نیت کے کسی خلل کا نہیں' صرف ہمت کی کمی کا ہے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ان کی طبائع ہی اس نہج پر بنائی گئی ہیں' جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ)) [1] ''انسان (معدنیات کی) کانوں کی طرح ہیں' جیسے چاندی اور سونے کی کانیں ہوتی ہیں''۔ یعنی جس طرح معدنیات کی قسمیں ہوتی ہیں اسی طرح انسانوں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ ظاہر ہے آپ سونے کی کچ دھات (ore) کو صاف کریں گے تو خالص سونا حاصل ہوگا۔ چاندی کی ore کو خواہ کتنا ہی صاف کر لیں وہ سونا نہیں بن سکتی۔ اسی طرح انسانوں کے طبائع میں جو بنیادی فرق ہوتا ہے اس کے سبب سب انسان برابر نہیں ہو سکتے۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' اور اُن کے اتباع میں حق کو قبول کرنے والوں کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے' کیونکہ ان متبعین نے بھی حق کو حق سمجھ کر قبول کیا ہے' پوری نیک نیتی سے قبول کیا ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے قبول کیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی اور غرض' کوئی اور عامل' کوئی اور مفاد ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ بس تھوڑی سی ہمت کی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ سبقت نہ لے سکے' مگر دوسرے درجے پر فائز ہو گئے۔

اب یہاں ایک اہم بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' مہاجرین میں سے بھی ہیں اور انصار میں سے بھی' اور پھر ان میں ان کے اپنے اپنے متبعین ہیں۔ انصار چونکہ کہیں دس سال بعد ایمان لائے تھے' اس لیے اگر زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو گروہِ مہاجرین میں سے جو اصحابِ متبعین قرار پائے ہیں وہ انصار کے ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' سے بھی پہلے ایمان لائے تھے' مگر اس درجہ بندی اور مراتب میں وہ ان سے پیچھے ہی رہے۔ اس لیے کہ یہاں پہلے یا بعد میں آنے کا اعتبار زمانی لحاظ سے نہیں' بلکہ یہ مزاج کا معاملہ ہے اور اس پہلے ردِ عمل کا معاملہ ہے جو کسی کے مزاج سے اس وقت ظہور پذیر ہوا جب اس نے پہلی دفعہ حق کو پہچانا۔ لہٰذا اگرچہ اہلِ مدینہ (جو بعد میں انصار کہلائے) بہت بعد میں ایمان لائے تھے مگر ان میں بھی وہ لوگ ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' ہی قرار پائے تھے جنہوں نے حق کو پہچان کر فوراً لبیک کہا' پھر نہ نتائج کی پروا کی اور نہ کوئی مصلحت ان کے آڑے آئی۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ﴾ ''اور جو تمہارے آس پاس کے بادیہ نشین ہیں ان میں منافق بھی ہیں۔''

اعلیٰ ترین مراتب والے اصحاب کے ذکر کے بعد اب بالکل نچلی سطح کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب الارواح جنود مجندۃ۔

﴿وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ ۟﴾ ''اور اہلِ مدینہ میں بھی' جو نفاق پر اَڑ چکے ہیں''

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نفاق کا مرض اب آخری مرحلے میں پہنچ کر لا علاج ہو چکا ہے اور اب اس مرض سے ان کے شفایاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ منافقت کے مرض کی بھی ٹی بی کی طرح تین stages ہوتی ہیں۔ جھوٹے بہانے بنانا اس مرض کی ابتدا ہے' جبکہ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانا دوسری سٹیج کی علامت ہے' اور جب یہ مرض تیسری اور آخری سٹیج میں پہنچتا ہے تو اس کی واضح علامت منافقین کی اہلِ ایمان کے ساتھ ضد اور دشمنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اہل ایمان تو دین کے تمام مطالبات خوشی خوشی پورے کرتے ہیں' جس مہم سے بچنے کے لیے منافقین بہانے تراشنے میں مصروف ہوتے ہیں اہلِ ایمان بلا حیل و حجت اس کے لیے دل و جان سے حاضر ہو جاتے ہیں۔ مؤمنین صادقین کا یہ رویہ منافقین کے لیے ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا' جس کے باعث آئے دن ان کی سبکی ہوتی ہے اور آئے دن ان کی منافقت کا پول کھلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کو مسلمانوں سے نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے اور یہی اس مرض کی آخری سٹیج ہے۔

﴿لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ﴾ ''آپؐ انہیں نہیں جانتے' ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے''

منافقینِ مدینہ تو ہر روز نئے عذاب سے گزرتے تھے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کا مطالبہ ہوتا تھا اور ہر روز انہیں جھوٹی قسمیں کھا کھا کر' جھوٹے بہانے بنا بنا کر جان چھڑانا پڑتی تھی۔ اس لحاظ سے ان کی زندگی مسلسل عذاب میں تھی۔

﴿ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۝۱۰۱﴾ ''پھر وہ لوٹا دیے جائیں گے ایک بہت بڑے عذاب کی طرف۔''

دنیا کا عذاب جتنا بھی ہو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا دنیا کے عذاب جھیلتے جھیلتے ایک دن انہیں بہت بڑے عذاب کا سامنا کرنے کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔

السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ' ان کے متبعین اور پھر منافقین کے ذکر کے بعد اب کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر بھی دو الگ الگ درجوں میں ہوا ہے۔ ان میں پہلے جس گروہ کا ذکر آ رہا ہے وہ اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر ان میں ہمت کی کمی تھی۔ چلنا بھی چاہتے تھے مگر چل نہیں پاتے تھے۔ کسی قدر چلتے بھی تھے مگر کبھی کوتاہی بھی ہو جاتی تھی۔ ہمت کر کے آگے بڑھتے تھے لیکن کبھی کسل مندی اور سستی کا غلبہ بھی ہو جاتا تھا۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں''

وہ اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے جھوٹ نہیں بولتے' جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے' جھوٹے بہانے نہیں بناتے' بلکہ کھلے عام اعتراف کر لیتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہو گئی' معمولاتِ زندگی کی مصروفیات اور اہل و عیال کی

مشغولیات نے ہمیں اس قدر اُلجھایا کہ ہم دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ جب غلطی کا ایسا کھلا اعتراف ہو گیا تو نفاق کا احتمال جاتا رہا۔ لہٰذا انہیں توبہ کی توفیق مل گئی۔

﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ﴾ ''انہوں نے اچھے اور بُرے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔''

نیک اعمال بھی کرتے ہیں مگر کبھی کوئی غلطی بھی کر بیٹھتے ہیں۔ ایثار و انفاق بھی کرتے ہیں مگر دنیاداری کے جھمیلوں میں الجھ کر کہیں کوئی تقصیر بھی ہو جاتی ہے۔

﴿عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ایک روایت کے مطابق یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں سے سستی اور دنیاداری کی مصروفیات کے باعث یہ کوتاہی ہوئی کہ وہ غزوۂ تبوک پر نہ جا سکے' مگر جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شدید احساسِ ندامت کے باعث رسول اللہ ﷺ کے واپس مدینہ تشریف لانے سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا کہ اب یا تو حضور ﷺ تشریف لا کر ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمائیں گے اور ہمیں اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے یا پھر ہم یہیں بندھے بندھے اپنی جانیں دے دیں گے۔ حضور ﷺ کی واپسی پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے تشریف لے جا کر انہیں کھولا اور خوشخبری سنائی کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ توبہ کرنے اور توبہ کی قبولیت کا یہ وہی اصول تھا جو ہم سورۃ النساء میں پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۷﴾﴾ یعنی کوئی غلطی یا کوتاہی سرزد ہونے کے فوراً بعد انسان کے اندر ایمانی جذبات لوٹ آئیں' اسے احساسِ ندامت ہو اور وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی توبہ کو قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ مگر ان اصحابؓ کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں خصوصی حکم نازل ہوا۔

آیت ۱۰۳ ﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا﴾ ''ان کے اموال میں سے صدقات قبول فرمالیجیے' اس (صدقے) کے ذریعے سے آپؐ انہیں پاک کریں گے اور ان کا تزکیہ کریں گے''

روایت میں آتا ہے کہ یہ اصحابؓ اپنے اموال کے ساتھ خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ توبہ کی قبولیت کے شکرانے کے طور پر ہم اللہ کی راہ میں یہ اموال پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مخلص مؤمن تھے' صرف سستی اور کمزوری کے باعث کوتاہی ہوئی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے آپؐ کو یہ صدقات قبول کرنے کی اجازت فرمائی۔ جبکہ منافقین کے صدقات قبول کرنے سے آپؐ کو منع فرما دیا گیا تھا۔

﴿وَصَلِّ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمۡ ؕ﴾ ''اور ان کے لیے دعا کیجیے' یقیناً آپؐ کی دعا ان کے حق میں سکون بخش ہے۔''

آپ ﷺ کی دعا ان کے لیے باعثِ اطمینان ہو گی اور انہیں تسلی ہو جائے گی کہ اُن کی خطا معاف ہو گئی ہے

اور اُن کی توبہ قبول کی جا چکی ہے۔

﴿وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۰۴ ﴿اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَیَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ ''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے صدقات کو قبولیت عطا فرماتا ہے''

یعنی اللہ کے بندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ التوّاب بھی ہے اور اپنے بندوں کے صدقات کو شرفِ قبولیت بھی بخشتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وخیرات وغیرہ کے مال کو اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ مگر اللہ کا اپنے بندوں پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ ''الغنی'' ہے' بے نیاز ہے' اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں' مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں سے ان کے نفقات وصدقات کو قبول فرماتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور یہ کہ وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ﴾ ''اور آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم عمل کرو' اب اللہ اور اس کا رسولؐ اور اہلِ ایمان تمہارے عمل کو دیکھیں گے۔''

اب پھر سے محنت کرو' سرفروشی اور جاں فشانی کا مظاہرہ کرو' آئندہ تمہارے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا کہ مطالباتِ دین کے بارے میں تمہارا کیا رویہ ہے اور یہ کہ پھر سے کوئی کوتاہی' لغزش وغیرہ تو نہیں ہونے پا رہی۔

﴿وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور عنقریب تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس کی طرف جو ہر غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

قیامت کے دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے' جو تمہارے سارے کیے دھرے سے تم کو آگاہ کر دے گا۔ وہاں تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ اس بارے میں سورۃ الزلزال میں یوں فرمایا گیا: ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾﴾ ''تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے (بچشم خود) دیکھ لے گا''۔ اس کے بعد وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُہُمۡ وَاِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے معاملے کو اللہ کے فیصلے تک مؤخر کر دیا گیا ہے' چاہے انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول فرما لے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

یہ ضعفاء میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے' جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہ تین اصحابؓ تھے: کعب بن مالک' ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم' ان میں سے ایک صحابی حضرت کعب بن مالک

انصاری ؓ نے اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو کتب احادیث اور تفاسیر میں منقول ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بھی تفہیم القرآن میں بخاری شریف کے حوالے سے یہ طویل حدیث نقل کی ہے۔ یہ بہت سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد مدینہ کے اس معاشرے، حضور ﷺ کے زیر تربیت افراد کے اندازِ فکر اور جماعتی زندگی کے نظم وضبط کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ حیران کن بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

یہ تینوں حضرات سچے مسلمان تھے، مہم پر جانا بھی چاہتے تھے مگر سستی کی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور اس طرح وہ جانے سے رہ گئے۔ حضرت کعبؓ بن مالک خود فرماتے ہیں کہ میں اس زمانے میں بہت صحت مند اور خوشحال تھا، میری اونٹنی بھی بہت توانا اور تیز رفتار تھی۔ جب سستی کی وجہ سے میں لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہو سکا تو بھی میرا خیال تھا کہ میں آج کل میں روانہ ہو جاؤں گا اور راستے میں لشکر سے جا ملوں گا۔ میں اسی طرح سوچتا رہا اور روانہ نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ وقت نکل گیا اور پھر ایک دن اچانک مجھے یہ احساس ہوا کہ اب خواہ میں کتنی ہی کوشش کر لوں، لشکر کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والوں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ منافقین آپ ﷺ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر بہانے بناتے رہے اور آپ ﷺ ان کی باتوں کو مانتے رہے۔ جب کعبؓ بن مالک کی باری آئی تو حضور ﷺ نے اُن کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ کعبؓ سچے مؤمن ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر چھوٹ گئے ہیں، اللہ نے مجھے بھی زبان دی ہے، میں بھی بہت سی باتیں بنا سکتا ہوں، مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا۔ میں ان دنوں جتنا صحت مند تھا اتنا پہلے کبھی نہ تھا، جتنا غنی اور خوشحال تھا پہلے کبھی نہ تھا۔ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا سوائے اس کے کہ شیطان نے مجھے ورغلایا اور تاخیر ہوگئی۔ ان کے باقی دو ساتھیوں نے بھی اسی طرح سچ بولا اور کوئی بہانہ نہ بنایا۔

ان تینوں حضرات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے بات نہ کرے اور یوں ان کا مکمل طور پر معاشرتی مقاطعہ (social boycott) ہو گیا، جو پورے پچاس دن جاری رہا۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اس دوران ایک دن انہوں نے اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست سے بات کرنا چاہی تو اس نے بھی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں منافق نہیں ہوں تو اس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ چالیس دن بعد حضور ﷺ کے حکم پر انہوں نے اپنی بیوی کو بھی علیحدہ کر دیا۔ اسی دوران والیٔ غسان کی طرف سے انہیں ایک خط بھی ملا، جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ پر ظلم ڈھا رہے ہیں، آپ باعزت آدمی ہیں، آپ ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو ذلیل کیا جائے، لہٰذا آپ ہمارے پاس آجائیں، ہم آپ کی قدر کریں گے اور اپنے ہاں اعلیٰ مراتب سے نوازیں گے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی، مگر انہوں نے وہ خط تنور میں جھونک کر شیطان کا یہ وار بھی ناکام بنا دیا۔ ان کی اس سزا کے پچاسویں دن ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کے بارے میں حکم نازل ہوا (آیت ۱۱۸) اور اس طرح اللہ نے انہیں اس آزمائش اور ابتلا میں سرخرو فرمایا۔ بائیکاٹ کے اختتام پر ہر فرد

کی طرف سے ان حضرات کے لیے خلوص و محبت کے جذبات کا جس طرح سے اظہار ہوا اور پھر ان تینوں اصحابؓ نے اپنی آزمائش اور ابتلا کے دوران اخلاص و استقامت کی داستان جس خوبصورتی سے رقم کی' یہ ایک دینی جماعتی زندگی کی مثالی تصویر ہے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے ضرر (نقصان) اور کفر کے لیے اور اہلِ ایمان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے اور ان لوگوں کو گھات فراہم کرنے کے لیے جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کر رہے ہیں۔''

ضِرَارًا بابِ مفاعلہ ہے' یعنی انہوں نے مسجد بنائی ہے ضدم ضدا' مقابلے میں اور دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے کے لیے۔ یہ مسجد منافقین نے مسجد قبا کے قریبی علاقے میں بنائی تھی۔ اس کی تعمیر کے پیچھے ابو عامر راہب کا ہاتھ تھا۔ اس شخص کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائیت قبول کر کے راہب بن گیا تھا اور عرب میں اہلِ کتاب کے بہت بڑے عالم کے طور پر جانا جاتا تھا۔ جیسا کہ ورقہ بن نوفل' جو قرشی تھے اور انہوں نے بھی بُت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی' اور اپنے زمانے کے اتنے بڑے عالم تھے کہ تورات عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ بہت نیک اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اُن کے پاس گئیں تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کے پاس آتا تھا۔ انہوں نے تو یہاں تک کہا تھا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حیرت سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہاں! معاملہ ایسا ہی ہے' آپ کی دعوت کے نتیجے میں آپ کی قوم آپ کی دشمن بن جائے گی۔

مگر ابو عامر راہب کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن بن گیا۔ قریشِ مکہ کی بدر میں شکست کے بعد یہ شخص مکہ میں جا کر آباد ہو گیا اور اہلِ مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اُکساتا رہا۔ چنانچہ غزوۂ اُحد کے پیچھے بھی اسی شخص کی سازشیں کارفرما تھیں' بلکہ میدانِ اُحد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اس نے لشکر سے باہر نکل کر انصارِ مدینہ کو خطاب کر کے انہیں ورغلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس کے بعد بھی تمام جنگوں میں یہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہا' مگر حنین کی جنگ کے بعد جب اسے محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی تو وہ مایوس ہو کر شام چلا گیا اور وہاں جا کر بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ اس کے لیے اس نے منافقینِ مدینہ کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا اور اسی کے کہنے پر منافقین نے مسجدِ ضرار تعمیر کی جو نام کو تو مسجد تھی مگر حقیقت میں سازشی عناصر کی کمین گاہ اور فتنے کا ایک مرکز تھی۔

﴿وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷﴾ ''اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو نیکی ہی کا ارادہ کیا تھا' مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

اب جواب طلبی پر یہ منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہماری کوئی بری نیت نہیں تھی‘ ہمارا ارادہ تو نیکی اور بھلائی ہی کا تھا‘ اصل میں دوسری مسجد ذرا دور پڑتی تھی جس کی وجہ سے ہم تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے‘ اس لیے ہم نے سوچا کہ اپنے محلے میں ایک مسجد بنا لیں تا کہ تمام نمازیں آسانی سے باجماعت ادا کر سکیں‘ وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۱۰۸ ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔“

مسجد بنانے کے بعد یہ منافقین حضور ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپؐ مسجد میں تشریف لے آئیں تو بڑی برکت ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بروقت روک دیا کہ آپؐ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ﴾ ”یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی‘ وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپؐ اس میں کھڑے ہوں (نماز پڑھیں)۔“

اس سے مراد مسجد قبا ہے جو قریب ہی تھی اور جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ یہ مقام اس وقت کے مدینہ کی آبادی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو یہ آپؐ کا پہلا پڑاؤ تھا۔ آپؐ نے اس مقام پر قیام فرمایا تھا اور یہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۱۰۸﴾ ”اس میں وہ لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں۔ اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ پاک رہتے ہیں۔“

مسجد قبا والے مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے کس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی سے بھی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طہارت کے اس معیار کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ﴾ ”تو کیا بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہو اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضا پر‘ وہ بہتر ہے“

﴿اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ﴾ ”یا وہ کہ جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد رکھی ایک ایسی کھائی کے کنارے پر جو گرا چاہتی ہے‘ تو وہ اس کو لے کر گر گئی جہنم میں؟“

یعنی جب انسان کوئی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کسی مضبوط اور ٹھوس جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر وہ کسی کھوکھلی جگہ پر یا کسی کھائی وغیرہ کے کنارے پر عمارت تعمیر کرے گا تو جلد یا بدیر وہ عمارت گر کر ہی رہے گی۔ دراصل یہ منافقین کی تدبیروں اور سازشوں کی مثال دی گئی ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے وہ جہنم کی گہری کھائی کے کنارے پر اپنی عمارتیں تعمیر کر رہے ہوں‘ چنانچہ وہ کنارہ بھی گر کر رہے گا اور خود ان کو اور ان کی تعمیرات کو بھی جہنم میں گرائے گا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۰۹﴾ ”اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔“

آیت ۱۱۰ ﴿لَا یَزَالُ بُنْیَانُھُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُھُمْ ۭ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴾ ’’یہ عمارت جوانہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے رکھے گی‘ اِلاّ یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا‘ حکمت والا ہے۔‘‘

ان منافقین کے دلوں کے اندر منافقت کی جڑیں اتنی گہری جا چکی ہیں کہ اس کے اثرات کا زائل ہونا اب ممکن نہیں رہا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کسی کے پورے جسم میں کینسر پھیل چکا ہو تو معمولی آپریشن کرنے سے وہ ٹھیک نہیں ہو سکتا‘ کیونکہ کینسر کے اثرات تو جسم کے ایک ایک ریشے میں سرایت کر چکے ہیں۔ اب اگر سارے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تب شاید اس کی جڑوں کو نکالنا ممکن ہو۔ لہٰذا ان منافقین کے دل ہمیشہ شکوک و شبہات کے اندھیروں میں ہی ڈوبے رہیں گے‘ انہیں ایمان ویقین کی روشنی کبھی نصیب نہیں ہوگی‘ اِلاّ یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

اب اگلی دو آیات میں بہت اہم مضمون آ رہا ہے۔

آیات ۱۱۱‘ ۱۱۲

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۭ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ۭ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

آیت ۱۱۱ ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۭ﴾ ’’یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔‘‘

یہ دو طرفہ سودا ہے جو ایک صاحبِ ایمان بندے کا اپنے رب کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ بندہ اپنے جان و مال بیچتا ہے اور اللہ اس کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیتا ہے۔

﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۣ﴾ ’’وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں‘ پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔‘‘

جیسے جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستّر کافروں کو جہنّم رسید کیا‘ اور میدانِ اُحد میں ستّر اہلِ ایمان شہید ہو گئے۔

﴿وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ﴾ ’’یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہے سچا‘ تورات‘ انجیل اور قرآن میں۔‘‘

یہاں بین السطور میں دراصل یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ سودا اگرچہ ادھار کا سودا ہے مگر یہ ایک پختہ

عہد ہے جس کو پورا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کوئی وسوسہ تمہارے دلوں میں نہ آنے پائے۔ دراصل یہ اس سوچ کا جواب ہے جو طبع بشری کی کمزوری کے سبب انسانی ذہن میں آتی ہے۔ انسان کو بنیادی طور پر ''نو نقد نہ تیرہ ادھار'' والا فلسفہ ہی اچھا لگتا ہے کہ کامیاب سودا تو وہی ہوتا ہے جو ایک ہاتھ دو اور دوسرے ہاتھ لو کے اصول کے مطابق ہو۔ مگر یہاں تو دُنیوی زندگی میں سب کچھ قربان کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور اس کے انعام کے لیے وعدۂ فردا کا انتظار کرنے کو کہا جارہا ہے کہ اس قربانی کا انعام مرنے کے بعد آخرت میں ملے گا۔ لہٰذا ایک عام انسان اس ''جنت موعودہ'' کا ہلکا سا تصور ہی اپنے ذہن میں لاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں یقین کی پختگی تو صرف خواص کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو ادھار کے اس سودے پر اطمینان دلایا جارہا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس وعدے کی توثیق تین دفعہ ہو چکی ہے' تورات میں' انجیل میں اور پھر قرآن مجید میں بھی۔

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۱۱﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔''

بَایَعْتُمْ بِہٖ یعنی آپس میں جو سودا تم نے کیا۔ مبایعت بابِ مفاعلہ بَایَعَ یُبَایِعُ (آپس میں سودا کرنا) ثلاثی مجرد بَاعَ یَبِیْعُ (بیچنا) سے ہے۔ یہیں سے لفظ ''بیعت'' نکلا ہے۔ ایک بندہ جو بیعت کرتا ہے اس میں وہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے ہاتھ پر صحابہؓ نے جو بیعت کی' اس کا مطلب یہی تھا کہ انہوں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ اللہ تو چونکہ سامنے موجود نہیں تھا اس لیے بظاہر یہ بیعت حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پر ہوئی تھی' مگر اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں دراصل وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں اور وقت بیعت ان کے ہاتھوں کے اوپر ایک تیسرا غیر مرئی ہاتھ اللہ کا بھی موجود ہوتا ہے۔ (الفتح:۱۰)

یہ سودا اور یہ بیع جس کا ذکر آیت زیر نظر میں ہوا ہے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو یہ سودا کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور اپنے اموال بیچ دیں۔ اب اس سودے کے اثرات عملی طور پر جب انسانی شخصیت پر مترتب ہوں گے تو اس میں سے اعمالِ صالحہ کا ظہور ہوگا۔ لہٰذا اس کیفیت کا نقشہ آئندہ آیت میں کھینچا گیا ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ ''توبہ کرنے والے' (اللہ کی) بندگی کرنے والے' (اللہ کی) حمد کرنے والے' دُنیوی آسائشوں سے لاتعلق رہنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے''

'سَاۗىِٕحُوْنَ' کا معنی ہے ''سیاحت کرنے والے''۔ لیکن اس سے مراد محض سیر وسیاحت نہیں بلکہ عبادت و ریاضت کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہونا ہے۔ پچھلی اُمتوں میں روحانی ترقی کے لیے لوگ لذاتِ دنیوی کو

ترک کر کے اور انسانی آبادیوں سے لاتعلق ہو کر جنگلوں میں چلے جاتے تھے اور رہبانیت اختیار کر لیتے تھے‘ مگر ہمارے دین میں ایسی سیاحت اور رہبانیت کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا سِيَاحَةَ))(۱) ”اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ سیاحت“۔ سابقہ ادیان کے برعکس اسلام نے سیاحت اور رہبانیت کا جو تصور متعارف کرایا ہے اس کے لیے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ملاحظہ کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ سِيَاحَةً وَإِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ رَهْبَانِيَّةً وَرَهْبَانِيَّةُ أُمَّتِي الرِّبَاطُ فِي نُحُورِ الْعَدُوِّ))(۲)

”ہر اُمت کے لیے سیاحت کا ایک طریقہ تھا اور میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے‘ اور ہر اُمت کی ایک رہبانیت تھی‘ جبکہ میری اُمت کی رہبانیت دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونا ہے۔“

ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ‘ مجھے سیاحت کی اجازت دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))(۳)

گویا ہماری اُمت کے لیے ’سیاحت‘ کا اطلاق جہاد وقتال کے لیے گھر سے نکلنے اور اس راستے میں صعوبتیں اٹھانے پر ہوگا۔

یہ چھ اوصاف جو اوپر گنوائے گئے ہیں ان کا تعلق انسانی شخصیت کے نظریاتی پہلو سے ہے۔ اب اس کے بعد تین ایسی خصوصیات کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو انسان کی عملی جدّوجہد سے متعلق ہیں اور دعوت وتحریک کی صورت میں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ”نیکی کا حکم دینے والے‘ بدی سے روکنے والے‘ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ان اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے۔“

امر بالمعروف گویا دین کے لیے عملی جدّوجہد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ جدّوجہد جب آگے بڑھ کر نہی عن المنکر بالید کے مرحلے تک پہنچتی ہے تو پھر اِن خدائی فوجداروں کی ضرورت پڑتی ہے جن کو یہاں ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اگر پوری طرح منظّم ہوں تو اپنی تنظیمی طاقت کے بل پر کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ اب ہم اپنے معاشرے میں منکرات کا سکّہ نہیں چلنے دیں گے اور کسی کو اللہ کی حدود کو توڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اللّٰھم رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! منہج انقلابِ نبوی ﷺ میں اس مرحلے کے ضمن میں آج اجتہاد کی ضرورت ہے کہ موجودہ حالات میں نہی عن المنکر بالید کے لیے اجتماعی اور منظّم جدّوجہد کی صورت کیا ہوگی۔

(۱) فتح الباری لابن رجب: ۱/۱۰۲۔ ومراسیل ابی داوٗد: ۲۸۷۔

(۲) مجمع الزوائد للهیثمی: ۵/۲۸۱۔ والجامع الصغیر للسیوطی‘ ح: ۲۴۰۸۔

(۳) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الجهاد‘ باب فی النهی عن السیاحة۔ وصحیح الجامع للالبانی‘ ح: ۲۰۹۳۔

آیات ۱۱۳ تا ۱۱۸

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

آیت ۱۱۳ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ ”نبیؐ اور اہلِ ایمان کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں“

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾﴾ ”اس کے بعد جبکہ ان پر واضح ہو چکا کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔“

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ﴾ ”اور نہیں تھا استغفار کرنا ابراہیمؑ کا اپنے والد کے حق میں مگر ایک وعدے کی بنیاد پر جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔“

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے آپؑ کو گھر سے نکالا تھا تو جاتے ہوئے آپؑ نے یہ وعدہ کیا تھا‘ اس وعدے کا ذکر سورۂ مریم میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾﴾ ”میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی درخواست کروں گا‘ بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔“

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾﴾ ”اور جب آپؑ پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپؑ نے اس سے اعلانِ بیزاری کر دیا۔ یقیناً ابراہیمؑ بہت دردِ دل رکھنے والے اور حلیم الطبع تھے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام وعدے کے مطابق اپنے والد کی زندگی میں اس کے لیے دعا کرتے رہے کہ جب تک وہ زندہ تھا تو امید تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی توفیق دے دے‘ لیکن جب اس کی موت واقع ہوگئی تو آپؑ

نے استغفار بند کر دیا کہ زندگی میں جب وہ کفر پر ہی اڑا رہا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ اب اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا ۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ﴾ ''اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ انہیں ہدایت دی ہو جب تک اُن پر واضح نہ کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا ہے۔''

یہ گویا معافی کا اعلان ہے اُن لوگوں کے لیے جو اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے اپنے مشرک والدین یا رشتہ داروں کے لیے دعا کرتے رہے تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ١١٥﴾ ''یقیناً اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ١١٦﴾ ''یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہیں ہے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۱۷ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ''اللہ مہربان ہوا نبی (ﷺ) پر، اور مہاجرین وانصار پر بھی، جنہوں نے آپ کا اتباع کیا (ساتھ دیا) مشکل وقت میں''

یہ تبوک کی مہم کی طرف اشارہ ہے۔ تاریخ میں یہ مہم ''جَیش العُسرۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خشک سالی کے باعث مدینہ میں قحط کا سماں تھا۔ ان حالات میں اتنے بڑے لشکر کا اتنی لمبی مسافت پر وقت کی سپر پاور سے نبرد آزما ہونے کے لیے جانا واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔ جو لوگ اس آزمائش میں ثابت قدم رہے، یہ ان کے لیے رحمت و شفقت کا ایک اعلانِ عام ہے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ ''اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ کجی آنے لگی تھی''

بربنائے طبع بشری کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی انسان میں کچھ کمزوری آ ہی جاتی ہے۔ جیسے غزوۂ اُحد میں بھی دو مسلمان قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگوں کے دلوں میں عارضی طور پر تھوڑی سے کمزوری آ گئی تھی۔

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ١١٧﴾ ''پھر اللہ نے ان پر نظرِ رحمت فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے حق میں بہت مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۱۱۸ ﴿وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ﴾ ''اور ان تین پر بھی (اللہ نے رحمت کی نگاہ کی) جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔''

یہ تین صحابہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کے لیے اعلانِ معافی ہے۔ ان تین

اصحابؓ کا ذکر آیت ۱۰۶ میں ہوا تھا اور وہاں ان کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ پچاس دن کے معاشرتی مقاطعہ کی سزا کے بعد ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا گیا اور انہیں اس حکم کی صورت میں قبولیتِ توبہ کی سند عطا ہوئی۔

﴿حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّآ اِلَیْہِ ط﴾ ''یہاں تک کہ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود ان پر تنگ پڑ گئی اور ان پر اپنی جانیں بھی بوجھ بن گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی اور جائے پناہ ہے ہی نہیں۔''

یہ ایسی کیفیت ہے کہ کوئی بچہ ماں سے پٹتا ہے مگر اس کے بعد اسی سے لپٹتا ہے۔ اللہ کے بندوں پر بھی اگر اللہ کی طرف سے سختی آتی ہے' کوئی سزا ملتی ہے تو نہ صرف وہ اس سختی کو خوش دلی اور صبر سے برداشت کرتے ہیں' بلکہ پناہ کے لیے رجوع بھی اسی کی طرف کرتے ہیں' کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ انہیں پناہ ملے گی تو اسی کے حضور ملے گی' ان کے دکھوں کا مداوا ہو گا تو اسی کی جناب سے ہو گا۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو کیسے خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا ہے: ؂

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو' ترے عفوِ بندہ نواز میں

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ لِیَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''تو اُس نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ بھی پھر متوجہ ہو جائیں۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

تاکہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیں اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کر لیں۔

آیات ۱۱۹ تا ۱۲۲

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ ط ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

آیت ۱۱۹ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ کا

تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔''

یہ گویا جماعتی زندگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور جماعتی زندگی سے منسلک رہنے کے بہت سے فوائد اور بہت سی برکتیں ہیں' جیسا کہ اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام کی آیت ۷۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ یَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَی الۡهُدَی ائۡتِنَا ؕ﴾۔ جماعتی زندگی دراصل ایک قافلے کی مانند ہے۔ قافلے میں دورانِ سفر اگر کسی ساتھی کی ہمت جواب دے رہی ہو یا کوئی معذوری آڑے آ رہی ہو تو دوسرے ساتھی اسے سہارا دینے' ہاتھ پکڑنے اور ہمت بندھانے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

آیت ۱۲۰ ﴿مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِیۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ یَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا یَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ﴾ ''اہلِ مدینہ اور ان کے اردگرد کے بدو لوگوں کے لیے روا نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہتے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو آپؐ کی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے۔''

غزوۂ تبوک کے لیے نکلتے ہوئے مدینہ کے ماحول میں ''تپتی راہیں مجھ کو پکاریں' دامن پکڑے چھاؤں گھنیری'' والا معاملہ تھا۔ لہٰذا جب اللہ کے رسول ﷺ ان تپتی راہوں کی طرف کوچ فرما رہے تھے تو کسی ایمان کے دعویدار کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے رہ جائے' آپؐ کی جان سے بڑھ کر اپنی جان کی عافیت کی فکر کرے اور آپؐ کے سفر کی صعوبتوں پر اپنی آسائشوں کو ترجیح دے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا یُصِیۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوۡنَ مَوۡطِئًا یَّغِیۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّیۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہیں پیاس' مشقت اور فاقے کی (صورت میں) جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ کی راہ میں' اور جہاں کہیں بھی وہ قدم رکھتے ہیں کفار (کے دلوں) کو جلاتے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں کوئی بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں' تو اُن کے لیے اس (سب کچھ) کے عوض نیکیوں کا اندارج ہوتا رہتا ہے۔''

اہلِ ایمان جب اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں تو ان کی ہر مشقت اور ہر تکلیف کے عوض اللہ تعالیٰ ان کے نیکیوں کے ذخیرہ میں مسلسل اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''یقیناً اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

آیت ۱۲۱ ﴿وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً صَغِیۡرَةً وَّلَا كَبِیۡرَةً وَّلَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ﴾ ''اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں کوئی نفقہ' چھوٹا ہو یا بڑا اور طے کرتے ہیں کوئی وادی تو (ان کا ایک ایک عمل) اُن کے لیے لکھ لیا جاتا ہے''

﴿لِیَجۡزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''تا کہ اللہ بدلہ دے انہیں بہت ہی عمدہ اس کا جو عمل وہ کرتے رہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِیَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً ؕ﴾ ''اور اہلِ ایمان کے لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ

سب کے سب نکل آئیں۔"

مدینہ کے مضافات میں بسنے والے بدو قبائل کا تذکرہ پچھلی آیات میں ہو چکا ہے: ﴿اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا ...... ﴿۹۷﴾﴾ یہ بدو لوگ کفر اور نفاق میں بہت زیادہ سخت تھے اور اس کا سبب علم دین سے ان کی ناواقفیت تھی۔ اس لیے کہ انہیں حضورﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اب اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ سارے بادیہ نشین لوگ اپنی اپنی آبادیاں چھوڑتے اور مدینہ میں آ کر آباد ہو جاتے۔ چنانچہ یہاں اس مسئلہ کا حل بتایا جا رہا ہے۔

﴿فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ﴾ "تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ نکلتا ان کی ہر جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ وہ دین کا فہم حاصل کرتے"

یہاں اس مشکل کا حل یہ بتایا گیا کہ ہر علاقے اور ہر قبیلے سے چند لوگ آئیں اور صحبتِ نبویﷺ سے فیض یاب ہوں۔

﴿وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ "اور وہ اپنے لوگوں کو خبردار کرتے جب ان کی طرف واپس لوٹتے تاکہ وہ بھی نافرمانی سے بچتے۔"

یہاں اس سلسلے میں باقاعدہ ایک نظام وضع کرنے کی ہدایت کر دی گئی کہ مختلف علاقوں سے قبائل کے نمائندے آئیں، مدینہ میں قیام کریں، رسول اللہﷺ کی صحبت میں رہیں، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت سے استفادہ کریں، احکامِ دین کو سمجھیں اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر اس تعلیم کو عام کریں۔

آیات ۱۲۳ تا ۱۲۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ يَلُوۡنَكُمۡ مِّنَ الۡكُفَّارِ وَلۡيَجِدُوۡا فِيۡكُمۡ غِلۡظَةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۶ / ۵

آیت ۱۲۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً﴾ ’’اے اہلِ ایمان! جنگ کرو ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔‘‘

اس حکم میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے بین الاقوامی اور آفاقی دور کا آغاز ہو چکا ہے‘ اب اس دعوت کو چہار سو پھیلنا ہے اور دارالاسلام کی سرحدوں کو وسیع ہونا ہے۔ چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اسلامی حکومت کی سرحدوں پر جو کفار بستے ہیں ان سے قتال کرو‘ اور جیسے جیسے یہ سرحدیں آگے بڑھتی جائیں تمہارے قتال کا سلسلہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا جائے‘ حتیٰ کہ اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آ جائے۔ جیسے سورۃ الانفال میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک قتال جاری رکھنے کا حکم ہوا تھا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (آیت ۳۹) یعنی جب تک جزیرہ نمائے عرب سے کفر وشرک کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور اللہ کا دین اس پورے علاقے میں غالب نہیں ہو جاتا یہ جنگ جاری رہے گی۔ بہرحال آیت زیرِ نظر میں غلبۂ دین کے لیے بین الاقوامی سطح پر جدّوجہد کے لیے اللہ کا واضح حکم موجود ہے اور اس سلسلے میں اسلام کا چارٹر بھی۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے جزیرہ نمائے عرب سے اسلامی افواج جہاد کے لیے نکلی تھیں اور پھر اسلامی سرحدوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تھا۔

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝۱۲۳﴾ ’’اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔‘‘

آیت ۱۲۴ ﴿وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا﴾ ’’اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (منافقین آپس میں) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟‘‘

اس سے پہلے سورۃ الانفال (آیت ۲) میں اہلِ ایمان کا ذکر اس حوالے سے ہو چکا ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ منافقین اس پر طنز اور استہزاء کرتے تھے اور جب بھی کوئی تازہ وحی نازل ہوتی تو اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے کہ ہاں بھئی اس سورت کو سُن کر کس کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۱۲۴﴾ ’’تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔‘‘

اللہ کا کلام سُن کر حقیقی مؤمنین کے ایمان میں یقیناً اضافہ بھی ہوتا ہے اور وہ ہر وحی کے نازل ہونے پر خوشیاں بھی مناتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کلام سے مزید انہیں نوازا ہے اور ان کے ایمان کو جلا بخشی ہے۔

آیت ۱۲۵ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۲۵﴾ ’’رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان (کے اندر) کی گندگی پر مزید گندگی کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ مرتے ہیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۲۶ ﴿اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ﴾ ’’کیا یہ (منافقین) دیکھتے نہیں ہیں کہ ہر سال انہیں آزمایا جاتا ہے ایک بار یا دو بار‘‘

قتال کا مرحلہ ہو یا کسی اور آزمائش کا موقع، وقفے وقفے سے سال میں ایک یا دو مرتبہ منافقین کے امتحان کا سامان ہو ہی جاتا ہے، جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا رہتا ہے۔

﴿ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾﴾ ''پھر بھی نہ تو یہ لوگ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت اخذ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں''

جب قتال کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں موجود منافقین کنکھیوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔

﴿هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا﴾ ''کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، پھر وہ وہاں سے کھسک جاتے ہیں۔''

﴿صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾﴾ ''(دراصل) اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

اس سورت کی آخری دو آیات قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ''(اے لوگو دیکھو!) آ چکا ہے تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول، بہت بھاری گزرتی ہے آپؐ پر تمہاری تکلیف''

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شے جو تمہیں مصیبت اور ہلاکت سے دوچار کرنے والی ہو وہ ان کے دل پر نہایت شاق ہے۔ آپ ﷺ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں کی ہلاکتوں اور مصیبتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں۔

﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ ''تمہارے حق میں آپؐ (بھلائی کے) بہت حریص ہیں، اہل ایمان کے لیے شفیق بھی ہیں، رحیم بھی۔''

آپ ﷺ کی شدید خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام خیر، ساری خوبیاں اور ساری بھلائیاں تم لوگوں کو عطا فرما دے۔

آیت ۱۲۹ ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ ''پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾﴾ ''اُسی پر میں نے توکّل کیا اور وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے عرش کی کیفیت اور عظمت ہمارے تصور میں نہیں آ سکتی۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني واياكم بالآيات والذكر الحكيم○○